شہدائے اہلحدیث نمبر
اسلامی نظریات، سلفی عقائد اور روحانی اقدار کا پیامبر
www.KitaboSunnat.com
ماہنامہ
ترجمان الحدیث
لاہور
بانی:
شہید اسلام حضرت علامہ
احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ تعالیٰ
مدیر اعلیٰ
پروفیسر ساجد میر

ماھنامہ

ترجمان الحدیث

لاھور

بانی

شہید اسلام حضرت علامہ

احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ تعالیٰ

مدیر اعلیٰ

پروفیسر ساجد میر

مجلس ادارت

جلد نمبر ۲۱	مارچ ، اپریل ۱۹۸۸ء	شمارہ نمبر ۳/۴

ترتیب

ترجمان الحدیث' ایک طویل تعطل کے بعد حاضرِ خدمت ہو رہا ہے اس تعطل کی وجہ اس مجلہ کے بانی اور مدیرِ اعلیٰ علامہ احسان الہیٰ ظہیر رح کی شہادت کا المیہ ہے جو جمعیت اہلحدیث، اہل حدیث یوتھ فورس اور دیگر کئی اداروں کی طرح " ترجمان الحدیث " کو بھی یتیم کر گیا وہ جوانِ رعنا اپنی ذات میں ایک انجمن تھا۔ ایک ادارہ تھا۔ خطابت کی آبرو، صحافت کا بانکپن اور سیاست کا نکھار ایک ہی سحرانگیز شخصیت میں جمع ہو گئے تھے۔ تصنیف و تالیف، تقریر و خطابت، بحث و مجادلہ، قیادت و سیادت نے الگ الگ خانوں میں بیٹھنے کی بجائے ایک ہی نہاں خانۂ دل کو اپنا مسکن ٹھہرا لیا تھا اور ساتھ ہی اس دل میں ایک بے چین و بے قرار روح سمائی ہوئی تھی کہ علامہ احسان رح نے پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام اور ساری دنیا میں تصنیف خطابت اور قیادت کے میدان میں خود کو منوایا۔ علامہ رح ہی کے ایک پسندیدہ شعر کی زبان میں ؎

حقیقتاً اہل زباں کب مانتے تھے۔
بڑے زوروں سے منوایا گیا ہوں

اور ابھی تو ان کی صلاحیتوں پر نکھار آ رہا تھا۔ اہلِ نظر کے نزدیک ابھی اس نے شہرت و عظمت کے کئی اور وادیاں طے کرنا تھیں کہ سفاک ہاتھوں نے اسے ہمارے درمیان میں سے اچک لیا ع

پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی۔

اس ایک شخص کے جانے سے کئی گلشن اور کئی ادارے ویران ہوئے اور ان میں ہر ادارہ زبانِ حال سے پکار اٹھا ؎

تم ماہِ شبِ چار دھم تھے مرے گھر کے۔
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

ہاں اے "بدسفاک" جواں تھا ابھی "احسان"
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ گیارہ ماہ کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ ظالم وسفاک ہاتھ ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں جو علامہ ظہیرؒ اور ان کے گرامی قدر رفقاء مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی مولانا عبدالخالق قدوسی اور مولانا محمد خاں نجیب کی مظلومانہ شہادت کے ذمہ دار بنے ایک شریف مہذب اور جمہوری کہلوانے والی حکومت کے ماتھے پر ایسے عظیم، بلند اور نیک لوگوں کی موت کا داغ ہی کچھ کم نہ تھا کہ ایک طویل مسلسل اور جاندار عوامی احتجاجی تحریک کے باوجود، حکومت نے قاتلوں کا سراغ لگانے میں ناکامی سے کچھ اور بدنما داغ بھی اپنی جبیں پر سجا لیا کیا وہ ان داغوں کو ہی اپنی زیب وزینت کا سامان سمجھتی ہے یا وہ واقعی قاتلوں تک پہنچنے میں ناکام رہی ہے؟ اس سوال کا دیانتدارانہ جواب اب تک ان کے ذمہ ہے اور نہ صرف اس ملک کے اہلحدیث بلکہ تمام حریت پسند اہلِ فکر ونظر اس سے زود یا بدیر اس سوال کا جواب لینے کا عزم کر چکے ہیں جس سے صرفِ نظر انشاء اللہ زیادہ دیر تک حکومت کے بس میں نہیں رہے گا۔

"ترجمان الحدیث" پہلی مرتبہ نومبر ۱۹۶۹ء (شعبان ۱۳۸۹) میں آسمانِ صحافت پر جلوہ گر ہوا۔ اس وقت اس کی مجلسِ ادارت میں مدیرِ اعلیٰ کے بعد راقم الحروف ہی کا نام شامل تھا۔ مگر جمعیت اہل حدیث پاکستان کی طرح ادارہ "ترجمان الحدیث" میں بھی علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی جانشینی میرے لیے کسی خوشی اور مسرت کا باعث نہیں۔ میرے لیے یہی اعزاز بہت ہے کہ میرے دوست اور بھائی احسان کے ساتھ اپنے تینتیس سالہ دورِ رفاقت میں مجھے ہمیشہ اس کا اعتماد اور خلوص حاصل رہا اور پاکستان سے میری نو سالہ غیر حاضری کا زمانہ بھی ہمارے تعلق کی گہرائی وگیرائی پر اثر انداز نہ ہو سکا میری پاکستان واپسی کے بعد انہوں نے متعدد بار بڑے اصرار کے ساتھ جمعیت اہل حدیث پاکستان کی نظامت میں اور اپنے تصنیف وتالیف کے ادارہ "ترجمان السنۃ" کا انتظام وانصرام میرے حوالہ کرنا چاہا مگر میں نے اپنی ذاتی مجبوریوں اور مصروفیات کے پیشِ نظر بھی اور اپنے دل میں ان کی احترام آمیز محبت کے پیشِ نظر بھی

کسی منصبی ذمہ داری کو قبول کرنے سے گریز کیا انہوں نے بہرحال تصنیف و تالیف کے میدان میں ہمارے باہمی اشتراک کی ایک راہ نکال لی ہم نے ایک مشترکہ منصوبہ (مسیحیت پر ایک تحقیقی کتاب) کو پایۂ تکمیل تک پہنچا بھی لیا تھا اور دوسرے منصوبہ (سوشلزم پر تصنیف) کا آغاز ہو چکا تھا کہ ع

آں قدح بشکست وہ آں ساقی نماند

گردشِ زمانہ سے فرصت میسر آئی تو ان میں سے کم از کم اول الذکر کتاب ضرور اہل خرد کی خدمت میں پیش ہوگی اور آئندہ بھی انشاءاللہ علامہ شہیدؒ کے تصنیفی مشن کو جاری رکھا جائیگا۔

اب کوئی اور کرے پرورشِ لوح و قلم
سونی سونی ہے ہر اک راہ گذر میرے بعد

" ترجمان الحدیث " کے نئے دور کا آغاز ہمارے جلیل القدر شہدائے کرام کے مبارک تذکرہ سے ہو رہا ہے ان کی شہادت کے بعد اب تک ہم جن مصیبتوں، پریشانیوں اور مایوسیوں سے دوچار ہو رہے ہیں۔ ان میں بانیٔ "ترجمان" کے یہ جملے۔ جو ان کی ذات کی حد تک تو الہامی ثابت ہوئے ہیں ہمارے لیے وجہ قرار ہیں۔

" اہل عزائم بے چینیوں اور مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیاروں میں بھی دامان امید کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور تیرہ و تاریک بستیوں کو ایمان و ایقان کی مشعلوں سے فروزاں کرنے کی کوشش میں مشغول رہتے ہیں بادِ سموم کے تند و تیز جھونکے انکی دل شکستگی و دل گرفتگی کا نہیں بلکہ جلادت و مردانگی کا سبب بن جاتے ہیں چاہے اس چراغ کی تابش و ضیا کو برقرار رکھنے میں انہیں اپنے مستقبل اور اپنی زندگی کی لَو کو مدھم یا معدوم ہی کیوں نہ کرنا پڑے لیکن وہ اپنی وفا کیشیوں، قربانیوں اور فدا کاریوں سے جریدۂ عالم پر وہ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جنہیں مرورِ ایام اور گردشِ زمانہ مٹانے پر قادر نہیں رہتے۔"

جہاں تک اس مجلہ کے اہداف و مقاصد کا تعلق ہے ان کی بہترین ترجمانی بھی اس کے اولین شمارہ میں کردی گئی تھی اور اس کے دوبارہ اجراء کے موقع پر ہمارے نصب العین کی وضاحت کے لیے ان سے بہتر پیرایہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔

" اس موقع پر جبکہ ہم "ترجمان الحدیث" کا یہ شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش

کر رہے ہیں ہم انہیں پورے یقین و اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ رب ذوالجلال کی مدد و حمایت سے "ترجمان" جب تک زندہ رہے گا کتاب اللہ اور سنتِ رسول کا ترجمان اور کفر و الحاد کے راستے میں کوہِ گراں بن کے زندہ رہے گا اور اس راہ میں نہ تو دنیا کی کوئی قوت و طاقت اسے تحریص و ترغیب سے خرید سکے گی اور نہ ہی تخویف و تہدید اسے کلمۂ حق کہنے سے باز رکھ سکے گی اور ہم ناتواں اور کمزور بندے اس راہ کی دشواریوں کو جانتے ہوئے اور اس راستے کی مشکلات کا علم رکھتے ہوئے اپنے مالک کے فضل و کرم سے اپنے اندر اس قدر حوصلہ رکھتے ہیں کہ اسلام کی عظمت، قرآن کی حرمت اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناموس کے لیے اپنا سب کچھ مٹا دیں اور اپنی معاش، اپنے مستقبل، اپنی آبرو، اپنی ناموس حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی اس مقصود کے لیے قربان کر دیں اور اپنے پائے عزیمت میں لغزش نہ آنے دیں۔"

"ہمیں معلوم ہے کہ اسلام اس وقت غریب الوطن ہے اور اسلام کا درد رکھنے والے اپنوں اور بیگانوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ اغیار انہیں مسلمانی کے جرم بے گناہی میں جینے نہیں دیتے اور احباب نے اپنے مصالح، مطامعہ اور اپنے افکار دوں کے سبب ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔

لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان ساری کوششوں اور کاوشوں کے باوصف وہ علم سرنگوں نہیں ہو سکتا جو اللہ کی عظمت کے اظہار کے لیے بلند کیا گیا ہے اور وہ چراغ کبھی نہیں بجھ سکتا جو مشکوٰۃِ نبوت سے مستنیر ہے۔

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون ۰

خداوندکریم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس جھنڈے کو بلند رکھنے اور سنتِ نبوی کی شمعوں کو فروزاں رکھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)"

(ساجد میر)

ترجمان الحدیث کا آغاز

نومبر ۱۹۶۹ء سے ماہنامہ ترجمان الحدیث، شہید ملت حضرۃ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی ادارت میں شروع ہوا۔ شمارہ اوّل کے چند اوراق کے عکس شائع کیے جا رہے ہیں۔ جو قارئین کرام کیلئے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ نومبر ۱۹۶۹ء سے لیکر مارچ ۱۹۸۷ء تک یہ مجلہ باقاعدگی کے ساتھ حضرت علامہ شہیدؒ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ سانحۂ لاہور نے جہاں ہماری متاع گرانمایہ چھین لی وہاں ترجمان الحدیث بھی تعطل کا شکار ہو گیا۔ بحمداللہ اب یہ مجلہ حسب سابق جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کی سرپرستی اور جانشین حضرت علامہ شہید، قائد اہلحدیث جناب پروفیسر ساجد میر سیکرٹری جنرل جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کی ادارت میں اپنے صحافتی سفر کا آغاز کر رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مجلہ قائد اہلحدیث کی ادارت میں ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے گا۔ اور مسلک اہلحدیث کی ترجمانی کا فریضہ بطریق احسن سر انجام دیتا رہے گا۔

اللہ تعالٰی ہمارا حامی و ناصر ہو۔

اسلامی نظریات، سلفی عقائد اور روحانی اقدار کا پیامبر

ماھنامہ ترجمان الحدیث لاھور

مدیر اعلیٰ: احسان الٰہی ظہیر۔ ایم اے۔ فاضل مدینہ یونیورسٹی

مجلس ادارت: پروفیسر ساجد میر ایم اے، بشیر انصاری ایم اے، حافظ ثناء اللہ ایم اے

مجلس مشاورت: امام المحققین مولانا حافظ محمد گوندلوی، شیخ التفسیر مولانا محمد عبدہٗ
شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد اسحاق، شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ
ڈاکٹر سید محمد عبداللہ۔ ایم اے۔ ڈی لٹ
ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ڈی لٹ
پروفیسر عبدالقیوم۔ ایم اے۔

جلد ۱: نومبر ۱۹۶۹ء شعبان ۱۳۸۹ھ شمارہ: ۵

تصریحات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں۔

اس وقت پاکستان میں جس تیزی سے غیر ملکی اور غیر اسلامی نظریات بار پا رہے ہیں اور جس طرح فریب خوردہ لوگ ان کی چکاچوند سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اس سے دینی اور اسلامی غیرت رکھنے والے لوگوں کا مضطرب اور بے چین ہونا ایک قدرتی اور فطری امر ہے لیکن اہلِ عزائم بے چینیوں اور مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیاروں میں بھی دامانِ آس کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور تیرہ و تاریک بستیوں کو ایمان و ایقان کی مشعلوں سے فروزاں کرنے کی کوششوں میں مشغول رہتے ہیں۔ بادِ سموم کے تند و تیز جھونکے ان کی دل شکستگی و دل گرفتگی کا نہیں بلکہ جلادت و مردانگی کا سبب بن جاتے ہیں، چاہے اس چراغ کی تابش و ضیا کو برقرار رکھنے میں انہیں اپنے مستقبل اور اپنی زندگی کی لو کو مدہم یا معدوم ہی کیوں نہ کرنا پڑے لیکن وہ اپنی وفا کیشیوں، قربانیوں اور فداکاریوں سے جریدۂ عالم پہ وہ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جنہیں مرورِ ایام اور گردشِ زمانہ مٹا سکنے پر قادر نہیں رہتے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگ ہر دور میں قلیل رہے ہیں اور الحاد و طاغوت کی ہر دور میں کثرت رہی ہے لیکن مقصد کی بلندی و پاکیزگی اور ارادے کی مضبوطی و صلابت اور ربِّ کریم پر توکل اور اس کی طرف انابت کی موجودگی میں کثرت و تعداد کی قلت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور یہی سبب ہے کہ چودہ صدیوں کے طویل عرصہ میں دشمنانِ دین کی ترکتازیوں کے باوجود اور حالات کی ناسازگاری کے باوصف اسلام آج بھی اپنی مکمل صورت میں موجود ہے اور انشاء اللہ قیامت تک موجود رہے گا۔
لیکن اس کے لیے کچھ ہماری بھی ذمہ داریاں ہیں اور وہ یہ کہ ہم اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حوادثِ زمانہ اور مخالفین و حاسدین کی مخالفتوں اور رکاوٹوں کو پھاندتے ہوئے منزلِ حقیقی کی طرف رواں دواں رہیں تاکہ اسلام اور ملک کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی انجام دہی کرتے ہوئے وقت کے چیلنج کو قبول کریں اور درآمدہ شدہ نظریات کا عملی اور عقلی طور پر جواب دے سکیں۔

ان حالات میں ایک ایسے پرچے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی جو وقت کے ان تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اس لیے کہ اس وقت ملک میں عموماً اور جماعت اہل حدیث میں خصوصاً ایسے مجلات وجرائد کی شدید کمی ہے جو جدید تحریکات کو سمجھتے ہوئے ان کے اعتراضات کا جواب دے سکیں اور ان کی طرف سے جدید تعلیم یافتہ اذہان میں پیدا کردہ شکوک وشبہات اور مغالطات کا ازالہ کر سکیں۔

چنانچہ بنام خدا اسی مقصد ومنشا کی خاطر ہم نے ماہنامہ "ترجمان الحدیث" کا اجرا کیا ہے اور مقام خوشی ومسرت ہے کہ ابتداء ہی میں ہمیں ملک کے ان نامور اہل قلم اور ممتاز علماً کی معاونت ورفاقت حاصل ہو گئی ہے جو نہ صرف یہ کہ ان تحریکات اور فلسفوں سے پوری طرح باخبر ہیں بلکہ ان کے پس منظر، تہ منظر اور پیش منظر سے بھی مکمل طور آگاہ ہیں اور ان پر نقد واحتساب کرنے میں پوری طرح ماہر

اس موقع پر جب کہ ہم "ترجمان الحدیث" کا پہلا شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ہم انہیں پورے یقین واعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اب ذوالجلال کی مدد وحمایت سے "ترجمان" جب تک زندہ رہے گا، کتاب اللہ اور سنت رسول کا ترجمان اور کفر والحاد کے راستے میں کوہ گراں بن کے زندہ رہے گا اور اس راہ میں نہ تو دنیا کی کوئی قوت وطاقت اسے تحریص وترغیب سے خرید سکے گی اور نہ ہی تخویف وتہدید اسے کلمہ حق کہنے سے باز رکھ سکے گی اور ہم ناتواں اور کمزور بندے اس راہ کی کٹھنائیوں کو جانتے ہوئے اور اس راستے کی مشکلات کا علم رکھتے ہوئے اپنے مالک کے فضل وکرم سے اپنے اندر اس قدر حوصلہ رکھتے ہیں کہ اسلام کی عظمت، قرآن کی حرمت اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناموس کے لیے اپنا سب کچھ مٹا دیں اور اپنی معاش، اپنے مستقبل، اپنی آبرو، اپنے ناموس حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی اس مقصود کے لیے قربان کر دیں اور اپنے پائے عزیمت میں لغزش نہ آنے دیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ اسلام اس وقت غریب الوطن ہے اور اسلام کا درد رکھنے والے اپنوں اور بیگانوں کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ اغیار انہیں مسلمانی کے جرم بے گناہی میں جینے نہیں دیتے اور احباب نے اپنے مصالح، مطامع اور اپنے افکار ردوں کے سبب ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔

لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان ساری کوششوں اور کاوشوں کے باوصف وہ علم سرنگوں نہیں ہو سکتا جو اللہ کی عظمت کے اظہار کے لیے بلند کیا گیا ہے اور وہ چراغ کبھی نہیں بجھ سکتا جو مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر ہے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

خداوند کریم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس جھنڈے کو بلند رکھنے اور سنتِ نبوی کی شمعوں کو فروزاں رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں ہم ان دوستوں اور بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں، جنہوں نے اس دینی عمل پرچہ کے اجراء کے سلسلے میں ہمارے ساتھ دامے درمے اور قدمے سخنے تعاون کیا کہ جن کا تعاون اگر حاصل نہ ہوتا تو شاید ہم اس عمدہ انداز میں "ترجمان الحدیث" آپ کی خدمت میں پیش نہ کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان دوستوں کو جنہوں نے کسی بھی صورت میں اس کارِ خیر میں حصہ لیا ہے، بے پایاں نعمتوں سے نوازے اور اپنے دین کے لیے ان کی ان خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

احسان الٰہی ظہیر

۲۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء

سانحۂ لاہور

جناب مضروب صابری

بم کا دھماکہ کر گیا انسان لہولہو
یزدانیؒ پہلے پھر ہوا احسانؒ لہولہو

قرآن اور حدیث کا دیتے تھے درس جو
افسوس کر گئے انہیں حیوان لہولہو

شعلہ بیانی جن کی دلوں میں اتر گئی
ان کے لہو سے ہو گیا میدان لہولہو

قرآن جن کے سینے میں دیتا تھا گواہی
توحید کی وہ شمع فروزاں لہولہو

علماء کا خون رائیگاں جائے گا کس طرح
انسانیت ہے جس پہ پشیماں لہولہو

دل ہچکیوں کی زد میں ہے سیماب بن گئے
غم سے نڈھال لوگ پریشاں لہولہو

آنکھیں برس رہی ہیں کہ برسات ہو گئی
دل غم سے لخت لخت ہیں لرزاں لہولہو

قاتل ہیں دندناتے عدالت کے روبرو
اپنے وطن میں گردشِ دوراں لہولہو

انصاف سے گریز حکومت کرے گی جو
مضروب اس کا ہو گا گریباں لہولہو

شہدائے اہلحدیث

جناب حکیم راحت نسیم سوہدری

اے شہیدانِ گرامی مرتبہ دانِ وفا
عظمتِ اسلام کے تم ہی بنے جانِ وفا
تم نے پورا کر دیا خون دے کے پیمانِ وفا
ہے تمہارے خون کا ہر قطرہ عنوانِ وفا

تم ہو دشتِ بے ضمیری میں صدائے حریت
دی لبِ تاریخ کو تم نے نوائے حریت
زندگانی وقف کی اپنی برائے حریت
دے گا مستقبل تمہارا خون بہائے حریت

خوابِ طاغوتی کو ہے تم نے پریشاں کر دیا
شرک و بدعت کے بتوں کو تم نے بے جاں کر دیا
شعلۂ اسلام کو تم نے فروزاں کر دیا
گنبدِ تاریخ میں تم نے چراغاں کر دیا

تم کہ تھے دینِ محمدؐ کی قیادت کے لئے
ہو گئے قربان اسلامی سیادت کے لئے
کٹ مرے تم شوق سے حق کی حمایت کیلئے
وقف رکھا تم نے خود کو دین کی عظمت کیلئے

زندہ و رخشندہ ہے جب تک جہانِ روزگار
سرخیٔ خونِ شہادت ہے تمہاری یادگار

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

شہدائے اہلحدیث لاہور

حضرۃ مولانا حبیب الرحمان یزدانی شیر ربانی شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ

حضرۃ مولانا عبدالخالق قدوسی محافظ ختم نبوت شہید رحمۃ اللہ علیہ

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید اسلام

جناب شیخ احسان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جناب محمد خان نجیب شہید نوجوان رہنما صدر اہلحدیث یوتھ فورس

حافظ عمران شہید

سلیم پرنس شہید

عبدالسلام شہید

محمد عالم شہید

معراج دین شیخ شہید

مرزا عبدالحفیظ شہید

حق تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتیں نازل کرے
اور سبکو جنت الفردوس میں داخل کرے

23 مارچ ۱۹۸۷ء بروز پیر

آج پورے پاکستان میں یوم پاکستان کی وجہ سے قومی تعطیل تھی۔ سارا دن مینار پاکستان کے زیر سایہ تمام سبزہ زاروں میں خوب گہما گہمی رہی۔ عظیم اور پرشکوہ مینار پاکستان سے ذرا پرے، سڑک پار، مسجد عالمگیر کے دامن میں بائیں جانب ابدی نیند سوئے حکیم الامت، خالق نظریۂ پاکستان حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر سرکاری حکام اور دانشور حضرات کے ساتھ ساتھ عوام کے بے شمار گروہوں نے حاضری دی اور پھولوں کے گلدستے چڑھائے۔

اب رات ہو گئی ہے۔ دن کے ہنگامے ماند پڑ گئے ہیں۔ مینار پاکستان کے گرد واقع تمام سبزہ زاروں پر رات نے اپنے سیاہ پر پھیلا دیے ہیں۔ صرف الشہر بلند مینار پاکستان کا کلس جگمگا رہا ہے ــــ اور اس تاریخی اور عظیم الشان مینار کے قرب ہی میں محلہ قلعہ لچھمن سنگھ ہے، جس کے عین وسط کے فوارہ چوک میں جمعیت اہلحدیث کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد ہو رہا ہے۔

رات کے نو بج چکے ہیں۔ فوارہ چوک میں جلسہ سننے کے لیے لوگ آہستہ آہستہ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ چوک کے عین وسط میں واقع فوارے کے چبوترہ پر اسٹیج تیار کیا گیا ہے۔ یہ گول چبوترہ تقریباً گیارہ فٹ کے رداس پر محیط ہے اور زمین سے اس کی بلندی قریباً پونے تین فٹ ہے۔ قلعہ لچھمن سنگھ کا یہ فوارہ چوک جہاں جمعیت اہلحدیث کا جلسہ ہو رہا ہے آزادی چوک سے شاہدرہ کی طرف جاتے ہوئے چند منٹ کے فاصلے پر بابا چھتری والے کے مزار کے بالمقابل اندر جانے

راوی روڈ
قلعہ لچھمن سنگھ روڈ
اندر
چوک فوارہ جہاں سٹیج بنایا گیا
گرل لگانے کے لیے بنائی جانے والی نالیاں
یہاں سٹیج پر بم رکھا گیا اور یہ حصّہ اڑ گیا
یہاں علامہ احسان الٰہی ظہیر کرسی پر بیٹھ کر تقریر کر رہے تھے
یہاں لوگ کرسیوں پر بیٹھے جلسہ سن رہے تھے۔

والی سڑک پر واقع ہے۔ اس جلسے کا انتظام وانصرام اہلحدیث یوتھ فورس، راوی روڈ کی طرف سے کیا گیا ہے جس کے صدر مولانا محمد خان نجیب ہیں۔ اس جلسے کی صدارت شیخ احسان الحق کر رہے ہیں۔ جلسے کے بڑے بڑے مقررین میں علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی، مولانا عبدالخالق قدوسی، مولانا عبداللہ سلیم، مولانا محمد خان نجیب، جناب قاضی عبدالقدیر خاموش، حافظ انور سدید، مولانا عبدالمتین اور جناب رانا محمد شفیق پسروری کے نام سرفہرست ہیں۔ بڑی اور مرکزی تقریر علامہ احسان الٰہی ظہیر سیکرٹری جنرل جمعیت اہلحدیث کرنے والے ہیں۔ انہی کی تقریر کو بطور خاص سننے کے لیے لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے ہیں۔

شب ساڑھے نو بجے جلسے کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز اللہ کے کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد سب سے پہلے جمعیت اہلحدیث کی اس کانفرنس میں محمد انور ساجد نے خطاب کیا انہوں نے کہا: "اہلحدیث پاکستان میں اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں۔ لوگ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات چھوڑ کر اپنے نظریات کی بات کرنے لگے ہیں لیکن ہم جس چیز کی دعوت دیتے ہیں، وہ کتاب وسنت ہے" ان کے بعد اہلحدیث یوتھ فورس کے صدر محمد خان نجیب نے حاضرین سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا: "آج جہاں مینار پاکستان کھڑا ہے، اس جگہ جو قرارداد منظور ہوئی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اس وقت کہا گیا تھا کہ اس نئی مملکت میں اسلامی نظام رائج کیا جائے گا۔ نظریۂ پاکستان کا لب لباب ہی یہ ہے کہ مسلمانان برصغیر جو علیحدہ ملک حاصل کریں گے اس میں اسلامی اقدار، اسلامی اصول وضوابط اور اسلامی قوانین کی بالادستی قائم ہوگی۔ لیکن افسوس پاکستان کو بنے ہوئے قریباً نصف صدی کا عرصہ گزر گیا ہے، لیکن اس دوران کسی نے بھی سنجیدگی اور لگن سے اسلامی نظام کو مکمل طور پر اس مملکت خداداد میں نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سب حکمران اپنا اپنا راگ الاپتے رہے ــــ"
مولانا محمد خان نجیب کے بعد معروف عالم دین مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی نے تقریباً پون گھنٹہ تک خطاب کیا۔ انہی کی تقریر کے دوران اہلحدیث کانفرنس کے مرکزی مقرر علامہ احسان الٰہی ظہیر جلسہ گاہ میں تشریف لائے جس وقت وہ اسٹیج پر چڑھے، اس وقت گھڑی کی سوئیاں رات کے دس بج کر چالیس منٹ کا اعلان کر رہی تھیں۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب کی آمد سے پنڈال میں گرمجوشی پیدا ہو گئی اور فضا خاصی دیر تک اللہ اکبر کے پُرجوش نعروں سے گونجتی رہی۔ جلسہ میں تشریف لانے سے پہلے علامہ احسان الٰہی ظہیر نے ۱۵۰ راوی روڈ پر کچھ دیر آرام بھی کیا تھا اور کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر جس وقت جلسہ گاہ میں تشریف لائے، تکان اُن کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ اسٹیج پر بچھائے گئے درمیانی صوفے پر بیٹھ گئے۔ اسٹیج کے صوفوں اور اور کرسیوں کا رُخ مشرقی جانب تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی کا خطاب، علامہ احسان الٰہی کی آمد کے بعد تھوڑی دیر جاری رہا۔ اُن کی تقریر کے بعد غلام حسین مخلص نے ایک مختصر سی نظم ترنم سے پڑھی۔

اور جب رات کے گیارہ بج کر پانچ منٹ پر علامہ احسان الٰہی ظہیر کا خطاب شروع ہوا تو حاضرین نے اُن کی تقریر شروع ہونے سے قبل خاصے پُرجوش نعرے لگائے۔ علامہ صاحب کی تقریر شروع ہوئی تو کانفرنس کی پوری کارروائی کی ویڈیو فلم بنانے والے دونوں فوٹو گرافر سلیم فاروقی اور محمد عالم، اپنے اسٹینڈوں اور کیمروں سمیت اسٹیج کے کافی نزدیک آگئے تاکہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی تقریر کو بخوبی ویڈیو میں محفوظ و منتقل کر سکیں۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے خطاب کا مرکزی ومحوری نکتہ ملتِ اسلامیہ کا اتحاد تھا۔ وہ اپنی تقریر میں اسی نکتے پر بار بار زور دے رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم اپنے باہمی نفاق اور بے اتحادی و بے اعتمادی کو ختم کر کے ہی اپنے مذہب اور ملک و قوم کی صحیح خدمت کر سکتے ہیں اور اسی انداز میں عمل کر کے پورے عالم اسلام کو ایک بار پھر عظمتوں سے روشناس کروایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی گرجدار آواز میں کہا: "آج پاکستان ہی نہیں، بلکہ سارا عالم اسلام جن حالات سے دوچار ہے، اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ اس وقت دُنیا میں مسلمانوں کی تعداد قریباً سوا ارب ہے اور مسلمان ممالک کی تعداد ۴۵ کے لگ بھگ ہے، جہاں کے حکمران مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کے پاس اتنا مال و دولت ہے کہ اتنے مال کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ انفرادی طور پر

مسلمانوں کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ کبھی اتنا سرمایہ بادشاہوں کے پاس بھی نہیں ہوتا تھا۔ پاکستان کے دس کروڑ مسلمان عزم کر لیں تو ربِ کعبہ کی قسم، ساری کائنات اُن کو ختم نہیں کر سکتی ......

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی تقریر جوں جوں آگے بڑھتی گئی، توں توں ان کا لہجہ بھاری بھر کم گرجدار اور پُرجوش ہوتا گیا۔ انہیں تقریر کرتے ہوئے پورا نصف گھنٹہ گزر گیا تھا اور اس وقت انہوں نے حکیم الامت، نباضِ فطرت حضرت علامہ اقبالؒ کا یہ شعر پڑھا: ؎

کافر ہے تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسہ

لیکن ابھی اس شعر کا دوسرا مصرعہ "مومن ہے تو بے تیغ" ہی اُن کی زبان سے نکلا تھا کہ فضا ایک زبردست اور خوفناک دھماکے سے لرز اٹھی — پھر ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ اس تاریک اور بھیانک ماحول میں یک دم کئی جسم زمین سے فضا میں اُچھلے اور دھم سے فرشِ زمین سے آٹکرائے۔ فضا میں بارود اور ہر طرف پھیل جانے والے تازہ تازہ خون کی بو پھیل گئی۔ فوارہ چوک کے چاروں طرف زبردست بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ اپنی اپنی جان بچانے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑے تھے۔ زخمیوں کی آہ و بکا سے گویا وہاں ایک قیامتِ صغریٰ بپا ہو گئی۔ کسی کو کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ ہر طرف کہرام تھا، آہ و زاری تھی، چیخیں تھیں نالہ و شیون تھا اور تاریکی کا سیاہ خوفناک پردہ تھا۔ اردگرد کی عمارتوں کے شیشے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئے اور مکانوں کے مکین ملبے ڈر کے ہڑبڑاتے ہوئے بستروں سے باہر بھاگ دوڑے۔

⊙

جب لوگوں کے حواس ذرا بحال ہوئے اور ان کے کانوں میں طاقتور بم کے خوفناک دھماکے کی گونج کم ہوئی، تو انہوں نے آس پاس دیکھا اس وقت اردگرد کے مکین بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ دھماکہ جو ٹھیک گیارہ بج کر پینتیس منٹ پر ہوا، اس کے فوری بعد وہ لوگ جو اردگرد سے وہاں بھاگتے ہوئے آ گئے تھے، انہوں نے دیکھا کہ سارا فوارہ چوک ہی آہ و بکا اور دلدوز چیخوں کا نظارہ پیش کر رہا ہے۔ یہ لوگ ذرا آگے بڑھے تو دیکھا کہ وہاں کئی جسم ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں اور بعض زمین پہ بے سُدھ، بے خبر اور بے ہوش پڑے ہیں۔ حالات کی سنگینی اور معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر انہی لوگوں نے فوری طور پر زخمیوں اور نیم مُردہ جسموں کو رکشوں، کاروں اور ٹرالیوں وغیرہ میں لاد کر جلد از جلد شہر کے مختلف ہسپتالوں میں پہنچانا شروع کر دیا۔

بم کے اس خوفناک دھماکے کے نتیجے میں زخمی ہونے والوں میں تین افراد تو ہسپتال تک پہنچنے سے پہلے پہلے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، جب کہ بقیہ چار ہسپتال میں جا کر انتقال کر گئے۔ ان کے علاوہ شدید زخمی ہونے والوں میں مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی بھی شامل تھے۔ وہ بھی دوسرے روز زخموں کی مزید تاب نہ لاتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا علیہ راجعون۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی شدید زخمی ہوئے۔ جس وقت دھماکہ ہوا اُس وقت وہ کرسی پر بیٹھ کر تقریر کر رہے تھے۔ دھماکہ ہوا تو اُن کی کرسی اچھل کر دُور فوارے کی باؤنڈری لائن کے نزدیک جا گری۔

⊙

مہلک اور نہایت طاقت ور بم کے پھٹنے سے آٹھ افراد ہلاک اور نوّے سے زیادہ زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں کے نام درج ذیل ہیں:

سلیم فاروقی، محمد عالم، عبدالسلامؒ، الوید، مولانا محمد نجیب خاں، مولانا عبدالخالق قدوسی، شیخ احسان الحق اور مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی۔

جمعیت اہلِ حدیث کے جلسے میں جاں بحق ہونے والوں کی اجتماعی نمازِ جنازہ ۲۴ مارچ کو تقریباً چھ بجے مینارِ پاکستان کے وسیع و عریض سبزہ زار میں پڑھائی گئی۔ جس میں تیس ہزار سے زائد لوگوں نے شرکت کی۔ بہت سے لوگ نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہو سکے، کیونکہ آزادی چوک کے ہر طرف ٹریفک جام ہو گیا تھا۔ نمازِ جنازہ میں بہت سے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں نے شرکت کی۔ جن میں ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا فضل الرحمٰن، نوابزادہ نصر اللہ خاں، چودھری غلام جیلانی، جہانگیر بدر، ملک محمد قاسم، مولانا عبدالقادر روپڑی، ملک معراج خالد، اعوان وغیرہ سرِ فہرست ہیں۔ یہ اجتماعی نمازِ جنازہ مولانا عبداللہ شیخوپوری نے پڑھائی۔ اجتماع میں ہر شخص کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ عورتوں کی ایک کثیر تعداد نمازِ جنازہ کے وقت، مینارِ پاکستان گراؤنڈ کے نزدیک موجود تھی، بعض عورتیں اور مرد دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ مولانا عبداللہ

شیخوپوری اس حادثے میں جاں بحق ہونے والوں کی دعائے مغفرت کرتے وقت زاروقطار رونے لگے۔ انہوں نے ساری دُعا آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کی مسلسل لڑیوں میں مکمل کی۔ دُعا کے خاتمے پر تو اُن کی آواز بھرا گئی اور وہ ہچکیاں لیتے لیتے زاروقطار رونے لگے۔

جاں بحق ہونیوالوں کے بارے میں

مولانا عبدالخالق قدوسی: ان کی عمر ۴۸ سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ ۱۵۰- راوی روڈ میں رہائش پذیر تھے۔ یہ مکان ان کا ذاتی نہیں تھا، بلکہ اس میں وہ اپنے بال بچوں سمیت کرائے پر رہتے تھے۔ تمام محلہ اُن کی شرافت و نجابت، دین سے لگاؤ اور سب سے بڑھ کر اُن کی صلح جو طبیعت کی وجہ سے انہیں عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ علاقے کی سماجی سرگرمیوں میں بھی اکثر شریک رہتے تھے۔ قلعہ لچھمن سنگھ میں باہمی مدد آپ کے تحت بننے والے سب سے بڑے سماجی ہسپتال "احباب ہسپتال" کی تعمیر و تشکیل میں قدوسی مرحوم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اُردو بازار (لاہور) میں ان کی دینی کتابوں کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جہاں وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے رزقِ حلال کے حصول کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اسلام سے انہیں جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ فوّارہ چوک میں جب بم پھٹا، اُس وقت وہ اسٹیج پر موجود تھے۔ انہیں چہرے اور پیٹ پر زیادہ زخم آئے۔ اُن کے بڑے بیٹے کا بیان ہے: "جب میں نے اپنے ابّو کو اُٹھا کر گاڑی میں بیٹھایا تو اُس وقت اُن کے جسم سے بہنے والے خون سے میرے ہاتھ اور کپڑے یوں بھیگ گئے تھے جیسے میں خون کی ندی سے گزر کر آ رہا ہوں" اس بیان سے عیاں ہے کہ انہیں شدید زخم آئے تھے۔ ہسپتال پہنچتے پہنچتے اُن کی بینائی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ انہیں میو ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں فوری طور پر داخل کروایا گیا، لیکن ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش کے باوجود اُن کی زندگی کا شعلہ رات سوا ایک بجے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گُل ہو گیا۔ راقم الحروف نے جب اُن کی نعش دیکھی تو اُن کا چہرہ اس قدر زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا ___ جیسے گولیوں کا ایک پورا برسٹ اُن کے چہرے پر مار دیا گیا ہو۔

عبدالخالق قدوسی نے، خدا انہیں جنت نصیب فرمائے اپنے پسماندگان میں چھ بچے چھوڑے ہیں، جن میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بڑا بیٹا مسمّی ابوبکر عمر ساڑھے اٹھارہ سال ہے وہ بی اے کا طالب علم ہے۔ دوسرا بیٹا مسمّی عمر فاروق عمر سترہ سال ہے۔ اُس نے ایف ایس سی کی ہوئی ہے۔ تیسرا بیٹا مسمّی عثمان غنی عمر بارہ سال ہے۔ وہ ساتویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ چوتھا بیٹا مسمّی ابوالحسن علی عمر ۹ سال ہے وہ جماعت چہارم میں زیرِ تعلیم ہے۔ ان کے علاوہ بیٹیوں میں سب سے بڑی بیٹی کی شادی ۲۴ اپریل کو ہونے والی تھی، لیکن باپ کی اچانک اور اندوہناک موت کی وجہ سے تو اب سارا گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے، اس لیے گھر والوں نے شادی کا پروگرام فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔ بڑی بیٹی کے علاوہ چھوٹی بیٹی عائشہ ہے۔ وہ نویں جماعت میں پڑھتی ہے۔ راقم الحروف نے جب قدوسی مرحوم کے بڑے بیٹے سے پوچھا کہ اب اُن کا ذریعہ معاش کیا ہوگا، تو وہ بولا: "اب میں دکان پر بیٹھا کروں اور میری غیر حاضری میں چھوٹا بھائی بیٹھا کرے گا، کیونکہ گھر کی گاڑی کو چلانے کا ذمہ اب ہمارے سر پر آ پڑا ہے۔" اس سوال کے جواب میں کہ آیا وہ بی۔ اے کا امتحان دے گا، ابوبکر بولا: "ضرور دوں گا لیکن آگے شاید نہ پڑھ سکوں۔"

اب ان بچوں کا مستقبل نہ جانے کیا ہو، یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن انہوں نے تعلیم کے پیشِ نظر مستقبل کے بارے میں جو جو منصوبے بنائے ہوں گے، جو جو خواب دیکھے ہوں گے۔ کیا اب وہ بکھر جائیں گے؟؟

شیخ احسان الحق: قلعہ لچھمن سنگھ، راوی روڈ (لاہور) کے فوّارہ چوک میں جو اہلحدیث کانفرنس ہوئی، یہ شیخ احسان الحق کی زیرِ صدارت ہی ہو رہی تھی۔ ۲۵ — ۱۱ پر جب بم پھٹا تو اُس وقت وہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے عقب میں رکھے گئے صوفوں پر بیٹھے تقریر سن رہے تھے۔ انہیں بم کے اس دھماکے میں سب سے زیادہ زخم پیٹ، کولہوں اور چہرے پر آئے تھے۔ بلکہ اُن کے ایک رشتہ دار کے بیان کے مطابق: "جسم کا کوئی حصہ زخموں سے نہیں بچا تھا، میں نے انہیں خود غسل دیا ہے۔ مجھے تو سارا جسم ہی زخموں سے چُور چُور نظر آیا۔"

شیخ احسان الحق ولد میر محمد نئی سبزی منڈی کے عقب میں گلی نمبر ۵۲، مکان نمبر ۲ توحید آباد میں رہتے تھے ___

جمعیت اہلحدیث کے زبردست کارکن تھے۔ نماز کے پابند اور مذہب کے والا و شیدا۔ اہلحدیث کی لاہور اور ارد گرد میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور جلسوں، تقریباً وہ سب میں شریک ہوتے اور پیش پیش رہتے تھے۔ ان کا بڑا پرانی سیکنڈ ہینڈ تختی نما لکڑیوں کا کاروبار تھا۔ عمر بھی کوئی ۶۲ سال کے لگ بھگ تھی۔ بم کے دھماکے میں زخمی ہونے والے دوسرے افراد کے ساتھ شیخ احسان کو بھی میو ہسپتال لے جایا گیا تھا لیکن وہ تمام طبی سہولتوں کے ملنے کے باوجود جانبر نہ ہو سکے۔ اسی رات وہ سحری کے وقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

سلیم فاروقی اور محمد عالم، سلیم فاروقی پیشے کے اعتبار سے فوٹوگرافر تھا۔ اس کی قلعہ لچھمن سنگھ ہی کے مین بازار کے فوارہ چوک کے مشرقی جانب مارکیٹ میں ڈاکٹر امان النبیر کے کلینک کے ساتھ اپنی دکان تھی۔ فوٹوگرافی کے ساتھ ساتھ اب اس نے ویڈیو فوٹوگرافی کا کام بھی شروع کر لیا تھا۔ شادی بیاہ اور جلسے جلوسوں کی تقریبات کی ویڈیو فلمیں بنانے میں وہ اچھی خاصی شہرت کا مالک تھا۔ وقوعہ کی شب اُسے جمعیت اہلحدیث کے جلسہ کی کارروائی کی ویڈیو فلم بنانے کے لیے بلایا گیا تھا۔ سلیم فاروقی اس رات ۲۳ مارچ، اپنی مدد کے لیے اپنے برادر نسبتی محمد عالم ولد عبدالغنی کو بھی ساتھ لے آیا تھا۔ جانے دھماکہ سے وہ صرف چار فٹ کے فاصلے پر فلم بنا رہے تھے۔ بم نے اُن دونوں کے پرخچے اڑا دیے۔ سب سے پہلے انہی دونوں بدقسمتوں کا انتقال ہوا۔ مہلک بم نے ان کے جسموں کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ سلیم فاروقی وقوعہ کے علاقے ہی میں شاہ جہان روڈ پر رہتا تھا۔ وہ شادی شدہ تھا اور اس کے چھ بچے بھی ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی ہے جس کی عمر ۱۲ سال ہے۔ سلیم مرحوم کی عمر ۳۲ سال تھی۔ اب اس کے ننھے ننھے بچوں کا وارث کون ہو گا؟؟

محمد عالم موہنی روڈ پر رہتا تھا۔

مولانا محمد خان نجیب، صوبہ پنجاب میں جمعیت اہل حدیث کے زبردست اور متحرک کارکنان میں مولانا محمد خان نجیب کا نام سر فہرست تھا۔ ابھی وہ بالکل نوجوان تھا۔ ان کی عمر صرف ۲۸ سال تھی۔ مولانا نجیب اہلحدیث یوتھ فورس کے سربراہ تھے۔ وہ ان لوگوں میں شمار ہوتے تھے، جو اپنی جان پر اپنی تحریک اور تنظیم کے مقاصد و کاز کو ترجیح دیتے ہیں۔ بم کے دھماکے میں ان کے سر میں گہرے زخم آئے تھے اور دماغ میں بم کی زہریلی کرچیاں پھنس کر رہ گئی تھیں۔ یہی کرچیاں ان کی موت کا سبب بن گئیں۔ ان کا تعلق سیالکوٹ سے تھا۔ اجتماعی جنازہ [illegible] جب ان کی نعش سیالکوٹ پہنچی تو نوجوان دھاڑیں مار مار کر روئے۔ جمعیت اہل حدیث کے علاوہ دوسری دینی تنظیموں کے افراد کی آنکھیں بھی نوجوان نجیب کی بے وقت اور اندوہناک موت پر اشکبار تھیں۔

نوید عرف پپو ولد عبدالرحمن: نوید اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ حجام تھا۔ توحید آباد کی گلی نمبر ۴۲ میں اس کا چھوٹا سا حمام تھا۔ اس کی عمر تقریباً ۱۹ سال تھی۔ وہ روزانہ بیگم کوٹ سے توحید آباد آتا تھا۔ سارے گھر کی معاشی ذمہ داری اسی کے سر تھی لیکن موت کے آہنی پنجوں نے صرف نوید ہی کا گلا نہیں گھونٹا، بلکہ اس کے والدین اور گھر کے دوسرے افراد کو بھی زندہ درگور کر دیا۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ بم رکھنے والے نے، خواہ وہ فرد واحد تھا، خواہ اس عمل کے پیچھے کسی پورے گروہ یا تنظیم کا ہاتھ ہو، کن کن غریب گھرانوں کے روشن چراغوں کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔ سنگدلی، بے رحمی اور انسانیت دشمنی کی اس سے لرزہ خیز مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

مولانا حبیب الرحمن یزدانی

قصبہ کاموکی کے معروف عالم دین، زبردست و بے مثل مقرر اور ہمدرد دینی رہنما مولانا حبیب الرحمن یزدانی کو بم کے دھماکے میں نہایت گہرے زخم آئے۔ انہوں نے مذکورہ جلسہ میں پون گھنٹہ بڑی معرکۃ الآرا تقریر کی تھی۔ جس وقت علامہ احسان الٰہی ظہیر کرسی پر بیٹھے تقریر کر رہے تھے، مولانا حبیب الرحمن یزدانی (جنہیں اب مرحوم لکھتے وقت دل کانپتا ہے) علامہ صاحب کے عین پشت میں بیٹھے تھے۔ بم کے دھماکے میں جب علامہ صاحب بمعہ اپنی کرسی کے دور جا گرے، ان کے سر، منہ، پیٹ میں گہرے زخم آئے تھے۔ ہسپتال تک پہنچتے پہنچتے ان کے جسم کا نصف سے زائد خون بالکل نچڑ گیا تھا۔ انہیں ہسپتال میں خاصا خون دیا گیا جس سے ان کی زندگی میں چند گھنٹے کا اضافہ تو ہو گیا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے اور بالآخر اپنے رب سے جا ملے جس کی خوشنودی اور [illegible]

کی علاوہ تقریباً بیس پچیس برس مسلسل دین کی خدمت میں جُتے ہوئے تھے۔ منگل کی شب ان کی نعش کا پوسٹ مارٹم کیا گیا۔ اسی رات پہلے پہر ان کی میت پولیس سے حاصل کر کے کاموں کی روانہ کر دی گئی۔ بدھ ۲۵ مارچ کے روز انہیں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں کاموں کی کے طارق گراؤنڈ قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ ان کی نماز جنازہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کاموں کی کی گراؤنڈ میں جمعیت اہل حدیث کے امیر مولانا محمد عبداللہ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد مشتعل ہجوم کی وجہ سے جی ٹی روڈ پر ٹریفک کا سلسلہ معطل ہو گیا اور کچھ توڑ پھوڑ بھی کی گئی۔

مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی مرحوم کی عمر تقریباً ۴۰ برس تھی۔ وہ کاموں کی کی مرکزی جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب تھے۔ اس کے علاوہ وہ جمعیت اہل حدیث کے نائب ناظم اعلیٰ تھے۔ مرحوم نے پسماندگان میں ۷ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ رانا اکرام کی بیٹھک (۵۰ راوی روڈ) میں مولانا عبداللہ شیخوپوری اور ان کے ساتھیوں نے راقم الحروف کو بتایا کہ مولانا یزدانی کا ایک بیٹا بھی تھا لیکن بعض نامعلوم دشمنوں نے اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ یاد رہے کہ چند سال قبل مولانا یزدانی پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں جمعیت علماء پاکستان کے ایک سابق صوبائی صدر کے بیٹے اور اس کے ساتھیوں کو ملوث کیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے ساتھ ہمیشہ مسلح باڈی گارڈز رکھتے تھے۔ ان کے باڈی گارڈوں میں محمد انور تو ہمیشہ اُن کے ہمراہ رہتا تھا۔

آہ! اصل موت تو زندوں کو بھگتنا پڑتی ہے۔ مرنے والا تو مر کر تمام ہو جاتا ہے، تمام احساس و شعور کے ساتھ لیکن اُسے قبر میں جا کر کون بتائے کہ اس کے پیچھے کس کس کی آنکھوں میں آگ جلی کس کس کے سینے سے دھواں اُٹھا۔ یہ تو موت سے بھی بڑی اذیت ہے ؎

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

وہ جن کی آنکھوں کی شمعیں ہمیشہ کیلئے گل ہو گئیں

قلعہ لچھمن سنگھ کے فوارہ چوک میں پھٹنے والے ہلاکت خیز بم کے نتیجے میں جہاں آٹھ قیمتی جانیں ضائع ہوئیں، ایک سو کے قریب زخمی ہوئے ـــــ وہاں چند ایسے بدقسمت بھی تھے جو اس حادثے میں زندہ درگور ہو گئے۔ ظالموں نے ان کی آنکھوں کا نور چھین لیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے دوسروں کا محتاج اور دست نگر بنا دیا۔ قلعہ لچھمن سنگھ کے اس سنگین حادثے میں جن لوگوں کی بینائی کو شدید ضعف پہنچا، ان کی تعداد کم از کم دس ہے۔ ان میں چار ایسے بدنصیب ہیں جن کی دونوں آنکھوں کے دیے ہمیشہ کے لیے بجھ گئے ہیں۔ بقیہ افراد کو خدا نے مستقل اندھا ہونے سے تو بچا لیا لیکن ان کی بینائی اس حادثے میں خطرناک حد تک متاثر ہوئی۔

وہ چار بدقسمت جن کی دونوں آنکھوں کا نور ضائع ہو گیا، ان میں سے ایک کا نام رانا محمد فاروق ہے جس کی رہائش ۵۰ راوی روڈ پر ہے۔ اس کی عمر ۲۸ سال ہے۔ وہ کارپوریشن کی ٹھیکیداری کرتا تھا۔ ۲۳ مارچ کو جو جلسہ ہوا، اس کے انتظامات و انصرام میں محمد فاروق بھی برابر کا شریک تھا۔ رانا محمد فاروق کے گھر ہی سے وہ صوفے لایا گیا تھا، جو جلسہ گاہ میں اسٹیج پر مہمانان خصوصی مقررین اور صاحب صدر کے لیے بچھایا گیا تھا۔ راقم الحروف نے وہ صوفہ بھی دیکھا جس کے حادثے میں کچھ حصے ٹوٹ گئے تھے اور بڑے صوفے پر خون کے ان بڑے بڑے اور واضح دھبوں کو بھی دیکھا جو بم کے پھٹنے سے زخمیوں کے خون سے لال گوں ہو گیا تھا۔ صوفے کی گدیاں جو شدید زخمیوں کے خون سے بھیگ گئی تھیں، کیونکہ بم اس کے نزدیک ہی پھٹا تھا، کو بعد میں پولیس نے اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔

رانا محمد فاروق کے والد رانا محمد اکرام ڈسٹرکٹ ہائیکورٹ میں وکالت کرتے ہیں۔ جب ان سے ان کے بیٹے کے زخمی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ بولے: "جمعیت اہلحدیث کانفرنس کی تیاری، اسٹیج لگانے اور دریاں قناتیں بچھانے میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ میرا بیٹا بھی برابر کا شریک تھا۔ مولانا عبدالخالق قدوسی (جو اس حادثے میں جاں بحق ہو گئے ہیں) میرے بہنوئی تھے۔ ان کے لڑکے بھی اس جلسے کی تیاری میں پیش پیش تھے۔ میں جلسہ کی کارروائی دیگر عام سامعین کی طرح ذرا دُور ہٹ کر دیکھ اور سُن رہا تھا۔ میں سٹیج پر نہیں جا سکتا تھا کیونکہ میں پیپلز پارٹی کا کارکن بھی ہوں۔ بعض اس جلسے میں بچوں کی دلجوئی کے لیے آ گیا تھا ساڑھے گیارہ بجے جب مولانا احسان الٰہی ظہیر تقریر کر رہے

تقریباً نصف گھنٹہ گزر چکا تھا، مجمع میں سے ایک گلدان پھولوں سمیت، جو پیتل کا تھا اور قریباً ڈیڑھ فٹ کے ڈیڈیس میں تھا، لوگوں کے ہاتھوں میں سے ہوتا ہوا اسٹیج تک پہنچا۔ آخر میں اس گلدان کو میرے بیٹے نے، جو سٹیج پر علامہ ظہیر صاحب کے نزدیک بیٹھا تھا، نیچے قالین پر ہی رکھ دیا، کیونکہ میز کو علامہ صاحب کے آگے سے ہٹا دیا گیا تھا۔ یہ گلدان قالین پر میرے بیٹے اور علامہ صاحب کے درمیان پڑا تھا کہ پانچ منٹ بعد گیارہ بج کر ۲۵ منٹ پر ایک زبردست دھماکہ ہوا ـــــ اور پھر ہر طرف تاریکی چھا گئی اور آہوں، چیخوں کا کہرام مچ گیا اور مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ میرے خیال میں گلدان کا سٹیج تک پہنچانا ان مجرموں، جو ابھی تک روپوش ہیں، اپنے ساتھیوں یا ساتھی کے لیے ایک پیغام تھا کہ اب تم اپنا کام کر گزرو۔ پھر بم پھٹا۔ لوگوں کے حواس مجتمع ہوئے تو ہم سب نے زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا۔ زخمیوں میں سے ایک تو میرے اپنے بہنوئی تھے، مولانا عبدالخالق قدوسی، جو بعد میں اسی رات ۱½ بجے انتقال کر گئے۔ اور دوسرا میرا بیٹا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرے زخم آئے تھے۔ اور بم کی کرچیاں آنکھوں میں چبھ گئی تھیں۔ ایک آنکھ تو ڈاکٹروں نے فوری طور پر نکال دی تھی۔ کیونکہ اس سے دماغ کو خطرہ تھا۔ دوسری آنکھ کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ ڈاکٹروں نے اس آنکھ کی بحالی کا آپریشن کیا۔ انہوں نے اپنا سازور لگایا، لیکن کوشش کے باوجود یہ آپریشن ناکام ہو گیا اور میرے بیٹے کی دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ ظالموں نے میرے جوان بیٹے کی زندگی برباد کر دی۔" یہ بیان دیتے ہوئے رانا اکرام کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ اس حادثے میں ان کی بہن بیوہ ہو گئی، ان کے بھانجے، بھانجیاں شفقتِ پدری سے محروم ہو گئیں اور ان پر یتیمی کی مہر ثبت ہو گئی اور ـــــ ان کا جوان بیٹا دونوں آنکھوں سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لیے دوسروں کا محتاج ہو گیا۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا ان ظالم ہاتھوں کو جنہوں نے کئی گھروں کی خوشیاں برباد کر دیں، کبھی بے نقاب نہیں کیا جائے گا؟؟ یہ مظلوم اور مقہور لوگ حکومتِ پاکستان سے انصاف کے طلبگار ہیں ـــــ!

رانا اکرام کے مطابق: "اس حادثے میں ہمیں ادھر اتنا بڑا نقصان اٹھانا پڑا، ادھر پولیس ہمیں بار بار تنگ کرتی رہی۔ میرے بھانجوں کو بار بار پولیس اسٹیشن بلا کر منفی انداز میں پوچھ گچھ کرتی رہی کہ بتاؤ، وہ کون آدمی تھا جس نے تم لوگوں کو گلدان تھمایا تھا۔ کیونکہ آخر میں میرے بیٹے ہی نے گلدان پکڑ کر اپنے قریب رکھ لیا تھا۔ بھلا اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس برتن میں میری موت چھپی ہے، وہ اس کے نزدیک بیٹھنے کا خطرہ مول لے گا؟؟

اصل ٹارگٹ

قلعہ لچھمن سنگھ کے فوارہ چوک میں جس خوفناک بم کا دھماکہ ہوا، وہ جس وقت پھٹا اس وقت علامہ احسان الٰہی ظہیر تقریر کر رہے تھے۔ اندازہ ہے کہ بم نہایت چھوٹا، جدید ترین اور اس کا دھماکو مصالحہ بہت طاقتور اور مہلک تھا۔ جائے وقوعہ کا گہری نظر سے جائزہ لینے کے بعد عام آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ جس تنظیم یا گروہ یا فردِ واحد کی ظالمانہ کارستانی تھی، وہ اس فن کا ماہر تھا۔ اس لئے اس چابکدستی سے وہاں بم نصب کیا تھا کہ کسی کو کانوں کان تک خبر نہ ہو سکی۔ گیارہ بج کر ۲۵ منٹ پر جب بم کا زبردست دھماکہ ہوا، اس وقت علامہ صاحب کرسی پر بیٹھ کر خطاب کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بم رکھنے کا اصل مقصد بلکہ اس تخریبی اور ظالمانہ کارروائی کا اصل ٹارگٹ علامہ احسان الٰہی ظہیر ہی تھے۔ انہیں ختم کرنے کی یہ گھناؤنی چال چلی گئی تھی۔ علامہ صاحب اس دھماکے کے نتیجے میں شدید زخمی ہو گئے۔ ان کا نصف سے زائد جسم زخموں سے چور تھا۔ بم چونکہ ان کی بائیں ٹانگ کے قریب پھٹا تھا، اس لیے ان کے جسم کے بائیں حصے کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ گھٹنے سے ٹخنے تک کی ہڈی دو جگہ سے بالکل ٹوٹ گئی اور یہاں کا گوشت بھی اڑ گیا۔ بائیں ران کی ہڈی کے دونوں طرف گوشت بری طرح پھٹ گیا، ہڈی بچ گئی۔ بائیں کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور گوشت بھی جل گیا۔ بائیں کلائی سے اوپر کا بازو کولہے سے اوپر بائیں جانب کا گوشت اڑ گیا۔ اوپر بائیں چھاتی پر بھی زخم آئے اور جلد بری طرح جھلس گئی۔ آنکھ میں بم کا ذرہ دھنس گیا۔ دایاں بازو بھی بری طرح زخمی ہوا۔ ۲۳ مارچ کی رات ان کی حالت نازک تھی۔ خون جسم سے بہت زیادہ بہہ گیا تھا۔ اسی رات ان کا میو ہسپتال میں

آپریشن کیا گیا، جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ میو ہسپتال میں ڈاکٹروں اور سرجنوں کی پوری ٹیم ان کی جان بچانے کے لیے کوشاں رہی۔ ان کا آپریشن پروفیسر اعجاز احسن اور رجسٹرار اعجاز چٹھہ نے کیا۔ ڈاکٹروں نے جلا ہوا گوشت ان کے جسم سے الگ کر دیا تھا۔ صبح سوا چار بجے جب علامہ صاحب کو آپریشن تھیٹر سے باہر لایا گیا اور ایمرجنسی وارڈ میں بستر پر لٹایا گیا، تب انہوں نے نیم بے ہوشی کے عالم میں زور سے کہا کہ ان کا پیشاب رک رہا ہے اور انہیں ٹانگ میں تکلیف ہے۔ ڈاکٹروں نے انہیں حوصلہ دلایا اور اس کے بعد انہیں پھر سُلا دیا گیا۔ ۲۴ مارچ کی رات ڈاکٹروں نے علامہ صاحب کی ٹانگ کے شدید زخمی ہونے کی وجہ سے فیصلہ کیا تھا کہ ان کی ٹانگ جسم سے علیحدہ کر دی جائے کیونکہ زہر کے پورے جسم میں سرایت کر جانے کا اندیشہ تھا لیکن علامہ صاحب نے سختی سے منع کر دیا۔

اس حادثے کے دوران علامہ احسان الٰہی ظہیر نے جس طرح اپنے آپ پر قابو رکھا، اپنے حواس بحال رکھنے کی بے مثل جرأت کا مظاہرہ کیا، اُسے دیکھتے ہوئے انسانی ذہن دنگ رہ جاتا ہے۔ ۲۵ مارچ کو ان کی طبیعت ذرا بحال تھی اور وہ پورے ہوش میں تھے۔ اس دن انہوں نے اس حادثے کے بارے میں اخبار نویسوں سے باتیں بھی کیں۔

۲۶ مارچ کو ان کی طبیعت پہلے سے ذرا بہتر تھی، لیکن انہیں بخار بدستور تھا جس کی وجہ سے ان پر غنودگی کی کیفیت بار بار طاری ہو جاتی تھی۔ زخموں سے خون کا رِسنا قطعی بند نہیں ہوا تھا۔ علامہ صاحب کی ٹانگ کو اگرچہ خطرے سے باہر قرار دیا گیا تھا لیکن ٹانگ کی ڈریسنگ کرتے ہوئے ڈاکٹروں کے مطابق ابھی خدشات موجود تھے کیونکہ خون تو بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ۲۶ مارچ کی شام تک انہیں تقریباً اٹھارہ بوتلیں خون دیا جا چکا تھا۔ اس روز کا سورج غروب ہونے تک ان کی طبیعت جب بھی بحال ہوئی، وہ عیادت کے لیے آنے ہوئے لوگوں سے باتیں کرتے اور بعض سے مصافحہ بھی کرتے۔ جو اگرچہ ان کی باتوں میں وہ بے شک گھن گرج اور ان کے دست پنجے میں وہ پہلے والی مضبوط گرفت نہیں تھی۔ لیکن اس قدر شدید زخمی ہونے کے باوجود ان کا عیادت کرنے والوں سے اس انداز میں باتیں کرنا اور ان کے بیشتر سوالات کا جواب دینا بڑی غیر معمولی جرأت کا مظاہرہ تھا لیکن اس دوران وہ خوراک بہت کم کھا رہے تھے۔ کیونکہ معدہ اندرونی بخار اور زخموں کی وجہ سے کوئی چیز قبول نہیں کر رہا تھا۔ اس روز دوپہر کو انہوں نے صرف چند بسکٹ کھائے تھے۔ امر تسر وارڈ کے ہاؤس سرجن ڈاکٹر خواجہ ناصر نے ۲۶ مارچ کی شام کو علامہ صاحب کی نبض کی رفتار اور خون کے دباؤ کو تسلی بخش قرار دیا تھا۔

۲۷ مارچ کا دن خیریت سے گزر گیا۔ اس دن علامہ صاحب کی طبیعت پہلے چار روز کی نسبت زیادہ اطمینان بخش رہی۔ زخموں سے خون تو رِس رہا تھا لیکن ان کے درد اور بہاؤ میں خاصی کمی واقع ہو گئی تھی۔ سارا لاہور ہی نہیں، بلکہ پورا پاکستان ان کی صحت کے لیے دعائیں کر رہا تھا۔

۲۸ مارچ کو میو ہسپتال کے معروف سرجنوں، جن میں ڈاکٹر اعجاز احسن ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر شمیم اور میڈیکل سپرنٹنڈنٹ میو ہسپتال ڈاکٹر اعجاز الحسن سر فہرست ہیں، نے ان کی ٹانگ کی نئی ڈریسنگ کرنے کے لیے پٹی اتار کر ابھی نہایت احتیاط سے اس آپریشن کا آغاز ہی کر رہے تھے کہ اچانک علامہ صاحب کی طبیعت بہت خطرناک حد تک بگڑ گئی، جس کی وجہ سے تمام سرجن بھی پریشان ہو گئے۔ اسی اثنا میں سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد کی طرف سے حکومت پاکستان کو یہ پیش کش ہوئی کہ علامہ صاحب کو سعودی عرب بھیج دیا جائے تاکہ ان کا وہاں جدید ترین ہسپتال میں غیر ملکی اور مقامی ماہرین کی نگرانی میں علاج کیا جا سکے۔ اس پیش کش کے پیش نظر ڈاکٹروں کی پوری ٹیم نے بھی فیصلہ کر لیا کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کو سعودیہ روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اُسی روز فی الفور کراچی سے ایک سپیشل اسٹریچر منگوایا گیا اور اس سلسلہ کی تمام رکاوٹوں کو وزیر اعظم جونیجو کی ذاتی مداخلت سے دُور کرنے کے بعد ان کی روانگی کے لیے ہنگامی بنیادوں پر تیاریاں کی گئیں۔

۲۸ مارچ کی شام ہونے تک علامہ صاحب کو ۴۲ بوتلیں خون کی دی جا چکی تھیں۔ رات ساڑھے تین بجے انہیں لاہور ایئر پورٹ پر پہنچا دیا گیا۔ علامہ صاحب کو ایئر پورٹ لے جانے کے لیے ایمبولینس میں آکسیجن کے سلنڈر اور دیگر سامان کا پورا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے اپنے ہمراہ خون کی آٹھ

اضافی بوتلیں ہنگامی صورتِ حال سے نپٹنے کے لیے ساتھ رکھ لی تھیں۔ ان کے ساتھ پاکستان سے جو ڈاکٹر گئے اُن میں میو ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر اعجاز الحسن، ڈاکٹر اعجاز احمد چیمہ، ڈاکٹر اشفاق احمد اور ڈاکٹر گیلانی شامل تھے۔ ان کے علاوہ دیکھ بھال کے لیے ساتھ دو نرسیں بھی تھیں۔ علامہ صاحب کے ہمراہ اُن کے والدِ گرامی شیخ ظہور الٰہی اُن کے دو عزیز خالد محمود اور ڈاکٹر اکرام بھی گئے تھے۔ علی الصبح ۴ بج کر ۲۷ منٹ پر طیارہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کو لے کر سعودی عرب روانہ ہو گیا۔

۲۹ مارچ کو سعودی عرب پہنچتے ہی علامہ احسان الٰہی ظہیر کو ریاض کے جدید ترین ملٹری ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ان کے اعلیٰ ترین علاج کے لیے فوری طور پر دُنیا کے بلند پایہ ڈاکٹروں کو جن میں امریکی ڈاکٹر بھی شامل تھے، مامور کر دیا گیا۔ اُن کے علاج میں ایسی دوائیاں استعمال کی جانے لگیں، جس سے ان کے جسم میں بارُود کے زہریلے اثرات کو جلد از جلد ختم کیا جا سکے۔ ان کے جسم کا چالیس فی صد حصہ زخموں کی وجہ سے گھل چکا تھا اور جسم میں انفیکشن کے اثرات بھی پھیل رہے تھے۔ اس لیے ان اثرات کو روکنے کے لیے بھرپور کوششیں کی جانے لگیں۔

۳۰ اور ۳۱ مارچ کی درمیانی شب سعودی امریکی اور پاکستانی ڈاکٹروں کی موجودگی میں ان کی بائیں ٹانگ کو آپریشن کرتے وقت کاٹ دیا گیا لیکن علامہ صاحب کی بگڑی ہوئی حالت میں قطعی کوئی فرق نہ آیا۔ کیونکہ ان کی شدید زخمی ٹانگ سے زہریلا مواد ان کے سارے جسم تک پھیل گیا تھا۔ اس مہلک انفیکشن کو روکنے کے لیے جتنے بھی جدید آلات اور ادویات تھیں، استعمال کی گئیں لیکن موت کے طاقتور ہاتھوں نے حضرتِ انسان کی تمام کوششوں آلات اور ادویات کے محتاط حربوں کو ناکام کر کے رکھ دیا ——— اور یوں اس عالمِ بے بسی میں عالمِ اسلام کا بلند پایہ محقق، مفکر، ممتاز عالمِ دین اور نامور سیاستدان اپنے خالقِ حقیقی سے ہم آغوش ہو گیا۔ بے شک ہر ذی رُوح کو اپنے اللہ ہی کی طرف مراجعت کر جانا ہے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر نے، خدا انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین) اپنے سوگواروں میں ان گنت معتقدین اور شیدائیوں کے علاوہ والدین، بیوہ، بہن بھائیوں کے علاوہ بچے بھی چھوڑے ہیں، جن میں پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے ابتسام، احتشام اور معتشم شامل ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم کو جنت البقیع میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ فیصلہ ان کے والد شیخ ظہور الٰہی نے کیا تھا، اس فیصلے کی تائید بعد میں فون پر علامہ مرحوم کی بیوہ اور بچوں نے بھی کر دی۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی نمازِ جنازہ سعودی عرب کے نامور عالمِ دین شیخ عبدالعزیز بن باز نے پڑھائی۔ شیخ بن باز مدینہ یونیورسٹی میں علامہ مرحوم کے اُستاد بھی رہ چکے ہیں۔

اور یُوں وہ دُعا پوری ہو گئی، جو علامہ احسان الٰہی ظہیر نے ۱۹۸۵ء میں کی تھی۔ علامہ مرحوم نے حج کے دوران میدانِ عرفات میں پیر محمد اشرف، جسٹس ریٹائرڈ محمد افضل چیمہ اور اپنے بیٹے ابتسام کی موجودگی میں دُعا کی تھی: "یا اللہ! میں تیرے حضور دُعا کرتا ہوں، میری تمام اولاد کو حج کرنے کی سعادت عطا فرما۔ میرے اللہ! میں جب اس دُنیائے فانی سے دنیائے باقی کی طرف کُوچ کروں تو میں اسی سرزمین سے جاؤں۔ ... رب کریم و رحیم! تو دلوں کے حال جانتا ہے، اور میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش اور تمنا یہی ہے کہ میں مرنے کے بعد تیری اسی پاک و مقدس سرزمین میں دفن ہوں۔"

زہے نصیب! اسلام کی خدمت کرتے ہوئے انہیں جو شہادت نصیب ہوئی، ایسی سعادت کم لوگوں کے حصے میں آیا کرتی ہے، جب انسان کا دل اور زبان دونوں اللہ کے دین کی تبلیغ اور ترویج میں مصروف ہوں اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ ایک شہادت اور اُوپر سے جنت البقیع میں دفن ہونے کا بلند ترین اعزاز۔

بے شک اللہ ہی عزتیں، رفعتیں، سعادتیں اور یہ بلند پایہ درجات عطا فرمانے والا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے، عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ذلت کی پستیوں میں گرا دیتا ہے۔ انسان کی کیا مجال کہ اس کے سامنے ایک پل کے لیے بھی دم مار سکے۔

(بشکریہ قومی ڈائجسٹ)

[حافظ صلاح الدین صاحب یوسف]

روشن ستارے، جو ظلم و دہشت گردی کے گہرے افق میں ڈوب گئے!

شہدائے اہلحدیث لاہور کی یاد میں

۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کی شب تاریک کو لاہور میں جو قیامتِ صغریٰ برپا ہوئی اس کی تفصیلات بیان کرنے اور دہرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر اہلِ حدیث کے دل پر نقش اور لوحِ حافظہ پر ثبت ہیں۔ بلکہ اس کی ہولناک یادوں سے ہر اہلحدیث کا سینہ چھلنی، دل زخمی اور جگر پاش پاش ہے۔ ؎

یادِ ماضی عذاب ہے یارب   چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

یہ سانحہ پاکستان میں اپنی نوعیت کا شاید پہلا سانحہ ہے کہ ایک خالص مذہبی جلسۂ عام میں اتنے خوفناک بم کا دھماکہ کیا گیا جس سے سو کے قریب افراد زخمی ہوگئے اور دس افراد شہید۔ شہداء میں جماعت اہل حدیث کی ایسی نہایت قیمتی شخصیات بھی شامل ہیں جن کی شہادت سے فی الواقع جماعت کی متاعِ دین و دانش لٹ گئی ہے ؎

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

بلاشبہ اپنی جگہ ہر شہید کی اہمیت ہے۔ ان کی بیویوں کے سہاگ اجڑ گئے۔ ان کے بچے شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔ بوڑھے والدین کی امیدوں اور آرزوؤں کے شیش محل چکنا چور ہو گئے اور اچانک ان کا رشتۂ حیات منقطع ہو جانے سے نہ معلوم کتنے لوگ تڑپے ہوں گے، کتنے دلوں کی دنیا ویران ہوئی ہوگی اور کتنی آنکھیں سیلابِ اشک بنی ہوں گی۔ غرض یہ حادثاتی اموات اپنے پیچھے نہایت کربناک یادیں، المناک آہیں اور سسکتے جذبات چھوڑ گئے ہیں۔ اس حادثے نے جماعت کے جن علماء کو ہم سے چھین لیا ہے وہ کسی فرد کا نقصان نہیں کسی خاندان کا غم نہیں، چند رفقاء و احباب کا المیہ نہیں بلکہ پوری جماعت اہلِ حدیث کا نقصان ہے۔ پوری جماعت ان کے غم میں نڈھال ہے اور پوری جماعت کے لئے ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ ع   مرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا۔

لیکن سانحہ ملّے شہادت سے جماعت کو جو چرکے لگے ہیں وہ آسانی سے مندمل ہونے والے نہیں، جو نقصانِ عظیم ہوا ہے اسکی تلافی بظاہر ممکن نہیں اور جو خلا پیدا ہوگیا ہے اس کا پُر ہونا بہت مشکل ہے۔ ان میں سے ہر ایک
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے ۔ کا مصداق تھا۔

سب سے پہلے جام شہادت نوش کرنے والوں میں مولانا عبدالخالق قدوسی ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی کے دماغ میں کاری ضربیں آئی تھیں جسکی وجہ سے وہ مسلسل بے ہوش رہے تا آنکہ اسی حالت میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

دیگر شہداء و مجروحین:۔ مذکورہ شہداء کے علاوہ دیگر ۲ افراد بھی اس حادثے میں لقمۂ اجل بنے ہیں۔ انکی وفات بھی اپنی جگہ نہایت المناک ہے لیکن جمعیت کے نامور علماء توجماعتی نقطۂ نظر سے نہایت ہی اہمیت کے حامل تھے۔

..... چه بایدکرد

اس لحاظ سے قلعہ لچھمن سنگھ لاہور کا یہ المیہ ــ خوفناک بم کا دھماکہ ــ جماعت اہلحدیث کیلئے ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ پوری جماعت سخت اضطراب و تشویش میں مبتلا ہے اور وہ جلد از جلد جاننا چاہتی ہے کہ اس ظلم کے مرتکب کون بدبخت ہیں جنہوں نے ہنستے بستے گھروں کو اجاڑ دیا ہے، گلشنوں کو ویران کر دیا ہے۔ بہت سے بچوں کو یتیم کر دیا ہے اور کئی عورتوں کا سہاگ لوٹ لیا ہے۔ اور اس کے بعد وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ ان دہشت گردوں کو کس طرح کیفر کردار تک پہنچایا جاتا ہے؟ اور کیونکر سسکتی آہوں کو حوصلہ، ٹوٹتے جذبوں کو توانائی اور انصاف کی منتظر نگاہوں کو فرحت اور تازگی عطا کی جاتی ہے؟ اور بجھے دلوں کیلئے عدل و انصاف کی باد بہاری سے کسطرح حیاتِ نو کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اب یہ حکومت کے تدبّر اور عدل و انصاف کا امتحان ہے جس میں حکومت مسلسل ناکام ہوتی چلی آرہی ہے۔ اگر حکومت نے اب بھی بیدار مغزی، مستعدی اور ہوشمندی کا ثبوت نہ دیا اور اتنے بڑے مجرموں کا سراغ لگانے یا انہیں عبرت ناک سزا دینے میں تساہل، تغافل یا تجاہل برتا تو حالات سنگین اور خوفناک صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ اسلئے عدل و انصاف کا تقاضا بھی ہے اور حکمت و مصلحت کا اقتضاء بھی کہ حکومت فی الفور مجرموں کو گرفتار کرکے انہیں سرعام تختۂ دار پر لٹکائے اور جماعت کے زخمی

دلوں کی ڈھارس بندھائے۔

اس سانحہ کو ۱۱، ۱۲ مہینے گذر گئے ہیں لیکن ابھی تک اس سانحہ کے ذمے دار افراد کی نشاندہی اور انکے احتساب کے معاملے میں پُراسرار خاموشی ہے۔ تفتیش کے بالکل ابتدائی دنوں میں تو پھر بھی کچھ حوصلہ افزا خبریں شائع ہوتی رہیں بلکہ یہاں تک نوید جاں فزادی گئی تھی کہ تفتیش پر مامور افسران واقعے کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں اور عنقریب مجرموں کا سُراغ لگا لیا جائے گا۔ لیکن دن گذرنے کے ساتھ ساتھ جماعت اہلحدیث میں تو اضطراب وتشویش بڑھتی گئی مگر ارباب تفتیش کے بیانات میں بے حسی جمود اور مجرمانہ تغافل وبے اعتنائی کا اضافہ ہوتا چلا گیا، تا آنکہ تفتیش اور داروگیر کا سارا معاملہ پس منظر میں جاتا نظر آتا ہے۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جو پولیس آسمان میں تھگلی لگانے اور پاتال میں مجرموں کا سراغ لگانے پر قادر ہے، وہ سانحۂ لچھمن سنگھ لاہور کے پسِ منظر اور تہہ منظر سے اب تک ناواقف رہی ہوگی اور اس خونین ڈرامے کے اصل کرداروں ــــ اداکاروں اور ہدایت کاروں ــــ سے اب تک بے خبر ہوگی۔

ہم پوری دیانت داری سے سمجھتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو کچھ موہوم مصلحتیں ہیں یا عاقبت نا اندیشانہ خدشے ہیں یا سفارش و رشوت کا کرشمہ ہے، کہ پولیس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے باوجود اپنے نتائجِ تحقیق منظرِ عام پر لانے سے گریز کر رہی ہے اور جماعت کو طفل تسلیوں کے کھلونوں سے بہلانے کی مذموم کوشش کر رہی ہے۔

ظاہر بات ہے کہ یہ حادثہ اپنے دُور رس نتائج اور خطرناک عواقب کے لحاظ سے ایسا نہیں ہے کہ اسے حکومت کی موہوم مصلحتوں اور خدشوں کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جائے۔ یا سفارش اور رشوت کے خوفناک عفریتوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جائیں۔ اس المناک حادثے میں جماعت اہلحدیث کو جو گہرے گھاؤ لگے ہیں وہ آسانی سے مندمل ہونیوالے نہیں ہیں، جو علمی نقصان ہوا ہے اسکی تلافی نہایت مشکل ہے اور قیادت وخطابت کے میدان میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے بظاہر اس کا پُر ہونا ناممکن سا نظر آتا ہے۔

بنا بریں حکومت اگر یہ سمجھتی ہے کہ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ حادثے کی سنگینی از خود کم ہو جائے گی، جذبات کی شدت ختم ہو جائے گی اور اضطراب وتشویش کی لہریں

سرد پڑ جائیں گی تو ہم اسے متنبہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ یہ اسکی خام خیالی ہے۔

ع این خیال است و محال است و جنوں

واقعہ یہ ہے کہ اس کو جتنا دبانے کی کوشش کی جائے گی، انشاء اللہ یہ اتنا ہی ابھرے گا انسانی لہو کے بعد عدل وانصاف کے تقاضوں کا بھی اگر خون کیا گیا تو آستین کا لہو ایسا پکارے گا کہ کشتوں کا خون چھپ نہیں سکے گا۔

جماعت کا ہر فرد عہد کرے کہ وہ اس ملک میں عدل وانصاف کا علم سرنگوں نہیں ہونے دے گا۔ امن و شرافت کی قدروں کو یہاں قائم کرے گا اور ظلم و تشدد کے پیامبروں کو یہاں جینے کا حق نہیں دے گا اور شہدائے اہلحدیث کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دے گا۔ اگر اہلحدیث اپنی گذشتہ درخشں تاریخ کے مطابق سرفروشی کا عزم کرلیں تو انشاء اللہ حکومت اس سانحے کو گلدستۂ طاقِ نسیاں بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ضرورت ہے تو تجدید عہد اور عزم نو کی، اتحاد و اتفاق کی اور کوئی منفقہ پالیسی اور حکمتِ عملی اختیار کرنے کی۔ کاش اہلحدیث کے اکابر و اصاغر اس نکتے کو سمجھ سکیں اور اس پر عمل کرنے کی توفیق سے بہرہ ور ہو سکیں۔

ع این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

بقیہ :- شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

حق کا آوازہ بند کر دیا گیا اسلام کو مظلوم کر دیا گیا تھا۔

ترجمان الحدیث خالص علمی مجلہ ترجمان الحدیث جو علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید کی ادارت میں چل رہا تھا۔ ان کی شہادت کے بعد اس کا پہلا شمارہ "شہدائے اہل حدیث نمبر" شائع ہونا وقت کی قدرتی آواز، ہر دل کی ترجمانی اور ہر فردِ اہل حدیث کی تمنا ہے راقم نے یہ تجویز مدیر الاسلام جناب بشیر انصاری سے عرض کی تھی جس کو انہوں نے منظور فرمایا اور اپنی مساعیٔ جمیلہ اس بارہ میں صرف فرمائیں۔ اللہ کرے مجلہ کا یہ نمبر خوبیوں کا مرقع ثابت ہو آمین۔

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب راشد ۔ ساہیوال

یوں تو اس حیات مستعار کا اعتبار ہی کیا۔ سانس ہی تو ہے، آئے آئے نہ آئے تو نہ ہی آئے مگر کتنے عظیم ہیں وہ لوگ جن کی زندگی جیتے جی بھی اور موت کے بعد بھی ہر شخص کے لیے قابلِ رشک بن جاتی ہے۔

دولت، عزت، حکومت یہ سب اہل علم کے علمی کارناموں کے مقابلہ میں ہیچ دکھائی دیتی ہیں، عنداللہ وعندالناس ہمیشہ علماء کا مقام ممتاز ہی شمار ہوتا ہے۔ یقیناً اس جہانِ فانی کی موت سے جو تاریکی چھا جاتی ہے اس کا اندازہ اہل خرد ہی لگا سکتے ہیں۔ موت العالم موت العالم۔

برصغیر پاک وہند میں اہل علم حضرات پر کیا قیامت بپا ہوتی رہی یہ اصحاب علم و دانش سے کسی طرح مخفی نہیں۔ دینِ اسلام کے دشمن ہمیشہ اسلام دشمنی میں علماء کو نشانہ بناتے رہے اس کے ردعمل کے طور پر صبر و تحمل کا جو مظاہرہ علماء نے کیا وہ قابلِ ستائش ہے حکومتِ الٰہیہ کے قیام، تحریکِ جہاد، ترک موالات، تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت، تحریکِ نظام مصطفٰے غرض ہر اہم موقع پر قوم کی راہنمائی علماء ہی کرتے رہے اس کے لیے قربانیاں اور قید و بند کی صعوبتیں علماء کا گروہ ہی برداشت کرتا رہا اور اگر جان کی بازی لگانے اور شہادت دینے کا مرحلہ آیا تو وہ ہستیاں جنہوں نے اپنی زندگیاں پیش کر دیں صرف اور صرف علماء ہی کا تھا۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ جان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

۲۳ مارچ ۱۹۸۷

پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لیے جس انداز پر جمعیت اہلحدیث پاکستان کی بے باکانہ قیادت نے اپنی مساعی شروع کیں، وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ ۱۸ اپریل ۱۹۸۶ کو موچی دروازہ لاہور سے ایک نئے سفر

کا آغاز کیا گیا اور مختلف اہم شہروں میں عظیم جلسہ ہائے عام منعقد کر کے ایک زریں تاریخ رقم کر دی گئی۔ ہر کامیاب جلسہ میں قرآن و سنت کے شیدائیوں کی کثیر حاضری بتاتی تھی کہ یہ لوگ ملک میں کسی بھی ازم کو نہ چلنے دیں گے اور صرف کتاب و سنت کا نفاذ ہی اس ملک کا مقدر بن کے رہے گا قائدین کے ہر فیصلے پر جمعیت اہلحدیث کا ہر فرد لبیک کہہ رہا تھا۔ نوجوانوں کی تنظیم "اہل حدیث یوتھ فورس" کے نام سے منظم اور فعال ہو چکی تھی جس کی قیادت پرعزم اور باہمت نوجوانوں کے پاس تھی اور مکمل سرپرستی اکابرین جمعیت فرماتے ہیں۔ بالخصوص قائد اہلحدیث حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث پاکستان نوجوانوں کی اس تنظیم پر خصوصی توجہ دے رہے تھے۔

۲۰ مارچ ۱۹۸۷ کو خاتم النبیین کانفرنس چنیوٹ میں ہوئی تو قائدین نے نئے جوش نئے ولولے اور نئے عزم کا نہ صرف اظہار کیا بلکہ علامہ مرحوم نے جماعت کی بیداری کا جس انداز میں اعلان کیا وہ مخالفین کے لیے نیا چیلنج تھا ابھی اس کانفرنس کی خبریں مرحلۂ اشاعت میں ہی تھیں کہ لاہور میں اہل حدیث یوتھ فورس کے زیر اہتمام سیرت النبیؐ کے مقدس نام پر علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا حبیب الرحمان یزدانی، مولانا محمد خاں نجیب، مولانا عبدالخالق قدوسی اور دیگر قائدین کے خطاب کا اہتمام کیا گیا۔ کون جانتا تھا کہ یہ جلسہ عظیم المیہ اور قومی حادثہ کا مظہر بن جائے گا کسے خبر تھی کہ اس روز کیسے کیسے گوہر ہم سے رخصت ہو جائیں گے کس کو معلوم تھا کہ یہ جلسہ ہم سے ہماری متاع گراں مایہ چھن جانے کا سبب ہوگا۔ آہ یہ صدمہ ہم نہ ہی دیکھتے تو بہتر تھا کاش ہم اپنے عزیز ساتھیوں کو اپنے سے بچھڑتے نہ ہی دیکھتے لیکن مشیت ایزدی کے سامنے دم مارنے کی کسے مجال ہے وہی ہوا جو نوشتۂ تقدیر تھا۔ اہل حدیث کانفرنس کا اختتام بم کے دھماکے سے ہوا۔ اعظیم شہادتیں شہدائے اہل حدیث اور سو سے زیادہ زخمیوں کی تعداد تاریخ اہل حدیث میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا جا رہا تھا آہ اکس قدر عظیم المیہ آج کے دور میں عالم اسلام کو دیکھنا پڑا یہ بم کا دھماکہ ایک مذہبی جلسہ ہی میں نہ ہوا بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے کھلا چیلنج تھا۔ چند علماء کو شہید کرنے کا منصوبہ نہ تھا بلکہ اسلام کی گردن پر چلنے والی تلوار تھی۔ اس بم کے دھماکے سے عظیم مفکر، عظیم مدبر، عظیم مقرر، عظیم قائد، عظیم مصنف اور عظمتوں کا پہاڑ علامہ احسان الٰہی ظہیر ہی نہ شہید ہوئے بلکہ قرآن و سنت کی ایک شمع ضوفشاں بجھا دی گئی ایک

سانحہ لاہور

تحریر:
مولانا سیف الرحمٰن صاحب الفلاح

سانحہ لاہور تاریخ کے باب میں ایک منفرد اور عظیم سانحہ ہے۔ یہ تاریخ کے دامن میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ اس سے جماعت اہلحدیث کا اس قدر نقصان ہوا ہے جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ مولانا عبدالخالق قدوسی جیسے جید عالم اسکی نذر ہو گئے۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنی نگارشات سے قوم کو نوازتے تھے۔ جماعت ان کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی ملک میں مشہور و معروف خطیب تھے۔ ان کی تقریریں عوام میں بے حد مقبول تھیں وہ ہر وقت سٹیج پر کھڑے ہو کر حق و صداقت کی آواز بلند کرتے تھے آج بھی لوگ ان کی تقریروں کی کیسٹیں گھروں میں لگا کر شوق سے سن رہے ہیں۔ افسوس! جب ان کی تقاریر کی دھوم اور شہرت ہوئی اور لوگ دور دراز علاقوں سے جوق در جوق ان کی حق و صداقت پر مبنی اور سیرتِ رسولؐ کے بیان سے معمور اور خوش الحانی سے قرآن پاک پڑھنے کی آواز سننے کے لئے آنے لگے تو ان کی عمر نے وفا نہ کی اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ان دونوں کی شہادت اور دیگر اہلِ حدیث افراد کی شہادت کے صدمے سے قوم چور چور ہو گئی تاہم علامہ مرحوم کو ہسپتال میں پڑے دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو پا لینے اور اللہ سے شہداء کی بلندئ درجات اور علامہ مرحوم کی صحت یابی کی دعائیں کرتے، چنانچہ مسجدوں میں، گھروں میں اور بازار میں علامہؒ کے لئے دعائیں ہو رہی ہیں کہ الٰہی جماعت اہلِ حدیث کے اس مایہ ناز سپوت کی زندگی طویل فرما اور اسے شفاء کاملہ اور عاجلہ عنایت فرما۔ ان کے داغ مفارقت دینے کے بعد جماعت یتیم ہو جائے گی پھر اس کا والی وارث کون ہو گا۔ لیکن اللہ کی تقدیر کے سامنے انسان کی تدبیر بے بس ہے۔ ان کے علاج معالجہ کے سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ پھر سعودی حکومت نے خصوصی طور پر ان کا علاج معالجہ کیا۔ لیکن تمام حیلے وسیلے اور علاج بے کار ثابت ہوئے۔ وہ اپنا فرض ادا کر کے اور جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہہ کر ہم کو مفارقت ابدی کا صدمہ دے کر جنت البقیع میں آرام فرما ہوئے۔

میرا پیغام

آخر میں جماعت کے علماء، فضلاء، دانشوروں، ائمہ و خطباء، خواص و عام سے گذارش کروں گا کہ:-

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا کے علمبردار بنیں۔ اپنی صفوں میں اتحاد و یک جہتی کی فضا برقرار رکھیں اور متفقہ طور پر ایوانِ حکومت میں یہ آواز پہنچائیں کہ سانحہ لاہور کے مرتکبین کو حکومت فوراً گرفتار کرے اور تختۂ دار پر لٹکائے تاکہ آئندہ کسی کو ایسی گھناؤنی سازش کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اپنے ملک کے ہر باشندے کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنا حکومت کا اولین فرض ہے اس لئے حکومت کو اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کیلئے فوراً قاتلوں کا سراغ لگانا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا مشن کتاب وسنت کی ترویج، توحید وسنت کی نشر و اشاعت، شرک و بدعات کا قلع قمع اور طاقتوں سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کرنا ہے۔ ؎

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

بقیہ :۔ چشم دید واقعہ

میرے منتظر تھے۔ میں نے یہ واقعہ سنایا تو ناصری صاحب نے اگلے روز یہ اشعار دیئے جسے میں نے "اہل حدیث" میں شائع کیا۔ آپ بھی وہ اشعار پڑھ لیں ؎

کمالِ جرأتِ کردار و جوشِ حق گوئی
یہی رہا ہے جہاں میں نشانِ اہلحدیث
ہے سردِ آتش داؤدؒ و سوزِ اسمٰعیلؒ
فقط ظہیر ہے اب ترجمان اہلحدیث

مجھے جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو علامہ اقبال کا یہ شعر زبان پر آجاتا۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

شائد آغا صادق مرحوم نے بھی ایسے ہی مواقع پر لکھا تھا ؎

جس میں کچھ جرأتِ اظہارِ سخن ہوتی ہے
کم سے کم اس کی سزا دار و رسن ہوتی ہے

سانحۂ لاھور پر قومی اخبارات نے کیا لکھا؟

جسارت

اور اب پنجاب

لاھور میں جمعیت اھلحدیث کے جلسۂ عام میں بم کا دھماکہ جس میں ۷ افراد شہید اور جمعیت کے سربراہ علامہ احسان الٰہی ظہیر سمیت متعدد افراد زخمی ہو گئے انتہائی افسوسناک اور قابل مذمت سانحہ ہے۔ یہ جلسہ مذہبی جماعت کا اجتماع تھا جس میں نامور علمائے کرام شریک تھے۔ اور علمائے کرام اپنے مسلک کے علی الرغم بہرحال قابل احترام ہیں۔ مگر اس حملہ سے ظاہر ہے کہ سازشی عناصر کو اس تقدس اور احترام کا بھی پاس و خیال نہیں تھا جو ایک عام مسلمان کے دل میں بھی ہوتا ہے۔ یہ حادثہ خاص طور پر اس وقت رونما ہوا جب علامہ احسان الٰہی ظہیر خود خطاب کر رہے تھے۔ بم اسٹیج سے صرف ۴ فٹ کے فاصلے پر پھٹا اور ماہرین کا کہنا ہے کہ دھماکہ ریموٹ کنٹرول سے کیا گیا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اصل نشانہ علامہ صاحب خود تھے۔ اس حادثہ کا سب سے زیادہ تشویشناک پہلو یہ ہے کہ اب تخریب کاروں اور سازشی عناصر سے مذہبی جماعتیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ کسی اجتماع یا جلسہ عام میں بم کا دھماکہ کرنے سے تخریب کاروں کے کئی مقاصد پورے ہو جاتے ہیں۔ ایک تو جانی نقصان زیادہ ہوتا ہے دوسرے یہ کہ لوگ ایسے اجتماعات میں شرکت سے گریز کرنے لگیں گے۔ لیکن خطرناک ترین بات یہ ہوگی کہ تخریب کار عوام کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے کے لئے مختلف قسم کی افواہیں پھیلانے لگیں گے۔ چنانچہ گورنر اور وزیر اعلیٰ پنجاب نے زخمیوں کی عیادت کے بعد اسپتال کے باہر جمع ہو جانے والے افراد سے خطاب کرتے ہوئے اس خدشے کا اظہار بھی کیا ہے۔ انہوں نے عوام کو خبردار کیا کہ وہ افواہوں سے گمراہ نہ ہوں۔

ایک مذہبی جماعت کے جلسے میں بم کے اس دھماکے کے بعد ان عناصر کی طرف خیال جانا بلاجواز نہیں جو ایک عرصہ سے 'مولوی' اور 'ملا' کے الفاظ کی آڑ میں مذہب، علمائے کرام اور ممتاز دینی شخصیتوں کی تضحیک میں مصروف ہیں۔ یہی لوگ تخریب کاروں کے پشت پناہ بھی ہیں اور انہیں خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ملک میں جس قسم کا انقلاب لانے کا خواب دیکھ رہے ہیں اس کی راہ میں اصل رکاوٹ علمائے کرام اور دینی جماعتیں ہی ہیں۔ چنانچہ اب وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو عوام میں مزید خوف و ہراس پھیلا کر انتظامیہ کو مفلوج کر دیا جائے اور دوسری طرف ان کی راہ میں حائل بڑی بڑی

دیواریں گر جائیں یا ان میں شگاف پڑ جائیں۔ صوبہ سرحد اور سندھ میں کراچی اور حیدرآباد میں بڑی تخریب کاری کے بعد اب انہوں نے پنجاب کو تختۂ مشق بنانا چاہا ہے۔ اب تک صوبہ پنجاب تخریب کاروں کی دستبرد سے محفوظ تھا اور شاید یہی امن و سکون ان کو پسند نہیں آیا۔ وہ صریحاً یہی چاہتے ہیں کہ یہ صوبہ بھی بدامنی اور لاقانونیت کی زد میں آجائے۔ اس امر کا امکان بہت کم ہے کہ لاہور میں بم کے اس دھماکے میں کسی مخالف سیاسی عنصر کا ہاتھ ہوگا۔ ایسی وارداتیں 'عوامی دورِ حکومت' میں تو ہوتی رہی ہیں، لیکن اس وقت جو حکومت برسرِ اقتدار ہے اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس وقت اگر جمہوریت کو نقصان پہنچایا گیا یا تخریبی سیاست کو ذرا بھی راہ دی گئی تو اس کی پہلی زد حکومتِ وقت ہی پر پڑے گی۔ چنانچہ قوی امکان یہی ہے کہ تخریب کاری کی اس واردات کے پیچھے اسلام دشمنوں کا ہاتھ ہے وہ خواہ خاد کے ایجنٹوں کے روپ میں ہوں، کمیونزم کے گماشتے ہوں یا وہ عناصر جن کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا گیا ہے۔

حکومتِ پنجاب نے واقعہ کی تحقیقات کے لئے اعلیٰ سطحی کمیٹی تو مقرر کر دی ہے اور اعلیٰ حکام نے اصل مجرموں کو بے نقاب کرنے کیلئے مختصر سی مہلت طلب کی ہے، لیکن بوجوہ اس کا امکان بہت کم نظر آرہا ہے کہ مجرموں پر ہاتھ ڈالا جا سکے گا۔ کیونکہ کراچی میں کئی گھنٹے تک کھلم کھلا تخریب کاری کا ارتکاب کرنے اور درجنوں بے گناہوں کو موت کی نیند سلا دینے والے بھی ۳ ماہ سے زائد گزر جانے کے باوجود آج تک پکڑے نہیں جا سکے۔ لیکن ہم حکومت پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر اب بھی ایسے خطرناک تخریب کاروں کی بیخ کنی نہ کی گئی تو پانی سر سے گزر جائے گا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عوام کو ہراساں کر کے حکومت پر ان کا اعتماد ختم کرنا تخریب کاروں کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ عوام میں پہلے ہی عدمِ تحفظ کا احساس قوی ہوتا جا رہا ہے۔ خود حکومت کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ وہ جلد از جلد تخریب کاروں اور ملک دشمنوں کا قلع قمع کرے۔ ورنہ نہ خود حکومت ہی نہیں ملک کی سالمیت بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس موقع پر ہم حادثے میں جاں بحق ہونے والوں کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی درگاہ میں دعاگو ہیں کہ وہ مرنے والوں کو جوارِ رحمت میں جگہ دے، ان کے لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور زخمی ہونے والوں کو صحتِ کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

روزنامہ امن کراچی

یومِ پاکستان پر بھی خون کا غسل

لاہور میں ۲۳ مارچ کو یومِ پاکستان پر جمعیت اہلحدیث کے جلسۂ عام میں بم پھٹنے سے نوازاد جن میں صدرِ جلسہ شیخ احسان الٰہی، جمعیت کے نائب ناظم اعلیٰ مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی، مولانا عبدالخالق قدوسی جیسے جید علما اور جمعیت کی یوتھ فورس کے صدر محمد خان نجیب اور پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے دو نوجوان

جو جلسے کی ویڈیو فلم بنا رہے تھے موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ جمعیت کے ناظم اعلیٰ علامہ احسان الٰہی ظہیر شدید زخمی ہوئے جو دھماکے کے وقت تقریر کر رہے تھے اور ان کی جان بچانے کے لیئے اسپتال میں ان کی ایک ٹانگ کاٹ دی گئی۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دھماکے کے وقت علامہ ظہیر "مسلم لیگی" حکومت پر سخت نکتہ چینی کر رہے تھے۔ ان کا شمار مارشل لا انتظامیہ اور اس کی باقیات کے سخت ترین نقادوں میں ہوتا ہے۔ ان کی تقریر کے وقت کوئی شخص پھولوں کا ایک گلدستہ لے کر آیا اور اسٹیج کے قریب جمعیت کے کسی کارکن کو دے کر چلا گیا۔ یہ گلدستہ مقرر کی نشست کے قریب میز پر ایک گلدان میں لگا دیا گیا۔ خیال ہے کہ طاقتور بم اس گلدستے میں چھپا ہوا تھا اور یہ دھماکہ ریموٹ کنٹرول کے ذریعے کیا گیا۔

یہ پہلی بار ہے کہ ملک میں ایک سیاسی جلسے میں اس قسم کی کارروائی کی گئی ہے۔ اس واردات کے سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ اس قسم کے وسائل کسے حاصل ہیں اور کون یہ کام کر سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ کام تخریب کاروں کا ہے تو آج کل ملک میں جس تخریب کاری کا زور ہے اس کا الزام افغانستان کے ایجنٹوں پہ لگایا جاتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افغان تخریب کاروں کو جمعیت اہلحدیث سے کیا دشمنی تھی اور اگر انہیں اس قسم کی حرکت کرنی ہی تھی تو انہوں نے افغان سرحد کے قریب کسی جلسے کو اپنا نشانہ کیوں نہ بنایا۔ پھر اس قسم کی تخریب کاری میں جو افغان ایجنٹوں سے منسوب کی جاتی ہے آج تک ریموٹ کنٹرول کا استعمال نہیں کیا گیا۔

یہ بحث یہیں چھوڑ کر اگر ماضیٔ قریب کے سیاسی واقعات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ گزشتہ دنوں وزیر اعظم محمد خان جونیجو صوبہ سرحد کا دورہ کرتے ہوئے ایم آر ڈی کے سربراہ جمعیۃ علمائے اسلام کے مولانا فضل الرحمٰن سے ملنے ان کے گاؤں گئے اور مختصر بات چیت اور مولانا کے والد محترم مفتی محمد محمود مرحوم کی قبر پہ فاتحہ پڑھ کر چلے آئے۔

یہ اگرچہ بظاہر ایک سفر تھا کہ وزیراعظم کے اس سفر کا مقصد کیا تھا لیکن لاہور میں ایم آر ڈی کے اجلاس میں یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ موجودہ حکمران پیپلز پارٹی اور اس کی قائد مس بے نظیر بھٹو کو الگ تھلگ کرنے کی کوشش میں ہیں لیکن ان کا یہ وار بھی خالی گیا۔ دوسری طرف ایم آر ڈی نے مجوزہ کانفرنس کے بارے میں اپنا فیصلہ دے دیا ہے اور ایم آر ڈی میں شامل سیاسی جماعتوں کے بغیر یہ گول میز کانفرنس کہاں تک کامیاب ہوگی، اس کا اندازہ ہر شخص لگا سکتا ہے۔

ان حالات میں جبکہ حکمرانوں کے وار بیکار جا چکے ہیں حکمرانوں کے غیض وغضب کا اندازہ بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یوں تو وزیراعظم جونیجو نے مجرموں کی فوری گرفتاری کا حکم دے دیا ہے۔ پنجاب کے گورنر مخدوم سجاد حسین قریشی اور وزیر اعلیٰ نواز شریف نے بھی عوام کو یقین دہانی کرائی ہے کہ مجرموں کو ہر قیمت پر ان کے کیئے کی سزا دلوائینگے لیکن معروضی سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یوم پاکستان پر خون کے اس غسل میں حکمرانوں کا دامن پاک ہوگا۔

اگر یہ تخریب کاری ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ حالات پہ حکومت کی گرفت کتنی مضبوط ہے۔ بقول آنسہ بے نظیر بھٹو یہ عوام کو خوفزدہ کرنے کی کوشش ہے لیکن اس سے خائف ہو کر جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد کو روکا نہیں جا سکتا۔ انہوں نے بھی اس واردات پہ سخت احتجاج کیا ہے اور ایم آر ڈی نے بھی اپنے اجلاس اور موچی دروازے کے جلسۂ عام میں اس کی شدید مذمت کی ہے۔ یہ ہتھکنڈے حکمرانوں کا ہمیشہ ساتھ نہیں دے سکتے۔

روزنامہ "مغربی پاکستان"

لاہور میں دہشت گردی کا واقعہ

اہل حدیث یوتھ فورس کے زیر اہتمام قلعہ لچھمن سنگھ لاہور میں ہونے والی جمعیت اہل حدیث کانفرنس میں بم کے ہولناک دھماکے سے آٹھ افراد کا ہلاک اور علامہ احسان الٰہی ظہیر سمیت ایک سو افراد کا زخمی ہو جانا انتہائی المناک سانحہ ہے۔ اطلاعات کے مطابق چودہ زخمیوں کی حالت خطرے میں ہے اور علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی جو شدید زخمی ہوئے۔ مخدوش حالت میں ہیں۔ لاہور جیسے شہر میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور انتہائی وحشیانہ واقعہ ہے۔ جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے کیونکہ اس ظالمانہ اور انسانیت سوز کارروائی سے بعد لاہور کی فضا میں بھی بارود اور خون کی بُو پھیل گئی ہے۔

بعض لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ دھماکے کا مقصد علامہ احسان الٰہی ظہیر کو ہلاک کرنا تھا کیونکہ بم اس جگہ رکھا گیا تھا۔ جہاں وہ کرسی پر بیٹھ کر تقریر کر رہے تھے چنانچہ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی اور دیگر سات افراد موت کا لقمہ بن گئے خود علامہ ظہیر کو شدید زخم آئے اور ان کی ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں تاہم ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس وحشیانہ دھماکے کے ذمہ دار کون افراد ہیں۔ پنجاب کے گورنر مخدوم سجاد حسین قریشی اور وزیراعلیٰ میاں نواز شریف نے اس المناک حادثے میں زخمی ہونے والے افراد کی ہسپتال ایمرجنسی وارڈ میں عیادت کی۔ وزیراعلیٰ نے ایمرجنسی وارڈ کے باہر لوگوں کے ایک ہجوم کو (جو واقعہ کے ذمہ دار افراد کے خلاف فوری کارروائی کا مطالبہ کر رہا تھا) یقین دلایا کہ جب تک مجرموں کو گرفتار نہیں کر لیا جاتا حکومت چین سے نہیں بیٹھے گی۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ راولپنڈی کے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں، جس کی صدارت وزیراعظم جونیجو نے کی۔ اس المناک سانحے سے پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کیا گیا۔ گورنر پنجاب اور وزیراعلیٰ نے واقعے کی تفصیلات اور ضوابطی اقدامات ذکر کیا۔ وزیراعظم نے ملزموں کی فوری گرفتاری اور کارروائی کی تاکید کی تاکہ آئندہ کسی کو ایسی تخریب کاری جرائت نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں ڈی آئی جی کی قیادت ایک تفتیشی کمیٹی قائم کر دی گئی ہے جو تحقیق و تفتیش سرگرم ہو گئی ہے توقع کی جاتی ہے کہ ملزم اب زیادہ تک پوشیدہ نہیں رہ سکیں گے۔ اس واقعے کے بارے میں ا[illegible] مختلف قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں اور سیاسی حلقوں میں تشویش و اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے لیکن جب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتی قیاس آرائیوں سے اجتناب کرنا

بلاشبہ پنجاب کی تاریخ میں کسی مذہبی جلسے کے دوران بہیمانہ دہشت گردی کا یہ سانحہ بڑا بھیانک ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس قسم کی تخریب کاری کو روکنے کا بہترین طریق ہے کہ افواہیں پھیلانے کی بجائے تفتیشی کمیٹی کے ساتھ مکمل تعاون کیا جائے اور وہ تمام معلومات جو اس حادثے سے تعلق ہیں۔ تفتیشی حکام تک پہنچائی جائیں تاکہ وہ ان کی روشنی اپنی تحقیق و تفتیش کا دائرہ وسیع کر سکیں اور ملزموں تک رسائی آسان ہو جائے۔ پنجاب میں تخریب کاری کے ا[illegible] واقعے کا مقصد فرقہ وارانہ تصادم بھی ہو سکتا ہے۔ ا[illegible] لیے حکومت کو اس حادثے میں ملوث عناصر کا سراغ لگانا۔ انہیں گرفتار کرنا اور قرار واقعی سزا دینا بے حد ضروری ہے تاکہ اس قسم کی وحشیانہ سوچ رکھنے والے افراد کو کبھی دوسری کارروائی کا موقع نہ مل سکے۔ عوام کو بھی اور حکومت بھی ایسے شرپسند عناصر سے غافل نہ ہو۔ بہرحال اس معاملے میں تحقیق و تفتیش کے ساتھ ساتھ حزم و احتیاط کی بھی ضرورت ہے

امروز

المناک سانحہ

لاہور میں جمعیت اہل حدیث کے جلسے میں بم کے دھماکے سے جو جانی نقصان ہوا، اس پر ہر دردمند انسان کو دکھ اور صدمہ پہنچا ہے، یہ دہشت گردی اور تخریب کاری کی نہایت ہی بزدلانہ اور شرمناک کارروائی تھی، اس کے اسباب اور محرکات کا تعین کرنے اور اس سانحے کے ذمہ دار مجرموں کا کھوج لگانے اور انہیں پکڑ کر قانون کے حوالے کرنے کے

ڈی آئی جی کی سربراہی میں مختلف ٹیموں نے کام شروع کر دیا ہے، وزیراعظم محمد خان جونیجو نے اس سانحۂ فاجعہ پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے اور حکام کو ہدایت کی ہے کہ وہ زخمیوں کے علاج معالجے کا موثر انتظام کریں اور متعلقہ ادارے مجرموں کی گرفتاری کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائیں، انہوں نے یقین دلایا ہے کہ مجرموں کو عبرتناک سزا دی جائے گی، پنجاب کے گورنر مخدوم سجاد حسین قریشی اور وزیراعلےٰ نواز شریف نے بھی اہلِ حدیث کے جلسے میں بم کے دھماکے سے جاں بحق ہونے والوں کے پسماندگان اور زخمی ہونے والوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا ہے، وزیراعلیٰ نے کہا ہے کہ مجرموں کا سراغ لگانے اور عبرت ناک سزا دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جائے گا، اس المیے کی ابتدائی تفصیلات کے مطابق، جو اخباروں میں چھپ چکی ہیں، نصف شب کے قریب، جب جمعیت اہل حدیث کے ممتاز رہنما، علامہ احسان الٰہی ظہیر جلسے سے خطاب کر رہے تھے، زبردست دھماکہ ہوا جس سے سٹیج پر بیٹھے ہوئے اصحاب شدید زخمی ہو گئے، ان میں سے تین نے موقعہ پر ہی دم توڑ دیا، چار نے میوہسپتال پہنچ کر اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی، مرنے والوں میں معروف عالم دین، مولانا حبیب الرحمان یزدانی شامل ہیں، علامہ احسان الٰہی ظہیر شدید مجروح ہوئے اور اب میوہسپتال میں زیر علاج ہیں، اس دلدوز واقعے پر عمائدین حکومت کے علاوہ ملک کے تمام دینی، سماجی، سیاسی اور عوامی حلقوں نے گہرے دکھ اور کرب کا اظہار کیا ہے اور اُن عناصر کی شدید مذمت کی ہے جو اتنی قیمتی جانوں کے اتلاف اور بہت سے لوگوں کے زخمی ہونے کا موجب ہوئے، دہشت گردی ایک نہایت ہی بدترین، سفلی، بزدلانہ اور انسانیت سے گرا ہوا فعل ہے اور ہمیشہ انسانی المیوں کا محرک رہا ہے، دہشت گردی کی ہر صورت، تخریب کاری کے زمرے میں آتی ہے، اس کا محرک ذاتی عناد ہو، یا ہے نظری اختلاف، اپنے اثر ونتیجہ کے اعتبار سے تباہ کن ہے، کوئی مہذب معاشرہ، مخالفوں کو قتل وغارت اور تشدد کے ذریعے راہ سے ہٹانے یا ختم کرنے کو روا قرار نہیں دیتا، اسلام نے تو اختلافات کو افہام وتفہیم کے ذریعے طے کرنے اور معاملات کے ضمن میں عدل کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے، وہ رواداری اور تحمل کا داعی ہے اور اپنے پیروکاروں کو تعقل وتدبر سے کام لینے کی تبلیغ کرتا ہے، جن عناصر نے جمعیت اہل حدیث کے جلسے کو درہم برہم کرنے اور جمعیت کے رہنماؤں کو ختم کرنے کے لئے دھماکہ کیا، ظاہر ہے انہوں نے نجابت وشرافت کے معروف ضابطوں ہی کو پامال نہیں کیا بلکہ اسلامی تعلیمات سے بھی انحراف کیا ہے، ایسے عناصر کسی رو رعایت کے مستحق نہیں، اس کا کڑا احتساب ہونا چاہیئے، لیکن اس کا واحد احسن طریقہ یہ ہے کہ یہ عمل مروّجہ قوانین کے مطابق ہو، جو غلطی، تخریب کار اور دہشت گرد عناصر نے کی، اس کا ارتکاب، تخریب کاری اور دہشت گردی کا ہدف بننے والے نہ کریں، پاکستان ایک نازک دور سے گزر رہا ہے، اس کے گردوپیش کے جو حالات ہیں، کسی سے پوشیدہ نہیں، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان میں تخریب کاری کے واقعات ہوئے ہیں، لاہور میں اگلے روز جو کچھ ہوا، اس کے بارے میں قدرتی طور پر ذہن میں یہ خیال آ سکتا ہے کہ کہیں یہ بھی تخریب کاری کے اسی سلسلے کی کڑی تو نہیں! ذاتی عناد اور نظری اختلاف بھی اس المیے کا سبب ہو سکتا ہے، بہرحال اس ضمن میں ظن وقیاس سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے، متعلقہ اداروں کو تفتیش وتحقیقات کا عمل پورا کرنے کی مہلت ملنی چاہیئے۔ وزیراعظم جونیجو اور وزیراعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف کی اس یقین دہانی پر پورا اعتماد کرنا چاہیئے کہ مجرموں کا پتہ چلانے اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے گی، ہم تمام مسالک کے پیروکاروں خاص طور پر اہلِ حدیث سے پوری دردمندی سے اپیل کریں گے کہ وہ کسی حال میں بھی صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں، اگر یہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا کو مکدر کرنے کی سازش تھی، تو اسے باہمی رواداری برقرار رکھ کر، ناکام بنا دیں اور اگر اس کا مقصد جمہوری عمل میں رخنہ ڈالنا تھا تو اسے بھی اسی صورت میں مٹی میں

ملایا جا سکتا ہے، جب امن عامہ کو برقرار رکھنے میں حکومت اور حکومتی اداروں سے پورا تعاون کیا جائے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سانحے میں جاں بحق ہونے والوں کی مغفرت کرے، ان کے متعلقین کو صبرِ جمیل اور زخمی ہونے والوں کو جلد شفایاب کرے۔

روزنامہ وفاق

انتہائی بزدلانہ فعل

لاہور میں جمعیت اہلحدیث کے جلسہ میں بم کا دھماکہ ہونے سے آٹھ افراد جاں بحق اور ایک سو زخمی ہو گئے۔ اس بزدلانہ اور وحشیانہ فعل کی پوری قوم نے مذمت کی ہے۔ اس کی مزید جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے کیونکہ ملکی سیاست میں دہشت گردی کا یہ رجحان انتہائی خطرناک ہے وزیراعظم سے لے کر پنجاب کے وزیر اعلیٰ تک نے اس واقعہ کی تحقیقات کروانے اور مجرموں کو عبرتناک سزا دینے کا عزم ظاہر کیا ہے ہمیں امید ہے کہ اس واقعہ کی فوری اور بے لاگ تحقیقات ہوں گی اور مجرم قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔

سردست اس معاملہ کے بارے میں کوئی قیاس آرائی مناسب نہیں۔ عوامی حلقوں میں مختلف امکانات زیر بحث ہیں یعنی یہ سانحہ ذاتی یا گروہی دشمنی کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے اور تخریبی کارروائی کا بھی۔ تخریب اور دہشت گردی کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے پہلے صوبہ سندھ بلوچستان اور سرحد میں متعدد دھماکے ہو چکے ہیں جو سب کے سب تخریب کاروں نے کیے تھے ان میں سے کچھ لوگ پکڑے بھی جا چکے ہیں صوبہ پنجاب میں اس نوع کا دھماکہ پہلی بار ہوا ہے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تخریب کاروں نے اب اپنی سرگرمیاں پنجاب تک پھیلا دی ہیں۔ جلسہ عام میں بم کے دھماکے میں جو نقصان ہوا وہ بیحد افسوسناک ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ پولیس مجرموں کا سراغ لگانے میں کامیابی حاصل کر لے گی اگر یہ تخریب کاری ہے تو تخریب کاروں کو کھل کھیلنے کا موقع نہیں ملے گا۔ حکومت پنجاب کے لئے یہ معاملہ ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ لاہور جیسے شہر میں ایک جلسہ عام میں بم کا دھماکہ معمولی بات نہیں ہے اس دھماکہ کے باعث بعض اہم دینی شخصیات ہلاک اور زخمی ہوئی ہیں۔ چنانچہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ تحقیقات کے لئے ہر وسیلہ بروئے کار لائے۔

بقیہ: فخر ملت

وہ ایک کھلے ذہن و دماغ کے اور روشن خیال عالم دین تھے اتحاد ملی کے وہ بہت بڑے نقیب تھے اور طبقہ واریت اور فرقہ پرستی سے کوسوں دور تھے۔ وہ ایک سچے پاکستانی اور نظریۂ پاکستان کے منادی تھے۔

اس سیرت اور فکر کے سراپا عمل لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے اور جب پیدا ہوتے ہیں تو پوری ملت اور قوم کا مشترک اور قابل فخر سرمایہ قرار پاتے ہیں۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید ملت اسلامیہ کے ایسے ہی قابل فخر فرزند تھے۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

علامہ شہید اسلام
احسان الٰہی ظہیر
رحمۃ اللہ علیہ

جناب مولانا عبدالحمید رحمانی

بھائی احسان کی یاد میں

[illegible] میں جب میں اپنے احباب کے ساتھ جامعہ رحمانیہ بنارس کی طرف سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پہونچا تو اس وقت احسان بھائی کی گھن گرج سے جامعہ گونج رہی تھی، کچھ ہی دن قبل قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند مدینہ تشریف لائے تھے اور دارالعلوم دیوبند جیسے ہندوستان کے عظیم تعلیمی ادارہ کے مہتمم ہونے کی حیثیت سے ان کا محاضرہ جامعہ اسلامیہ میں ہوا جس میں خلاف واقعہ یہ تاثر دیا گیا کہ یہ ادارہ یعنی اسلام کی حقیقی تعبیر اور حنفیت کی دیوبندی تعبیر (جس میں توسل بالاموات، حیات انبیاء، وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود سے لے کر تصوف اور مشائخ پرستی نیز تقلید جامد کے سارے جراثیم بدرجۂ اتم موجود ہیں) کا مرکز ہونے کے سارے مسلمانوں کا تعلیمی مرکز ہے۔ ہمارے دیوبندی بھائی خواہ تبلیغی جماعت کی طرف منسوب ہوں یا جماعت اسلامی کی جانب، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طرف منسوب ہوں یا دارالعلوم دیوبند مظاہر علوم سہارنپور کی جانب، ان کا عجیب وغریب انداز ہے۔ برصغیر میں تو یہ اہل حدیث کو خواہ وہ طالب علم ہو یا عام مسلمان ہو، کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، ان کے پیچھے جلدی نماز پڑھنا گوارا نہیں کرتے، انہیں غیر مقلد، حشوی، مجسم اور رافضہ کے چھوٹے بھائی تک کے خطاب سے نوازتے ہیں اور اپنے مدارس میں اہل فکر کے حامل طلبہ اور اساتذہ کو کم از کم دوسرے درجہ کا قرار دیتے ہیں، عام سوسائٹی میں ان کے ساتھ اچھوت کا سا سلوک کرتے ہیں۔ لیکن برصغیر سے باہر یعنی سعودیہ وغیرہ میں اسی سلفی فکر کی حامل ان شخصیات کے سامنے اپنے منصب ومرتبہ اور مال وثروت میں اونچا مقام رکھنے کا انداز بالکل بدل جاتا ہے، وہاں یہ اہل حدیث کے یا تو مدح وستائش کا اسلوب اختیار کرتے ہیں ورنہ کم از کم معذرت اور ہمدردی کا۔ ٹھیک یہی صورت ان لوگوں کی تصنیفات کی بھی ہے، عربی کی تصنیفات میں عموماً اور بالخصوص اس دور میں یہ حضرات اپنے آپ کو اہلحدیثیت، وہابیت اور کتاب وسنت کا علمبردار قرار دیتے ہیں اور اردو کی تصنیفات میں امام ابن حزم، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، محمد بن عبدالوہاب، صدیق حسن، نذیر حسین اور سلفیت ووہابیت کے خلاف ان میں سے بعض کی پالیسی نظر انداز کر دینے کی ہے اور بعض کی کھلی عداوت ومخالفت کی۔

دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۵۳ء میں اہل حدیث طلبہ کو صرف اہل حدیث ہونے کے جرم میں جس بے دردی کے ساتھ نکالا گیا اور ان کی تعلیمی زندگی برباد کی گئی اور اس المناک حادثہ پر برصغیر کی اہل حدیث شخصیات اور جماعتی مذہبی تنظیمیں پورا مسلم پریس چیخ پڑا، رئیس احمد جعفری ندوی (جو مشہور متعصب حنفی عالم مولانا حیدر حسن ٹونکی کے شاگرد تھے) بھی اس ظلم کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے ماہنامہ ریاض کراچی میں ایک مضمون "کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است" کے عنوان سے لکھ کر ارباب دیوبند سے یہ سوال کیا تھا کہ جب ایک اہلحدیث عالم ابوالکلام بحیثیت وزیر تعلیم دیوبند گیا تو آپ حضرات نے اس کی توقیر کی انتہا کر دی اور جب اسی اہلحدیث فکر کے حامل کم سن طلبہ آپ کے یہاں گئے تو آپ نے ان پر ظلم کی انتہا کر دی۔

یہ سارے حقائق احسان بھائی کے سامنے تھے، قاری طیب صاحبؒ کا محاضرہ جب جامعہ اسلامیہ میں ہوا تو آخر میں سوالات میں اس جیالے اور باغیرت سلفی نوجوان نے دوسرے اہلحدیث طلبہ کے تعاون سے مکمل جرأت کے ساتھ قاری طیبؒ سے یہ سوال کر ڈالا کہ اگر یہ سارے مسلمانوں کی درس گاہ ہے تو اس سے اہلحدیث طلبہ صرف اہلحدیثیت کے جرم میں کیوں نکالے گئے؟۔

اس بروقت سوال نے قاری صاحب مرحوم کو آبدیدہ کر دیا کہ سارے غیر اہلحدیث طلبہ نے ان کی مدد کرنے کی کوشش کی مگر ان مدلل حوالوں کے مقابلہ ان کی ایک بھی نہ چل سکی۔

میں جس وقت جامعہ اسلامیہ میں پہونچا یہ واقعہ نیا نیا تھا، اس کی گونج جامعہ میں تھی اور حافظ احسان الٰہی ظہیر کا کالج کا یہ آخری سال تھا اور میرا پہلا، ابھی میں وہاں کے نشیب وفراز اور حالات وواقعات سے بالکل واقف نہ تھا، عربی بھی بولنا مجھے نہیں آتی تھی اور دیہاتی ہونے کی وجہ سے صحیح اردو بھی۔ اور احسان بھائی پاکستان کے عوام اور اخبار کی دنیا سے علامہ کا خطاب لے کر وہاں پہنچے تھے، ان کے تعلقات پاکستان کی چوٹی کی شخصیتوں سے تھے، وہ ایک باثروت وباغیرت اہلحدیث علم دوست خاندان کے تھے اور ان کا گھر اکابر علماء اہل حدیث سے آباد رہتا تھا، خاص طور پر قدیم وجدید کے جامع عالم ومجتہد علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ، جو اسی سیالکوٹ کے تھے جہاں کا احسان صاحب کا خاندان تھا، سے تو ان کے

خاندان کے تقریباً ذاتی مراسم تھے۔ مزید براں حافظ احسان برصغیر ہند و پاک کی عظیم شخصیت اور اپنے دور کے عظیم محدث، جامع معقول و منقول استاذی العلامہ مولانا نذیر احمد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ، محدث عصر علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری، علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی حفظہ اللہ کے استاذ) امام العصر علامہ حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد بھی تھے اور شاگرد بھی۔

ہمارے اوطان کے درمیان اس طویل فاصلے کے باوجود ہم دونوں میں ایک چیز قدر مشترک تھی اور وہ تھی مسلک اور تحریک اہل حدیث سے گہرا تعلق، توحید و سنت کے لیے بے پایاں غیرت، اور برصغیر میں جماعت اہلحدیث کی عظیم الشان خدمات سے واقفیت اور اس کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں پر افتخار و اعتزاز۔

اس وحدت فکر نے ہم دونوں کے درمیان سے بہت سے پردے ہٹا دیئے۔ ہمارے درمیان ان چند مہینوں کے اثناء میں جن میں ہم دونوں مدینہ میں مقیم تھے بہت سے مسائل ایسے تھے جن میں ہمارا ایک دوسرے سے اختلاف تھا۔ ان کا خاندان تقسیم ملک اور پاکستان کا حامی تھا اور نظریۂ پاکستان کے سلسلہ میں علامہ سیالکوٹی اور مجاہد عظیم مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی سے متأثر جن کے اثرات ان پر پورے طور پر تھے اور میں پوری ایمانداری کے ساتھ اس نقطۂ نظر کا حامل تھا اور ہوں کہ ملک کی تقسیم سے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا ہے بلکہ ملک تقسیم نہ ہوتا تو مسلمانانِ برصغیر اپنے تعداد اور اپنی صلاحیتوں اور جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے شرق اقصیٰ اور شرق اوسط کے مسلمانوں کے ساتھ ایک

ایسی اکائی بن سکتے تھے جنہیں روس اور امریکہ کی طاقتیں آنکھ نہ دکھا سکیں۔ اور غیر جانبدار کی دوسری اقوام کے تعاون سے ان کا بین الاقوامی وزن کہیں بڑھ جاتا۔

اسی طرح ہم دونوں کے درمیان یہ بات تو قدر مشترک تھی کہ برصغیر کے ماضی کے عظیم سلفی ائمہ و مجددین اور علماء و مصنفین کے ہم دونوں عقیدت مند تھے۔ اسی طرح اس وقت تک کی زندہ شخصیتوں میں بطل جلیل، مجدد سلفیت شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ اور مولانا حافظ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہم سے ہم دونوں کو یکساں عقیدت تھی، لیکن ان دونوں عظیم علماء کے علاوہ بقید حیات رہنے والے وہ اکابر جو ہمارے اساتذہ کی صف میں تھے اور ہیں، میں ان کا احترام و اکرام اپنے اساتذہ ہی کی طرح کرتا تھا اور کرتا ہوں جب کہ احسان بھائی کا انداز زندہ شخصیتوں کے بارے میں مجھ سے بہرحال مختلف تھا۔ وہ طوفان تھا اور میں ایک خاموش طالب علم۔ ان ساری باتوں کے باوجود جامعہ اسلامیہ میں ہم دونوں ایک دوسرے سے سب سے زیادہ قریب تھے اور جامعہ میں موجود ہمارے کچھ پاکستانی اہلحدیث وغیر اہلحدیث طلبہ جنہیں ان سے کسی معنی میں دوری تھی، وہ مجھے اس تعلق پر ٹوکتے بھی رہتے تھے، لیکن مسلک و عقیدہ کے لیے غیرت اور اپنی تاریخ پر افتخار و اعتزاز اور شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ عقیدت ایسی مشترک اقدار تھیں جنہوں نے ہمیں چند ہی مہینوں کی مدت میں ایک دوسرے سے اتنا قریب کر دیا کہ جب امتحان کا زمانہ آیا جو ان کا ڈگری کا امتحان تھا اور وہ پورے سال اپنی مشہور کتاب "القادیانیۃ دراسات و تحلیل" کی تصنیف و ترتیب و تبویب میں مصروف رہنے کی وجہ سے اسباق میں پوری محنت نہیں کر سکتے تھے تو میں شب و روز ان کو [illegible] بھی کرتا تھا اور ان کے لیے دعائیں بھی کرتا تھا۔ انہیں امتحان کی تیاری پر آمادہ بھی کرتا تھا اور ہمارے اوطان کے درمیان بے تکلف تخاطب کا جو لفظ تھا "تم" کے صیغے استعمال کرتے ہوئے میں کہتا تھا کہ "کمبخت اگر تم فیل ہو گئے تو تمہاری خیریت نہیں ہو گی۔"

میں ان کے ممتاز آنے کے لیے جو اصرار کر رہا تھا اس کا ایک پس منظر تھا۔ کچھ ہی دن پہلے ایک پنجابی طالب علم حسن جان نام کے، جو اپنی تقلیدی عصبیت میں اس قدر آگے بڑھے ہوئے تھے کہ جامعہ اسلامیہ کا سلفی اور دینی ماحول بھی انہیں نرم نہ کر سکا بلکہ ان کے حنفی تعصب میں مزید شدت آ گئی وہ آخری سال میں ممتاز ڈویژن سے پاس ہو چکے تھے اور ہم اور دوسروں کی نظریں احسان پر تھیں کہ فائنل امتحان میں وہ کے سب سے نمایاں طالب علم علامہ احسان کا انجام کیا ہے اور اغیار تو چاہتے ہی تھے کہ وہ ناکام رہیں کچھ لوگ تو اس خیال میں مبتلا تھے۔ آخر ہماری دعائیں اللہ کی توفیق سے قبول ہوئیں، احسان ممتاز آئے۔ اس موقع پر ان کی کامیابی مبارک باد کے سلسلہ میں میں نے ایک مضمون لکھا جو الاعتصام میں شائع ہوا۔ کسی دوست کے سلسلہ میں میرا یہ پہلا مضمون تھا جو اس کی زندگی میں لکھا گیا ہو۔

جس پس منظر میں میں نے یہ مضمون لکھا تھا مختصراً ایک ایک فقرہ اس کا غماز تھا۔ اس کا مقصد صرف احسان بھائی کے مورال (MORAL) کو بلند کرنا تھا اور یہ بتانا تھا کہ اور اقلیت میں ہونے کے باوجود جماعت اہل حدیث بھی میں بہت سے ہیرے رکھتی ہے۔ مگر اس مضمون سے کچھ بزرگوں کو تکلیف پہنچی اور فراغت کے بعد جب احسان پاکستان اور جماعت اہل حدیث پاکستان کی داخلی سیاست میں نے دلچسپی لینا شروع کی اور اس سلسلہ میں میرے نقطۂ نظر سے بھی ان سے غلطیاں ہوئیں۔ اللہ ہم سب کو معاف کرے میرے اس مضمون سے بعض بزرگوں نے یہ اثر لیا کہ میں ان

جماعتی مؤقف کو بھی مکمل طور پر صحیح سمجھتا ہوں۔ بہرحال
زندگی کا اب تک کا سب سے بڑا تفصیلی خط انہیں ایک
کو لکھنا پڑا جس میں میں نے اپنے مضمون کا پس منظر بتایا
بات لمبی ہو گئی، بہت ناقص اپنے [illegible]
بات ــــــ مدینہ میں چونکہ وہ بچوں کے ساتھ مقیم
اس لیے انہوں نے مجھے اپنا ہم نوالہ و ہم پیالہ بننے پر مجبور
کیا اور مدینہ سے پاکستان واپس ہوتے ہوئے انہوں نے
ساری امانت اور سلسلے کا تعلقات میرے پاس امانت ر
جو بعد میں ان کی ہدایت کے مطابق پاکستان بھیج دی
قیام مدینہ کے ان چند مہینوں کی رفاقت کے
میں بارہا ہمارے درمیان انفرادی گفتگوئیں بھی رہیں
مجلسوں میں بھی ہم شریک ہوئے۔ ایک آدھ مرتبہ دو
بڑے مشاعرے بھی ہوئے جن میں آپس میں پاکستانی، اور
ہندوستانی مسلمانوں کے عنوان سے دلچسپ چھیڑ خانیاں بھی
رہیں، انہیں اپنے ملک پاکستان سے غایت درجہ کی محبت تھی
اور پاکستان کے بانیوں مسٹر جناح اور لیاقت علی خاں وغیرہ کا
ان کے عقائد کی خرابی کے باوجود شدید احترام کرتے تھے اور
میں عقائد کو نظر انداز کر کے کسی کے احترام کا قائل نہیں تھا مولانا ابوالکلام
آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت، امامت، سلفیت اور خدمات
کا میں بہت قائل تھا اور وہ سیاسی اختلافات کی بناء پر ان پر
چھینٹیں بھی کستے تھے اور میں اسے برداشت نہیں کر پاتا تھا کبھی کبھی
بات تلخیوں تک جا پہونچتی تھی۔ میں تقسیم ملک کو ملت اسلامیہ
ہند کے لیے بہت بڑا حادثہ سمجھتا تھا اور وہ اسے ملت کی سب سے
بڑی کامیابی سمجھتے تھے۔ ہمارے درمیان

ع " چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد "

تحریک و مسلک اہل حدیث سے عقیدت اور اس کی تاریخ پر بطور خاص
شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ
سے بے پایاں عقیدت ہمیں ایک دوسرے سے دور نہیں ہونے
دیتی تھی۔

قیام مدینہ ہی کے دور میں انہوں نے اپنے پرانے
دوست اور اپنے دور میں جماعت اسلامی کی نفس ناطقہ اور
مولانا مودودی کے دست راست اور بعد میں ہونے والے
بھٹو کابینہ کے وزیر مولانا کوثر نیازی سے میری ملاقات کرائی،
گھنٹوں رفاقت رہی، تفصیلی باتیں ہوئیں اور میں نے دیکھا کہ
کوثر نیازی صاحب اس نوجوان طالب علم سے بے انتہا
مرعوب ہیں۔

جامعہ اسلامیہ سے ان کی فراغت کے بعد میں تین سال
وہاں رہا۔ ان کے چند خطوط آئے لیکن مراسلات کی بابت اپنی نااہل
معافی سستی اور کاہلی کے باعث میں ان کے کسی بھی خط کا جواب
نہ دے سکا۔ احباب کے ذریعہ وہ میری خیریت معلوم کرتے رہے
اور میں ان کی۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے
بعد پروفیسر ابو بکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور کرم فرمائے جماعت مولانا
محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ذہنی دوری
بالخصوص پروفیسر ابو بکر غزنوی رحمۃ اللہ کے اپنے سلفی خاندان
سے نکل کر جہلم کے ایک صوفی سے تعلق کی وجہ سے پروفیسر ابو بکر
غزنوی ناظم بننے کے باوجود وہ تعاون نہ دے سکے جس کی توقع
مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے رفیق
کار داؤد غزنوی رح کے اس باصلاحیت خلف سے تھی۔ نتیجتاً
جماعت میں ایک ناہمواری سی پیدا ہوئی، علامہ محمد اسماعیل سلفی
رحمۃ اللہ علیہ مجبور ہوئے کہ مالی مشکلات پر قابو پانے اور جماعت
کا شیرازہ منتشر ہونے سے بچانے کے لیے ایک متدین اور
باغیرت اہلحدیث تاجر کو ناظم بنائیں۔

برصغیر ہند و پاک میں تعلیمی اور دعوتی نیز دیگر علمی مراکز
کی قیادت کے سلسلہ میں غیر عالم نیز تاجر حضرات کا جو تجربہ رہا
وہ تلخ بھی ہے اور ناکام بھی۔

ایک اور حادثہ ہوا، وہ یہ کہ شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ
امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد اور مرکزی جمعیت اہل حدیث
پاکستان کے اساطین خمسہ میں سے ایک تجربہ کار شخص حاجی
محمد اسحاق حنیف رحمۃ اللہ علیہ کی غیر فطری موت واقع ہو گئی، مولانا
غزنوی رح اور مولانا محمد اسماعیل سلفی رح کی وفات ہو ہی چکی تھی
حاجی اسحاق حنیف رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تقسیم ملک کے بعد
پاکستان میں جمعیت کی تشکیل کرنے والے ذمہ داران میں سے صرف
مولانا عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ و عافاہ اور مولانا محمد حنیف
ندوی حفظہ اللہ کی شخصیتیں رہیں (بارک اللہ فی حیاتہما
ومتع المسلمین بفیوضهما وحسناتهما) علامہ حنیف
بھوجیانی حالات سے بددل ہو کر اپنے تحقیقی ذوق کے مطابق
المکتبۃ السلفیۃ کو لے کر (جسے بعد میں مولانا نے
دار الدعوۃ السلفیہ وقف کی شکل دے دی،
فجزاه الله أحسن الجزاء) گوشہ عافیت
میں بیٹھ گئے۔ مولانا محمد حنیف ندوی حفظہ اللہ پہلے ہی سے ایک
عرصے زیادہ علم و تحقیق اور ادب و انشاء کے رسیا تھے،
ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے ان کے انتساب نے اس پر گہرے
اثرات ڈالے اور وہ جمعیت کے تنظیمی ڈھانچے سے دور ہو کر رہ
گئے۔ حافظ احسان رحمہ اللہ جیسا متحرک شخص علامہ اسماعیل
سلفی گوجرانوالہ کی زندگی تک تو نباہ کر گیا لیکن ان کی وفات
کے بعد کسی قیادت سے ان کا نباہ نہ ہو سکا اور مولانا حافظ
محمد صاحب گوندلوی رحمہ اللہ سے معنوی طاقت حاصل کر کے
شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب حفظہ اللہ وغیرہم کے ساتھ
انہوں نے ایک نئی جماعت کی تشکیل کی کچھ لوگ درمیان کی

تبلیغ کو بڑھاتے رہے اور مخلصین کی ہر ممکن کوشش کے باوجود کوئی معقول مصالحتی فارمولا عمل میں نہ آ سکا۔ اس سلسلہ میں پاکستان سے لے کر سعودی عرب اور کویت اور برطانیہ تک کی جماعتوں نے بھرپور کوشش کی، کچھ احباب کے کہنے پر اس گنہگار نے بھی اپنی بساط بھر جدوجہد کی لیکن ما شاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن۔

احسان بھائی نے پاکستان جانے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے کئی مضامین میں ایم اے بھی کیا، وہ ماہنامہ ترجمان الحدیث بھی ایڈیٹ کرتے رہے، ذاتی زندگی میں بھی انھوں نے کافی ترقی کی، قلم میں طاقت تھی، زبان میں زور تھا، ذہن رسا تھا۔ جس ماحول میں وہ پروان چڑھے تھے اس نے انہیں دلیری، بہادری اور شجاعت کی دولت سے نوازا تھا۔ ان جیسا فعال (DYNAMIC) شخص پاکستان میں ہر لمحہ بدلتے حالات پر خاموش نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ ان کے عزائم بلند تھے سیاسی زندگی کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت تھی ان میں وہ بدرجۂ اتم موجود تھیں چنانچہ انھوں نے ایک طرف اپنے دینی خیالات کی ترویج کے لیے مسجد چینیاں والی کی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی جماعت کے اجتماعات میں توحید وسنت اور دیگر اسلامی موضوعات پر اپنی شعلہ بیانی اور سحر البیانی سے ایک جم غفیر کو متاثر کیا اور اپنے قلم کی روانی سے عربی، اردو وغیرہ زبانوں میں مضامین، مقالات اور بیش بہا تالیفات کا ایک انبار لگا دیا اور دوسری جانب انھوں نے ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا، مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد ۱۹۶۱ء سے انھوں نے باقاعدہ سیاسی زندگی شروع کی ایوبی حکومت میں انھیں جیل بھی جانا پڑا اور اصغر خان کے حزب استقلال کے وہ اطلاعات کے سکریٹری بھی رہے اور ۱۹۷۷ء میں حزب استقلال کے قائم مقام صدر بھی رہے۔ اخیر میں انھوں نے اہلحدیث یوتھ فورس قائم کیا، اسی اہلحدیث یوتھ فورس کا اجلاس ہو رہا تھا جس میں یہ حادثہ پیش آیا۔ ان کی شعلہ نوائی اور پرزور خطابت اور حق بات میں ہلچل مچا دینے والی تقریروں نے انہیں اگر ایک طرف سیاست کے میدان میں کامیابی سے قریب تر کیا تو دوسری جانب ان کے حاسدوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ ان کی بے باکی، جرأت اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کے انداز نے ملکی سیاست اور ان کے قائدین کو اس قدر مرعوب کر رکھا تھا کہ کوئی تنظیم اور کسی بھی جماعت کا قائد ان کے سامنے آنے سے گھبراتا تھا۔

رفض وتشیع اور باطنی فرقوں نیز بریلویت کے خلاف ان کی قلمی اور لسانی جنگ نے ارباب رفض وبدعت کی نیندیں حرام کر دی تھیں اور ان کے خلاف سازشوں کا ایک جال پھیلا تھا۔

آخری دور کی سیاسی لڑائی میں وہ جماعت کے ایک دو ترجمانوں میں سے تھے جس سے جماعت اہلحدیث کے سارے مخالف گھبراتے تھے۔

ایک انتہائی ثقہ راوی کی روایت کے مطابق حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی مدعی مشہور تنظیم کے ذمہ داران سے زندگی کے آخری ایام میں انھوں نے جس جرأت مندانہ انداز میں گفتگو کی اور اس تنظیم کے ذمہ داروں سے ان کی اعتقادی اور فکری غلطیوں، سیاسی بے بصیرتی، جوڑ توڑ اور سازشی ذہنیت کا اعتراف انھوں نے جس طرح دلائل وبراہین کی روشنی میں کرایا یہ انہیں کا حصہ تھا۔ یہ پورا ڈائیلاگ کیسٹ میں محفوظ کر لیا گیا۔ کاش وہ محفوظ ہوتا اور جماعت کے نوجوانوں کو اس سے حوصلہ ملتا، مگر افسوس کہ وہ کیسٹ ایک سازش کے تحت ضائع کر دی گئی۔

خواہ سیاسی گفتگو ہو یا اعتقادی اور فکری، اسٹیج اور پلیٹ فارم پر صرف جماعت اہلحدیث میں بلکہ میرے علم کی حد تک دوسری جماعتوں میں بھی ان کا کوئی مثیل نہیں تھا۔

۲۸ فروری تا ۱۳ مارچ ۱۹۸۵ء میں جب ڈھاکہ بنگلہ دیش میں جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں یہ بھی مدعو تھا اور پاکستان سے احسان بھائی مدعو تھے۔ دونوں نے وہاں کانفرنس میں اور کانفرنس کے باہر مختلف جگہوں پر اپنے طرز کی تقریریں بھی کیں اور ایک زمانے کے بعد چند روزہ یکجائی کا موقع بھی ملا ہم دونوں کا ایک ہی ہوٹل میں تھا، بہت سارے موضوعات زیر بحث آئے، مدینہ منورہ کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ اس موقع پر میں نے جمعیت اہلحدیث کے سلسلہ میں ان سے تفصیلی گفتگو کی، ہر ممکن طریقے سے قائل کرنا چاہا کہ چونکہ وہ ایک باشعور عالم دین ہیں، غیرت مند اہلحدیث ہیں، ماضی کی خدمات، صلاحیتوں اور اپنی مقبولیت کی وجہ سے ان کی حیثیت ایک طاقتور شخصیت کی ہے اس لیے پہل کر کے جمعیت کو انتشار سے بچانے کی تدابیر عمل میں لانی چاہیے۔ لیکن مجھے محسوس ہوا کہ وہ اپنے مخالف فریق سے سخت بیزار ہیں اور انہیں توقع ہے کہ جماعت کی اکثریت ان کا ساتھ دے گی اور وہ قیادت کے لیے اپنا استحقاق ثابت کر سکیں گے اور جماعت کو جمود اور گراوٹ سے بچانے کی راہ میں وہ شدت سے اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ انہیں جماعت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھنی چاہیے۔

اب یہ تو مستقبل کا مورخ ہی فیصلہ کرے گا کہ ان کا یہ فیصلہ کس حد تک صحیح تھا اور مجھے امید ہے کہ اس حادثۂ جانکاہ کے بعد جماعت اہلحدیث پاکستان اپنی کمزوریوں کو پورے طور پر محسوس کرے گی اور حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اپنی صحت کی انتہائی نزاکت کے باوجود نیز مولانا محمد حنیف ندوی

مولانا عبدالخالق رحمانی، مولانا محمد صبیح، پروفیسر غلام احمد حریری، مولانا سلمان شاہجہاں پوری، مولانا عزیز زبیدی، مولانا عبدالغفار حسن، مولانا بدیع الدین شاہ اور دیگر ذمہ داران ومخلصین جماعت آگے بڑھ کر صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کریں گے۔ دعا ہے کہ رب العالمین اسلام کی صادق ترین تعبیر کی حامل اس واحد تحریک کو ہر انتشار، تشتت اور جمود سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

رضا شاہ پہلوی کی حماقتوں کے نتیجے میں خمینی جیسا جذباتی اور ناعاقبت اندیش، منتقم ذہن کا جنونی ایران میں برسر اقتدار آچکا تھا جس نے ایک طرف ایران کے اہل سنت کا جینا حرام کر رکھا تھا، دوسری جانب عراق کی ایک مزعومہ غلطی کو بہانہ بنا کر وہ پورے جزیرۂ عربیہ پر تسلط کی سازشیں امریکہ، اسرائیل اور دوسری اسلام دشمن طاقتوں سے کر کے اس ابدی شکست کا بدلہ اسلام اور مسلمانوں سے لینا چاہتا تھا جو قرن اول میں اسلامی اور عربی عقیدۂ توحید کے نتیجے میں اسلام کو فارس کے آتش کدہ پر حاصل ہوئی تھی اور اسلام نے ہمیشہ ہمیش کے لیے فارس کے مجوس کو ٹھنڈا کر کے رکھ دیا تھا اور آتش پرستی کی لعنت دنیا سے ختم کر دی تھی۔ خمینی کی پلاننگ تھی کہ وہ حرمین پر قبضہ کرے اور حضرت فاطمۃ الزہراء کی قبر کو نیا کعبہ بنائے۔

حافظ احسان نے بہت شدت کے ساتھ اس سازش کو محسوس کیا، انھوں نے اس سلسلے میں سعودی عرب، عراق نیز دیگر عرب حکومتوں کے ذمہ داران سے گفتگو کی، انھیں صورت حال کی نزاکت بھی سمجھائی اور جس انداز کی سازشیں ایران اور اس کے ہمنوا کر رہے تھے اور برصغیر نیز انڈونیشیا وملیشیا وغیرہ میں احیائے اسلام کی دعوے دار تنظیمیں جس طرح اپنی پوری صلاحیتوں کو شعوری یا غیر شعوری طور پر خمینی کے پروپیگنڈوں کی نشر واشاعت کے لیے وقف کر چکی تھیں ان سے بھی انھوں نے پردہ اٹھایا اور رفض وتشیع، باطنیت واسماعیلیت اور باطنی تحریکوں کے ساتھ سازباز کرنے والی اہل سنت کی طرف منسوب "بریلویت" کا پردہ اپنی تحقیقی کتابوں کے ذریعہ انھوں نے چاک کیا۔

احسان بھائی کو ایک خاص صلاحیت جو قدرت نے ودیعت کی تھی اور جس کی نشوونما میں ان کے والد، ان کے اساتذہ اور ان کے گھر آنے جانے والے علماء کرام کا زبردست ہاتھ تھا اور خاندانی وجاہت نے اس کو جلا بخشی تھی وہ ان کے اندر قوت فیصلہ کی مضبوطی اور فراوانی تھی، انھیں اپنے مطالعہ اپنی تحقیق پر اتنا اعتماد تھا کہ جیسے وہ ایک بدیہی اور یقینی حقیقت ہو، خطابت، صحافت، تحقیق وتالیف ہر چیز میں ان کی کامیابی کا راز ان کی یہی جرأت اور فیصلہ کی قوت تھی۔ ان کی پہلی تصنیف "القادیانیۃ دراسات وتحلیل" جس کا پہلا نسخہ غالباً انھوں نے مجھی کو ہدیہ کیا تھا ان کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے "حضارۃ الاسلام" دمشق میں جو ڈاکٹر ادیب صالح کی ادارت میں نکلتا تھا، شائع کرائے تھے۔ اس کتاب کے ہر ہر مقالہ کی ہر ہر سطر ان کی اس خود اعتمادی کا ثبوت ہے۔

بعد میں انھوں نے جو کتابیں لکھیں ان میں "الشیعۃ والسنۃ"، "الشیعۃ واھل البیت"، "الشیعۃ والقرآن"، "الشیعۃ والتشیع"، "الاسماعیلیۃ"، "البریلویۃ"، "البابیۃ"، "البھائیۃ"، "القادیانیۃ"، "المرزائیۃ والاسلام" اور ان کے دیگر مقالات ومضامین میں بھی خاص بات ان کی خود اعتمادی ہی کی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ان کی کتابوں میں تحقیق نہیں، عمق نہیں، تحلیل وتجزیہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذہانت دی تھی، علم دیا تھا، تحقیقی ذوق دیا تھا، مطالعہ کی وسعت دی تھی، پھر انہیں اپنی ذاتی وجاہت وثروت کی وجہ سے مراجع مہیا کرنے میں کبھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی، فارسی، عربی، اردو اور پنجابی میں مہارت اور انگریزی کی معلومات کی وجہ سے انھیں ان ساری زبانوں سے براہ راست استفادہ کا موقع ملا اور انھوں نے یہ موقع کبھی نہیں کھویا۔

ان کی تقریباً ساری کتابیں اور مقالات اسلام کے خلاف زیر زمین کام کرنے والی باطنی تحریکوں سے متعلق ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ ان تخریبی باطنی تحریکوں کے اصل مراجع جو پردہ میں چھپا دیئے گئے تھے ان تک وہ پہنچنے میں کامیاب رہے۔ ان کے مخطوطات کو انھوں نے کھنگالا اور خود انھیں کے آئینہ میں ان کا چہرہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

یہاں میں سلفی نوجوانوں کی توجہ ایک خاص نکتہ کی طرف مبذول کراؤں گا وہ یہ کہ اسلام کی صحیح شکل کو بگاڑنے کے سلسلہ میں زیر زمین تخریبی طاقتوں نے جب سے کام شروع کیا ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے خیر القرون کے بعد ہمارا جو بھی علم وفہم آگے بڑھے وہ سلفی ہی تھے کیوں کہ اسلام کی صادق ترین تعبیر کے یہی حامل تھے، دور سلف کا احیاء ان کا مطمح نظر تھا، منہج سلف ہی کو یہ اسلام کی صحیح ترجمانی سمجھتے تھے اور انھیں کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کو بروقت بھانپ لیں اور بقول —

ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدت را می شناسم

کہہ کر ان کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے ایک مرتبہ شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری کے بارے میں کہا تھا کہ کوئی فتنہ اسلام کے خلاف صبح کو اٹھنے والا ہو تو شب ہی میں شیخ اپنے نور بصیرت سے اس کا احساس کر لیتے ہیں اور اس کا سر کچل کر

بکھ دیتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ خاکسار تحریک، مسٹر مسٹر سکلفش، قادیانیت اور عبداللہ چکڑالوی وغیرہ کے فتنۂ انکارِ حدیث اور مولانا مودودی رحمہ اللہ کے مسلکِ اعتدال کے ذریعہ پیدا کیے گئے فتنۂ تشکیک فی السنۃ کو مولانا امرتسری نے بروقت بھانپا اور ایک کامیاب جراح کی طرح ان کا کامیاب آپریشن کر کے رکھ دیا۔

ماضی بعید میں خیرالقرون کے بعد شیعیت ورفض، اور باطنیت کی دوسری شاخوں کے خلاف امام المحدثین حضرت امام شافعی نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں، امام اہل السنۃ احمد بن حنبل نے اپنی تصنیفات میں، امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح کے تراجم الابواب کے ضمن میں اور اپنی دوسری تصنیفات میں اور امام ابن قتیبہ دینوری اور امام ابن خزیمہ وغیرہ نے اپنے اپنے دور میں، امام ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے "منہاج السنۃ النبویۃ" میں، ابن العربی نے "العواصم من القواصم" میں، امام ذہبی نے "المنتقی" میں، شاہ عبدالعزیز نے "مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ" میں، اور شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ نے اپنی تالیفات میں اسلام کی شکل کو بگاڑنے کی میرانہ سازشوں کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا اس راہ میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں۔ مرحومین میں اس سلسلہ کی آخری کڑی علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ کی ہے جنہوں نے قاہرہ جیسے آخری دور کے بین الاقوامی اسلامی مرکز میں اپنے ہفت روزہ "الفتح" ماہنامہ "الزھراء" "المؤید" اور جامع ازہر کے ترجمان "مجلۃ الازھر" کے ذریعہ باطنی تحریکوں کے خلاف سلف کی جدوجہد اور قربانیوں کے تاریخی تسلسل کو برقرار رکھا اور ملتِ اسلامیہ کی طرف سے تقریباً پچاس سال کی طویل مدت تک صحیح اسلام کے دفاع کا مورچہ سنبھالے رکھا اور انہوں نے سلف کی جلائی ہوئی شمع کو تا روشن رکھا۔ رفض وتشیع، بہائیت، بابیت اور باطنیت کے سارے چہرے کھل کر کے سامنے آ گئے جب رفض وتشیع کے غلبہ کا شعور جامع ازہر میں دوبارہ خلفائے فاطمیین کے ملحدانہ ادوار کے دور کا احیاء کرنا چاہا اور "التقریب بین المذاھب الاسلامیۃ" کے نام سے جامعہ ازہر میں اثنا عشری عقیدہ وفقہ کا شعبہ چاہا تو اللہ بھلا کرے ہمارے استاذ شیخ محمد فرج فوزی جنہیں دمشق حافظ الاسد کے اشارہ پر اس کے کاسہ لیسوں نے دن دہاڑے قتل کر دیا اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو یتیم اور بیوہ بنا دیا رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ومغفرلہ) اور باغیرت سلفی اور دیگر علماء اہل سنت حق کو مخلصین بھی

خطیب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ خلاف اس وقت اگر دنیائے اسلام میں کوئی شخص جرأت رندانہ کر سکتا ہے تو وہ تنہا آپ ہیں۔ علما کی اس لبیک کہتے ہوئے محب الدین خطیب نے "الخطوط العریضۃ للأسس التی قام علیھا دین الشیعۃ الاثنی عشریۃ الامامیۃ" نام کا اپنا کامیاب جامع اور مختصر رسالہ لکھا۔

محب الدین مرحوم کی وفات ۱۹۶۹ء میں ہوئی احسان بھائی اس کے دو سال پہلے جامعہ اسلامیہ سے فارغ ہو کر پاکستان لوٹے تھے۔ محب الدین خطیب مرحوم کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ باطنیت پھر کذب، تقیہ، خداع، اور مکر و فریب کی ساری فتنہ سامانیوں کے ساتھ میدان میں آ رہی ہے تو انھوں نے محب الدین خطیب کے جلائے ہوئے چراغ کو اپنے خطیبانہ اسلوب میں بھرپور اعتماد و یقین کے ساتھ مزید روشن کر دیا اور یہ روشنی ان شاء اللہ مستقبل میں کافی دنوں تک سلفی نوجوانوں کو اپنا ورثہ، اپنا ماضی اور اپنا تاریخی تسلسل یاد دلاتی رہے گی۔

مدینہ منورہ کے دور کے بعد احسان بھائی سے دو ایک ملاقاتیں خانہ کعبہ میں ہوئیں۔ ایک مرتبہ منی میں ملاقات ہوئی اور ایک مرتبہ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے بنگلہ دیش میں تفصیلی ملاقات ہوئی، لیکن آنے اور جانے والوں کے ذریعہ وہ میری خیریت معلوم کرتے رہے اور میں ان کی۔ حکیم اجمل خاں سابق ناظم جمعیت اہل حدیث ہند اپنے عزیزوں سے ملنے جب بھی پاکستان گئے تو احسان بھائی نے ان سے میری خیریت پوچھی، تفصیلی حالات معلوم کیے، اور میری خاموشی اور میرے جمود و خمود نیز میری سستی و کاہلی پر مجھے ملامت کے پیغام بھیجے، اور میں نے ہمیشہ انہیں مسلک و تحریک وجماعت کے سلسلہ میں صبر واپنے احترام اکابر اور جماعت کی صفوں سے انتشار و تشتت دور کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد اور قربانیوں کی گذارش کے پیغامات بھیجے۔

سعودی عرب میں بار ہا ان کی شخصیت، ان کی تصنیفات اور دوسری مساعی کے بارے میں ڈاکٹر عبداللہ صالح عبید چانسلر اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ سے جامعہ اسلامیہ میں ان کے مکان بدائع (قصیم)، میں نیز ڈاکٹر عبداللہ ترکی مدیر جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ سے، شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کی سوانح حیات سے متعلق منعقدہ انٹرنیشنل کانفرنس منعقدہ جنوری ۱۹۸۶ء میں جس میں میں مدعو تھا اور خود ڈاکٹر صاحب کے دولت خانہ پر احسان بھائی کا تذکرہ رہا۔ جب شئون حرمین کے صدر شیخ سلیمان العبید نے شیعوں سے متعلق ان کی تالیفات پر خوش ہو کر انہیں اپنی طرف سے ایک قیمتی انعام

دیا تو ان کے ساتھ اس مسلکی رشتہ اور پرانے تعلقات کی بنا پر مجھے بے انتہا مسرت ہوئی۔

ایک مرتبہ دنیائے اسلام کے عظیم مصلح اور محبوب ترین و بزرگ، عظیم محدث و مفکر، امام علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رئیس ادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد کے دولت کدہ پر حاکم راس الخیمہ مدعو تھے۔ شیخ نے جو میرے لیے ایک شفیق باپ کی حیثیت رکھتے ہیں مجھے بھی اس موقع پر اپنے دولت کدہ پر آنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب حاکم راس الخیمہ کے ساتھ تبادلۂ خیال ہونے لگا تو شیخ نے بڑی جرأت اور حق گوئی کے جذبہ کے ساتھ امارات میں پھیل رہی "بریلویت" اور خرافات و بدعات پر حاکم راس الخیمہ کو متنبہ فرمایا اور انھیں اس فتنہ سے بچنے کی نصیحت بلکہ سخت تاکید فرمائی اور احسان بھائی کی کتاب "البریلویۃ" پڑھنے کی تلقین کی اور مجھے مخاطب فرما کر استصواب چاہا تو میں نے البریلویۃ کو وقت کی مفید ترین کتاب کہہ کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

باوجودیکہ بے تکلفی میں، میں بہت سی چیزوں کی بابت سینیارٹی کا لحاظ کیے بغیر احسان بھائی کو اقاسیہ صاف بھی کہہ دیا کرتا تھا اور جماعت و جمعیت اور علماء جماعت کے سلسلہ میں ہمارا اور ان کا سوچنے کا انداز خاصہ مختلف تھا میں اس کا قائل تھا اور ہوں اور میری جماعتی زندگی کے پچھلے ۲۰ سال اسکے گواہ ہیں کہ بڑوں کی طرف سے کتنا بھی ظلم کیوں نہ ہو، ان کی طرف سے کتنی بھی حوصلہ شکنی کیوں نہ ہو، کبھی بھی چھوٹوں کو اپنی نیازمندی میں فرق نہیں آنے دینا چاہیے اور جماعتی سارے ذاتی حق تلفی گوارا کیے بغیر اور صبر و ایثار کی اعلیٰ مثالیں پیش کیے بغیر نہ تو انسان کامیاب ہو سکتا ہے نہ جماعتیں اور تنظیمیں ترقی کر سکتی ہیں ——

اس سلسلہ میں میں ہمیشہ سیف اللہ خالد بن الولیدؓ اور فاتح ہند محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی مثالوں کو سامنے رکھتا ہوں. اور احسان بھائی کا نقطۂ نظر تھا کہ "انصر اخاک ظالما او مظلوما" (کہ ظالم کو اس کے ظلم سے روک کر اس کی مدد کرنی چاہیے) اور جسے اپنے نقطۂ نظر سے جماعتی معاملات میں ظلم سمجھتے تھے اس کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے تھے۔ ہمارے اور ان کے درمیان نقطۂ نظر کے اس اختلاف کے باوجود جب ان کی بابت کوئی ناپسندیدہ بات میں سنتا تھا خاص طور پر جب اس سے شماتتِ اعداء کا خطرہ ہوتا تو مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اس سلسلہ کے دو واقعات میرے لیے سخت اذیت کا باعث ہیں۔

ایک واقعہ تو وہ ہے جو چند سال قبل کویت کے احباب و مخلصین بالخصوص وہاں کے سلفیوں کے نوجوان رہنما اور جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کے ذمہ دار طارق العیسی نیز کویت و خلیج میں سلفیت کی حکیمانہ دعوت دینے والے شیخ عبدالرحمن عبدالخالق کے ذریعہ کی جانے والی جماعت اہلحدیث پاکستان کے ذمہ داران کے درمیان مصالحت کی کوشش ناکام ہونے کے بعد وہاں کے اخبارات میں تکلیف دہ خبریں شائع ہوئیں اور جس طرح جماعت کی آبرو کھلے چوراہے نیلام ہونے لگی اور اکابرین جن میں احسان بھائی بھی تھے کی شخصیات کی بابت بے انتہا نامناسب باتیں سامنے آئیں۔ اور دوسری بار مجھے اس وقت بے انتہا تکلیف ہوئی جب ہندوستان سے جماعت اہل حدیث کی عظیم جامعہ کے ایک نمائندہ نے جامعہ ہی کے اردو ماہنامہ میں سطحی اور بھونڈے انداز میں احسان بھائی اور ان کے ساتھ وفات پانے والے مولانا حبیب الرحمن یزدانی کا تمسخر کیا۔ اور احبابِ جماعت اہل حدیث پاکستان کو اس سے سخت تکلیف ہوئی۔

جب ہماری جامعہ اور ہماری جماعت کی طرف سے شائع ہونے والے اس پرچہ کی شکایت پچھلے رمضان میں قاضی محمد اسلم صاحب سیف فیروزپوری اور دیگر سنجیدہ ذمہ داران جماعت نے مسجد حرام میں بیٹھ کر مجھ سے کی تو جامعہ اور جماعت کا دفاع تو میں نے کیا لیکن میرا سر ندامت سے جھک گیا اگرچہ ان دونوں واقعات میں میں نے احسان بھائی یا ان کے کسی دوست کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا، اس لیے کہ ایسے مواقع پر تحریر میں آئی ہوئی چیزیں صورتِ حال کو مزید بگاڑ دیتی ہیں اس لیے صرف دل میں کڑھ کے اور اللہ سے صبر کی دعا کر کے رہ گیا۔

احسان بھائی کے سلسلہ میں ہمارے دوست عبدالعزیز بن محمد بن عتیق آل عتیق، جو مجدد عصر شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ کے شاگرد رشید امام سعد بن حمد بن عتیق کے علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور لاہور میں مکتب الدعوۃ کے ڈائریکٹر ہیں، سے برابر تبادلۂ خیال ہوتا رہا ہے، وہ ان کی جرأت، دلیری کے قائل بھی ہیں اور قدر دان بھی، ملت کے سلسلہ میں احسان بھائی کی جدوجہد کے بہت سے گوشوں سے انھوں نے پردہ اٹھایا۔ انھیں کے مسلسل اصرار کا نتیجہ حافظ احسان کی کتاب "الاسماعیلیۃ" ہے۔

احسان صاحب کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر فضل الٰہی ظہیر محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض کے ایک کامیاب پروفیسر، جماعت کے ایک باغیرت و بابصیرت اور حکیم و دانا عالم ہیں۔ اپنی خاموش جماعتی خدمات کے ذریعہ انھوں نے اصلاحِ عقائد اور سلفیت کے فروغ کے اچھے اور کامیاب تجربے کیے ہیں۔ ان سے جب ریاض یا مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی تو موضوعِ سخن احسان بھائی بھی رہے۔ فضل الٰہی صاحب جیسے خاموش، باوقار، سنجیدہ جوان میں نے بہت کم دیکھے ہیں۔

چند ماہ قبل جب میں دہلی سے باہر ہندوستان کے مختلف

علاقوں کے دورہ پر تھا تو گوجرانوالہ کی جماعت کے ایک مشہور خاندان کے ہونہار فرزند محمد زبیر صاحب ایک خاص مسئلہ سے متعلق احسان بھائی کا ایک خط لے کر آئے اور کئی روز تک میرے انتظار میں دہلی پڑے رہے۔ آتے ہی میں ان سے ملا اور احسان بھائی کے حکم کی تعمیل کی۔ اپنے خط میں انھوں نے مارچ کے شروع میں منعقد ہونے والی کربلا کے ندوۃ المجاہدین کی عالمی کانفرنس کے دعوت نامہ کا تذکرہ کیا تھا اور توقع دلائی تھی کہ غالباً اسی بہانے وہ آکر اپنے چھوٹے بھائی سے دہلی میں مل لیں گے۔ بارہا انھوں نے مجھے پاکستان بلایا مگر میں نہ جاسکا۔ بنگلہ دیش کی ملاقات میں میں نے ان سے کہا کہ دہلی ہوتے ہوئے پاکستان چلے جانا لیکن انھوں نے مستقبل میں ایک جامع پروگرام کا وعدہ کرکے جان چھڑالی۔ میں نے سوچا تھا کہ میں مدینہ کی زندگی میں ان کے بچوں کو دیکھ چکا ہوں وہ بھی آئیں اور اپنے بھتیجوں اور بھتیجیوں کو دیکھ لیں۔ مگر کیا خبر تھی کہ تقدیر الٰہی کا فیصلہ کچھ اور ہے۔ میں ریڈیو سنتا نہیں اس لیے ۲۳ کے بجائے ۲۴ مارچ کی صبح کو اخبارات سے بم کے حادثہ کی خبر ملی، حیران و ششدر رہ گیا۔ خبر میں احسان بھائی کے زخمی ہونے اور اسٹیج پر موجود کچھ لوگوں کی وفات کا بھی تذکرہ تھا۔ بعد میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب یزدانی اور مولانا عبدالخالق قدوسی وغیرہم رحمہم اللہ کی وفات کی خبر الاعتصام لاہور وغیرہ کے ذریعہ معلوم ہوگئی۔ احسان بھائی کی بابت شروع کی خبروں میں کسی حد تک امید کی کرن موجود تھی لیکن جب انہیں علاج کے لیے سعودی عرب لے جانے کی خبر معلوم ہوئی تب میری تشویش میں بے انتہا اضافہ ہوگیا اور وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ علامہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ کے دفاتر کے مشرف عام شیخ عبدالعزیز بن ناصر بن باز حفظہ اللہ نے جو ہمارے اور احسان بھائی کے تعلقات سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں فون پر اپنی اور علامہ شیخ ابن باز کی طرف سے اس حادثۂ جانکاہ کی خبر دی اور تعزیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم تعزیت کے سب سے زیادہ مستحق ہو، دعائیں کی گئیں، لیکن احسان نے جس طرح بہادری اور شجاعت کے ساتھ شہرت و ناموری کی زندگی گزاری تھی اسی طرح اس نے شہرت و ناموری کی موت پائی۔ تغمدہ اللہ برحمتہ واسعۃ۔

ہم اس کے علاوہ کیا کرسکتے ہیں کہ رب رحیم سے دعا کریں کہ وہ احسان بھائی اور ان کے ساتھ مرنے والوں کو شہادت کے درجات علیا سے نوازے اور ہم کمزور دل اور بزدلوں کو بھی ہمت دے اور ہمیں بھی شہادت کی موت عطا فرمائے آمین۔

جن دنوں یہ حادثہ پیش آیا ان دنوں رئاسہ عامہ لادارات بحوث علمیہ وافتاء ودعوت وارشاد کے باہری امور کے ڈائرکٹر جنرل شیخ محمد بن قعود حفظہ اللہ ہندوستان میں موجود تھے نہایت دلگداز انداز میں انھوں نے واقعات کی تفصیل معلوم کرنا چاہی لیکن میں کیا خبر دیتا، میں تو خود اس سے زیادہ شدید غم والم کی کیفیت میں مبتلا تھا جس میں وہ تھے۔

ریاض میں ان کی وفات کے حادثہ پر غم و الم کی جو شدید کیفیت پیدا ہوئی اس کا علم ہمارے ایک عزیز، صالح اور مخلص دوست اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کے مخلص خیرخواہ شیخ عبدالقدوس محمد نذیر ریسرچ اسکالر مجلس القضاء الاعلیٰ ریاض نے دی اور جنازہ وغیرہ کی تفاصیل بتائیں۔ شیخ عبدالعزیز بن عتیق اور عزیزم عبدالقدوس بن محمد نذیر کے ذریعہ یہ معلوم کرکے تھوڑی سی تسلی البتہ ہوئی کہ احسان بھائی کے والد حفظہ اللہ نے موت کی جگہ ریاض کے بجائے مدینہ میں ان کی تدفین پر اصرار کیا اور بالآخر جنازے کی تدفین مدینہ ہی میں عمل میں آئی۔ کاش وہ اپنے جذبات کی اتنی قربانی دے سکتے کہ سلف کی طرح جہاں وفات ہوئی وہیں تدفین عمل میں آتی۔

احسان بھائی بڑے خوش قسمت تھے کہ ان کی نماز جنازہ موجودہ دور کے موحدین اور متبعین سنت کے امام شیخ عبدالعزیز بن باز نے پڑھائی اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت ان علماء اور طلبہ اور اعیان نے کی جو موجودہ دور میں توحید اور اتباع سنت کا رمز اور شرک و بدعات مٹانے کے نشان سمجھے جاتے ہیں۔ چند ہی دنوں کے بعد گوجرانوالہ کی جماعت اہل حدیث اور مولانا اسماعیل صاحب گوجرانوالہ کے تربیت دادہ اخوان جماعت کا ایک وفد آیا ان سے لاہور کے اس دلدوز حادثہ کی تفصیلات معلوم ہوئیں۔ اسی اثنا میں ہمارے دوست شیخ عبدالعزیز بن محمد بن عتیق آئے تقریباً تین دن تک سفر و حضر میں ہماری اور ان کی گفتگو کا موضوع احسان بھائی اور جماعت و جمعیت اہل حدیث پاکستان ہی رہی۔ پیر بدیع الدین شاہ وغیرہ نے احسان بھائی کے زخمی ہونے کے بعد افراد جماعت میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے جو سلسلہ جنبانی کی اس کا بھی تذکرہ آیا۔

شیخ عبدالعزیز عتیق نے یہ بات بالکل صحیح کہی کہ وہ جماعت کی تلوار تھے جو ٹوٹ گئی اور جماعت کی زبان تھے جو کٹ گئی اور جماعت کی ڈھال تھے جو جماعت سے چھن گئی۔

جزع فزع سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور واویلا کے روایتی جملے ”بے وقت کی موت“ یا ”ناقابل تلافی نقصان“ وغیرہ اسلام کی صحیح تعلیمات سے میل نہیں کھاتے۔ ہمارے لیے صبر کے سوا چارہ کار نہیں۔

تحریک اہلحدیث ایک مشن ہے جو اسلام کی اصل روح کو بیرونی سازشوں سے بچانے کے لیے خیر القرون میں وجود میں آیا تھا اور اس نے ہر دور میں اسلام کی بنیادی اور اصل تعلیمات، اس کے جوہری عقائد، اس کی نتھری ہوئی توحید اور خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ اور سنت صحیحہ کی حفاظت کی ہے۔ اس راہ میں بے دریغ قربانیاں دی ہیں، شخصیات آتی جاتی رہی ہیں اور یہ مشن ان شاء اللہ قیامت تک زندہ رہے گا۔

"لن تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق" کی تصدیق ہر حال میں ہوتی رہے گی۔ رب رحیم و غفور اپنے فضل وکرم کے ذریعہ اس مشن کے لیے ہمیشہ ایسے مخلص، عابد و حکیم ایثار و قربانی کے جذبات سے معمور خدام پیدا کرتا رہے گا جو اس مشن کی خدمت کی راہ میں ہمارے اسلاف اور احسان بھائی اور یزدانی اور قدوسی صاحبان کی طرح قربانیاں دیتے رہیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ احسان بھائی اور ان کے ساتھ وفات پانے والے ہمارے معتبر علماء مولانا حبیب الرحمٰن صاحب یزدانی، مولانا عبدالخالق قدوسی محمد خان نجیب شیخ احسان الحق معراج دین اور جناب عبدالسلام اور دیگر متوفین کی خطیئوں سے درگذر فرمائے، انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان جن میں ان کی بیوائیں ان کے یتیم بچے، انکے سوگوار والدین اور بھائی بہنیں اور جماعت کے سارے نوجوان اور ہم جیسے لوگ ہیں، کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یادوں کا یہ مختصر سلسلہ ختم کرتے ہوئے ایک اور بات کی جانب ذمہ داران جماعت کی توجہ مبذول کراؤں گا، ممکن ہے اس سے ہمارا احساس جاگ جائے اور ہمارا سویا ہوا شعور بیدار ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں تحریک اہلحدیث نے جب سے منظم ہو کر توحید و سنت کی دعوت کا فریضہ انجام دینا شروع کیا ہے تب سے اب تک یہ صرف انگریزوں کا نہیں، صرف غیر مسلموں کا نہیں، صرف قبر پرستوں اور عرس و قوالی والوں کا نہیں ان بھائیوں کا بھی تختۂ مشق بنی رہی ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ اسماعیل بن عبدالغنی دہلوی رحمہم اللہ کو اہل حدیث اور اپنے درمیان قدر مشترک ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ ظلم اگر صرف تاریخی کتابوں میں اہلحدیث حضرات کی خدمات کو ملیامیٹ کرنے کی حد تک ہوتا، تحریک آزادیٔ ہند سے، تحریک جہاد سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تاریخ سے، جمعیت علمائے ہند جمعیت علمائے پاکستان تحریک خلافت، تحریک احرار، کانگریس اور مسلم لیگ وغیرہ کی تاریخوں سے ان کا نام حرف غلط کی طرح شادینے ہی کی حد تک رہتا تو بھی بات قابل برداشت تھی کہ اللہ حافظ و سلام ہے لیکن ہر دور میں بات اس سے کہیں آگے نکل گئی ہے "جامع الشواهد لي اخراج الوهابيين عن المساجد" پر اکابر علماء دیوبند کے دستخط اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے دادا مولانا محمد لدھیانوی کی کتاب "انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد" اور اس میں اہلحدیث کو "مرتد" قرار دے کر حکام وقت سے ان کے قتل کا مطالبہ اور ساتھ ہی یہ فتویٰ کہ اگر اہل حدیث توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ اور مولانا مدنی کی "الشہاب الثاقب"، محمد علی مونگیری مولانا محمد ثانی کی تصنیف، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نظر ثانی کردہ کتاب سیرت محمد علی مونگیری، اور محمد ایوب صاحب قادری کی بیشتر تصنیفات میں علماء اہلحدیث، جماعت اہلحدیث، افراد اہلحدیث کے خلاف یا تو عوام اور غیر مسلم حکومتوں کو بھڑکایا گیا ہے۔ ان کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ یا شک اور شبہ میں لپیٹ کر ایسی زہریلی بات کہی گئی ہے جو کھلے فتووں سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور یہ ماضی کا قصۂ پارینہ نہیں بلکہ ہمارے یہ بھائی اس تسلسل کو اپنے "دل" کے ہاتھوں مجبور ہو کر اب تک باقی رکھے ہوئے ہیں۔ آج بھی بہت سی مسجدیں ہیں جن میں افراد اہل حدیث کو نماز نہیں پڑھنے دیا جاتا۔ ابھی چند سال قبل ڈمراؤں ضلع آرہ میں ایک اہلحدیث فرد کو آٹھ رکعت تراویح کے جھگڑے میں قتل کر دیا گیا۔ بگھا کسہار ضلع مدھوبنی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عقیدت میں شریک ہمارے اہل علم اور روشن خیالی کے دعوے دار بھائیوں نے افراد اہل حدیث کو مسجد سے نکال دیا۔ کنوئیں سے پانی لینے سے روک دیا اور جب انھوں نے اپنا ایک گھر خاص کر کے اس میں نماز پڑھنا شروع کیا تو پولیس کو بلا کر انھیں حالت نماز میں گرفتار کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ اسی طرح ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور میں جہاں گیارہ مدرسے ان بھائیوں کے ہیں جو شاہ ولی اللہ کی عقیدت میں ہمارے شریک ہیں انہیں بھائیوں نے جماعت اہل حدیث کے افراد کے اپنی چھوٹی سی مسجد میں مسنون طریقے کے مطابق جمعہ کے لیے ایک اذان کہنے کے "جرم" پر ریوالور نکال لیے اور مسجد میں آکر زبردستی دو اذانیں کہہ کر دوسرا جمعہ قائم کیا۔

ایک اور پہلو قابل توجہ ہے کہ شیخ الاسلام علامہ امرتسری رحمہ اللہ کے خاندان کو عالم قادیانیت نے جس طرح پوری دنیا سے نیست و نابود کرنے کی سازش رچی اور اپنے جھوٹے مکار اور کذاب نبی کی موت کا انتقام علامہ امرتسریؒ کے دو صالح پوتوں کو دن دہاڑے ان کے گھر میں قتل کر کے لیا۔ آج بھی اس کا زخم ہرا ہے۔ اور پھر احسان بھائی اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ حادثہ ہوا کیا یہ واقعات جماعت کی غیرت و حمیت کو جگا سکیں گے۔ انتقام کے لیے نہیں، کیونکہ انتقام لینے والا تو رب العالمین ہے۔ لیکن اس داعیہ سے کہ ہم اپنے کردار پر نظر ثانی کریں۔ اپنی نیتوں کی تصحیح کریں، دوستی اور دشمنی کے معیار کتاب و سنت کی روشنی میں مقرر کریں اور اپنی صفوں میں موجود انتشار و تشتت اور ظلم و جور کو ختم کرنے کی تدابیر عمل میں لائیں اور حقوق و فرائض کی تاکیدوں کو محسوس کرتے ہوئے اپنے فرائض کی ادائیگی حقوق طلبی سے پہلے کریں تاکہ حق حقدار کو پہنچ سکے اور ہم اللہ تعالیٰ کی

باقی صفحہ ۵۹ پر

شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ

(دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں)

(از۔ م۔ ش)

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ ایک دھڑتے دار انسان تھے۔ اپنے دوستوں کا بھرپور ساتھ دیتے تھے۔ اور مخالفین کا دُور دُور تک تعاقب کرتے تھے دینی معاملات ہوں یا سیاسی وہ جس دھڑے میں شامل ہوتے تھے اس کیلئے وہ مدافعت کی چٹان بن جاتے تھے اور جس دھڑے کو سوء قسمت سے ان کا مدِ مقابل ہونے کا حوصلہ ہوتا تھا۔ اس کے بخئیے ادھیڑنے میں وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ اس بنا پر علامہ مرحوم ایک بہت بڑی متحرک اور فعال شخصیت کے سانچے میں ڈھل گئے تھے۔

ان کی آواز میں شیر کی گرج اور سمندر کا طغیان ہوتا تھا۔ وہ جب تقریر کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو الفاظ قطار بن باندھ کر ان کے سامنے کمر بستہ ہو جاتے تھے اور برجستگی، بے ساختگی اور بے باکی سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کرتے ہوئے مجمع کو جب چاہتے رلا سکتے اور جب چاہتے زعفران زار بنا سکتے تھے تقریر کرتے وقت وہ مصلحتوں کی زنجیروں کو توڑ کر پرے پھینک دیا کرتے تھے اور ان کے خطابت کے طوفان میں بڑے بڑے حاکم اور عہدیدار خس و خاشاک کی طرح بہ جاتے تھے۔

ان کی سیاسیات میں جمہوریت سے والہانہ وابستگی ان کی مختصر سی زندگی کا سب سے زیادہ قابلِ فخر پہلو تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف اپنی زبان اور قلم سے ہمیشہ بھرپور جہاد کیا۔ اور اس بنا پر حکمرانوں کے عتاب کا

نشانہ بھی بنے لیکن انہوں نے جمہوریت کو اسلام کے سیاسی نظام کی اساس سمجھتے ہوئے کبھی بھی جمہوریت کو اسلام کے سیاسی نظام کی اساس سمجھتے ہوئے کبھی بھی جمہوریت کی پاسبانی سے گریز نہ کیا۔

ان کی موت جن المناک حالات میں واقع ہوئی وہ بجائے خود معاشرے کے لیے ایک اہم چیلنج کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک شاداب شخصیت، ایک علم و عمل کی شمع، ایک لہلہاتا ہوا خوشبودار پھول یکایک ایک خوفناک سازش کا شکار ہو کر مسلا گیا۔ یہ ایک ایسا چیلنج ہے جسے حکومت کی مشینری کو اپنے تمام ذرائع کے ساتھ پوری ذمہ داری سے قبول کرنا چاہیے اور اس وقت تک چین سے بیٹھنا نہیں چاہیئے۔ جب تک کہ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچا نہ دیا جائے۔

ایک لحاظ سے علامہ مرحوم کی موت قابل رشک ہے۔ انہیں مرنے کے بعد یوم حشر برپا ہونے تک جو جگہ نصیب ہوئی ہے۔ اس کی آرزو کس کس نے نہیں کی۔ مشیت ایزدی نے انہیں پاکبازان امت کے پہلو بہ پہلو ابدی نیند کی راحتوں اور نعمتوں سے بہرہ یاب ہونے کے لیے چن لیا ہے۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

بقیہ: نقوش احسان

کے ورثہ کا محافظ اور امین تا حیات رہے۔ جاحتی مزاج کی نشیب و فراز میں چلتے رہے۔

بالآخر حقائق کی روشنی میں نئی جمعیت کی راہ ہموار کی ۱۹۸۳ء میں ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ۱۸ اپریل ۱۹۸۲ء تا ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو سیاسی سفر کا آغاز کیا۔ سیاسی جماعتوں کے تشخص میں اپنا مقام سیاست کی نوعمری میں روشن دماغی کی زندہ مثال قائم کی۔

قول و فعل۔

علامہ احسان نے اپنی زندگی کا آغاز قرآن و حدیث کی بنیادوں سے کیا۔ اسی پر قائم و دائم رہے۔ ان کے دین کی معلومات بھی قرآن و حدیث تھا ●

تاثرات — شہید ملت کے والد گرامی کے انٹرویو کی روشنی میں

تحریر: جناب میاں محمد جمیل ایم اے - سیکرٹری اطلاعات جمعیۃ اہل حدیث پاکستان

علامہ صاحب مرحوم کے سیکرٹری جناب عطاء الرحمٰن ثاقب کی مہربانی کہ انہوں نے میری ملاقات کے لیے نہ صرف قائد کے والد محترم جناب حاجی ظہور الٰہی صاحب سے وقت لیا بلکہ مجھے بھی اطلاع فرمائی ساتھ بجے شام میں اس لائبریری میں بیٹھا تھا جہاں قائدِ ملت کتابوں کے جھرمٹ میں جلوہ گر ہو کر پوری دنیا کے باطل نظریات سے پنجہ آزما ہونے کے لیے قلم و قرطاس کو حرکت میں لا کر محمد عربی ؐ کے دین کی پاسبانی اور حفاظت کیا کرتے تھے اسی کمرے میں بیٹھ کر جمعیت اہل حدیث کی نشاۃ ثانیہ کا پروگرام بنایا گیا تھا اور یہیں بیٹھ کر قائد کارکنوں کو ہدایات، ملکی اور غیر ملکی راہنماؤں سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ اسی تاریخی لائبریری سے ہی قائد نے پوری دنیا کے اہل علم حضرات کو نئے فکر اور تازہ ولولہ سے روشناس کرایا تھا۔ چنانچہ دفعتاً ساڑھے سات بجے ایک خمیدہ کمر بزرگ نمودار ہوئے جن کے بال زمانے کے حالات، واقعات اور حادثات نے سفید کر دیئے جو چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔ ان کے ماتھے سے

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ

نمایاں اور ان کے چہرے سے اپنے عظیم سپوت کی جدائی کے اثرات بالکل واضح دکھائی دے رہے تھے اُن کی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کی صدائیں اور مغفرت کی دعائیں صبر و تحمل کی صدائیں نکل رہی تھیں۔ وہ نہ صرف خود صبر و برداشت کے مجسمہ بنے ہوئے تھے بلکہ جماعت کے غمزدہ افراد کو اپنے نورانی سینے سے چمٹا چمٹا کر تسلی اور تشفی دیتے ہوئے صبر و استقامت کے واقعات، قرآنی آیات نبی ؐ کے فرمودات بیان فرما رہے تھے۔ میں نے اپنے آپ پر صبر کرتے ہوئے مرحوم قائد کے والد

محترم سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع کیا۔ میں نے عرض کیا کہ جناب حاجی صاحب آپ کے خاندان کا پس منظر کیا ہے اور آپ کا خاندان کب اہل حدیث ہوا؟

ہمارا تعلق شیخ فیملی سیٹھی برادری سے ہے میرے دادا شیخ نظام الدین مرحوم یعنی علامہ صاحب کے پردادا صاحب اپنے چچا زاد بھائی میاں محمد رمضان۔ کے کہنے پر سب سے پہلے اہل حدیث ہوئے میرے والد شیخ احمد دین سیالکوٹ میں معمولی تاجر تھے اور میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا میں نے بھی اپنے خاندانی پیشہ تجارت کو اختیار کرتے ہوئے سیالکوٹ میں کپڑے کا کاروبار شروع کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے وقت کے ساتھ ساتھ بڑی برکت ڈالی اور مجھے دنیاوی لحاظ سے خوشحال اور شاداب بنایا میں اس کا نہایت ہی شکرگزار ہوں۔

کیا آپ کے خاندان میں کوئی عالم ہوا؟ اگر نہیں تو آپ نے اپنی اولاد کو کیونکر عالم دین بنایا اس کے اسباب ومحرکات کیا ہیں؟

میرے والد شیخ احمد دین مرحوم ان پڑھ مگر دین دار آدمی تھے۔ مجھے انہوں نے اس زمانے کے مطابق قرآن پاک اور سکول کی معمولی تعلیم سے آراستہ کروایا۔ جب میں سن شعور کو پہنچا تو ہمارے شہر میں بہت بڑے عالم۔ محدث حضرت مولنٰنا محمد ابراہیم سیالکوٹی کے علم وفضل کے بہت چرچے تھے۔ میری ان کے ساتھ عقیدت مندی ہوئی جس میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ عالم باعمل تھے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ دور ہی علمائے ربانی کا تھا۔ ان کی تقریر کا خلاصہ توحید ورسالت اور فکر آخرت ہوا کرتا تھا۔ جب مولنٰنا میر مرحوم فکر آخرت پر خطاب کرتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے ہم جنت ودوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کے وعظ میں انقلابی اثرات اور ان کی زبان میں بے پناہ تاثیر ہوتی تھی۔ ان کی آواز دل سے نکلتی اور دل پر اتر جاتی تھی۔ ان کی تقریروں نے میری سوچ کے زاویے اور میرے فکر کے انداز بدل ڈالے۔ ایک دن انہوں نے علم اور عالم دین کی فضیلت اور قرآن پاک کی فضیلت پر اس طرح موثر خطاب فرمایا کہ میں نے ان کی مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی دل میں تہیہ کر لیا کہ شادی کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے بچہ دیا تو میں اس کو قرآن پاک کا حافظ اور عالم دین متین بناؤں گا پھر اس فکر کو پروان چڑھانے میں حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی حضرت مولانا

محمد عبداللہ روپڑی ، حضرت مولانا عبداللہ ثانی ، مولانا نور حسین گھرجاکھی ، مولانا علی محمد صمصام سب سے زیادہ شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ فاتح قادیاں کا حصہ تھا ۔ میرا عقیدہ ہے کہ سب سے زیادہ نفع بخش تجارت یہی ہے کہ آدمی خود اور اپنی اولاد کو بھی دین کی چوکیداری اور اسلام کی پاسداری کے لیے وقف کر دے ۔ دنیا کی تجارت میں نفع نقصان دونوں ہیں لیکن ماشاء اللہ اس تجارت میں فائدہ ہی فائدہ ہے ۔ قرآن نے اسی تجارت کی طرف توجہ دلائی ہے ۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اے ایمان والو ! میں تم کو وہ تجارت بتلاتا ہوں جو تمہیں ہولناک عذاب سے بچالے ۝ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو اپنے اموال اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جان جاؤ ۝ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی اور حیاتِ جاوداں کی جنت میں بہترین گھر تمہیں عطا کئے جائیں گے ۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے ۝ اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں عطا کرے گا اللہ کی طرف سے نصرت و کامیابی عنقریب تمہیں عطا ہو جائے گی اور مومنوں کے لیے یہ نوید مسرت ہے" دنیاوی تجارت تو ایک انسان دوسرے سے کرتا ہے لیکن جہاد تو بندۂ مومن کسی انسان سے نہیں بلکہ رحمان سے سوداگری کر رہا ہوتا ہے اس کے بارے میں

لہ پ ۲۸ - س صف - آیت ۱۰ + ۱۳

ارشادِ خداوندی ہے۔

ان اللّٰہ اشتریٰ من المومنین بانفسھم

"اللہ نے مومنوں کے جان و مال کے بدلے میں جنت کا سودا کر لیا ہے۔"

وہ یہ الفاظ ادا نہ کر پائے تھے کہ ان کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں اور کچھ دیر اپنے چہرے کو جھکا کر ایک توقف کے بعد بڑی آہستگی سے گویا ہوئے اسی نقطہ نظر کی بنیاد پر میرا لوگوں کی خدمت میں پیغام نوٹ فرمائیے کہ والدین کو چاہیئے اپنے کاروبار کے ساتھ اس تجارت کو ضرور اپنائیں۔ اپنے بچوں کو علم دنیا کے ساتھ دین کے علم و فضل سے ضرور آراستہ کریں۔ انشاء اللہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے علم و فضل و کرم سے کامیاب و کامران فرمائے گا۔ میں نے اس پیغام کو ضبط تحریر میں لانے کے بعد تیسرے سوال کا موقع نکالا کہ محترم حاجی صاحب ہمارے قائد کی تاریخ پیدائش اور جائے ولادت کون سی ہے۔

انہوں نے ٹھنڈی آہ کھینچتے ہوئے فرمایا کہ علامہ صاحب ۳۱ مئی ۱۹۴۰ء کو محلہ احمد پورہ واقع رنگ روڈ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ یہ میرے سب سے بڑے اور لاڈلے بیٹے تھے ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے دیئے جن کے نام یہ ہیں۔

ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب: انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اور جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ منورہ سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی، اور آج کل ریاض یونیورسٹی میں ممتاز سکالر کے طور پر پروفیسر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

محبوب الٰہی صاحب: یہ نہایت ہی دیندار اور دینی ذہن رکھنے والے نوجوان ہیں۔ حیدر آباد میں کپڑے کا کاروبار کرتے ہیں۔

شکور الٰہی صاحب: حافظ قرآن اور میٹرک کرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ گوجرانوالہ میں تجارت کر رہے ہیں۔

عابد الٰہی صاحب: کلام حمید کے حافظ اور پاکستان سے بی اے کرنے کے بعد جدہ یونیورسٹی سے ایم اے کیا آج کل ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے ریاض میں کوشاں ہیں

علامہ صاحب سکول کے دروازے پر

آج سے چھیالیس سال قبل سورج کی کرنیں سیالکوٹ کے افق سے نمودار ہو کر دیوار سے نیچے اترتے ہوئے ایک بچے کے چہرے پر پڑتی ہیں۔ محو استراحت آنکھیں اس طرح کھلیں جس طرح گلاب کے پھول کی پتیاں نکھرتی اور بکھرتی چلی جاتی ہیں۔ بچے نے موٹی موٹی مگر پیاری پیاری آنکھیں کھولیں تو تکیا مامتا اپنے لخت جگر کے رخساروں پر تھپکیاں دیتے سراپا پیار مگر مکمل احساس سے کہتی ہے کہ بیٹا اٹھو سونے والے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ خود جاگو اور دوسروں کو جگاؤ بیٹا آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ نہا دھو کر خوبصورت لباس زیب تن کئے ہوئے بستہ ہاتھ میں ہے اپنے والد کی انگلی تھامے خراماں خراماں۔ میٹھی میٹھی پیاری پیاری باتیں کرتے ہوئے پہلی جماعت کے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے گردوپیش کا معصومانہ جائزہ لینے کے بعد بیٹھ جاتا ہے۔ قاعدہ نکال کر اللہ کے نام سے اپنے کام کا آغاز کرتا ہے۔ وہ اللہ جس کے نام کے آغاز اور اس کے نام کی لاج رکھنے والے کبھی ناکام و مراد نہیں ہوتے اس طرح دن گزرتے گئے اور راتیں بیتتی چلی گئیں مگر اس طرح نہیں جس طرح اکثر بچوں، جوانوں اور بوڑھوں پر زندگی گزر جاتی ہے نہیں یہ بچہ تو وقت سے ایک ایک لمحے سے کچھ چھین لینا اور اسے پورے طور پر استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

وہ زندگی گزارنے کے لیے ہی نہیں بلکہ سنوارنے کے لیے پیدا ہوا ہے چنانچہ کل ماں باپ نے رخصت کیا تھا۔ آج پانچ سال بعد اپنے ہونہار کو پرائمری سے فارغ کرتے ہوئے دعائیں دے رہا ہے کہ جاؤ بیٹا! خدا تجھے زندگی کے ہر میدان میں کامیاب و کامران رکھے۔

حفظ قرآن

ادھر وہ ہونہار پرائمری سے فارغ ہوا۔ ادھر والد نے اپنے رب سے کئے ہوئے وعدہ کو ایفا کرنے کے لیے بیٹے کے ہاتھ سے لبتہ پکڑ کر اسی ہاتھ میں کلام مجید تھما دیا وہ قرآن جو نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کی معرفت پوری امت کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور واشگاف اعلان فرمایا تھا کہ جب تک اس کتاب اور میرے طریقے کو تھامے رکھو گے خدا تمہیں تھامے رکھے گا۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنت رسولہ
میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ۔ اگر تم (قرآن اور نبی کے فرمان) کو تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے ۔

آج وہ بچہ سامنے قرآن رکھے ہوئے اپنے سفر کا آغاز الحمدللہ سے کرتا ہے گویا کہ زبان حال سے اپنے استاد کو یقین دلا رہا ہے کہ میں ہر حال میں اپنے رب کے شکر کا اظہار اور اقرار کرتا رہوں گا ۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ کل کے بچے اور آج کے قائد نے ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کیا ۔ ان کی پوری زندگی پر یہی کلمہ جاری و ساری رہا ۔ اس عقیدے کی بدولت اور اسی نظریے کی برکت سے ربِ کریم نے ان کو اس طرح نوازا کہ وہ صدیوں کا کام سالوں اور برسوں کا کام مہینوں ۔ پھر مہینوں کا سفر لمحوں میں طے کرتے چلے گئے ۔ اس طرح شب و روز کی محنت سے کلام حمید کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں سجایا اور بسایا اور ان کو اس عمر میں اس نعمت سے سرفراز کیا گیا جب بچے گلی کوچوں میں آوارہ اور نکارا پھرتے ہیں ۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم
یہ اللہ کا فضل جسے چاہے نواز تا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۔
واللہ یختص برحمتہ من یشاء
اللہ جسے چاہے اپنی رحمتِ خصوصی سے نواز تا ہے ۔

حاجی صاحب آپ نے اپنے بچہ کی روحانی اور جسمانی تربیت کس طرح فرمائی ۔

میرا احسان حبیب سات برس کا ہوا تو میں نے امام کائنات کے تربیتی اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے ان کو اپنی پیشانی کو رب کے حضور جھکانے کے لیے کہا کیونکہ میرے نزدیک زندگی توحید و رسالت اور نماز با جماعت سے عبارت ہے اس طرح انسان اپنے آنے والے اوقات کی منصوبہ بندی کرنے کا سبق حاصل کرتا ہے اور یہی وہ آداب زندگی و بندگی ہیں ۔ جس طرح سے ایک طرف بندہ اپنے رب سے نیاز مندی کا مظاہرہ کرتا ہے اور دوسری طرف رب اپنے سامنے جھکنے والی گردن کو پوری دنیا میں سربلندی فرما دیتا ہے ۔ یہی وہ عمل ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہوتی رہی ۔

جسمانی تربیت

حاجی صاحب نے علامہ صاحب کی جسمانی تربیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ علامہ صاحب ابتداء سے ہی تنومند، مضبوط الاعصاب اور مضبوط الاعضا تھے تاہم میں نے ان کے جسم کو مزید صحت مندی اور طاقت وری کے جوہر سے آراستہ کرنے کے لیے ان کی خوراک کا خوب خیال رکھا جب تک علامہ صاحب جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں زیر تعلیم رہے ان کا کھانا روزانہ سیالکوٹ سے بھیجا جاتا تھا۔ تاکہ خوراک کی کمی کی وجہ سے ان کی صحت کمزور نہ ہو جائے۔ اس طرح پاکستان میں جہاں بھی زیر تعلیم رہے ان کی خوراک کا خاص خیال رکھا گیا خورد و نوش کے ساتھ ساتھ میں ان کے جسم پر تیل ملتا اور خاص کر ان کی گردن کے اوپر نیچے خوب مالش کرتا تاکہ ان کے اعصاب مضبوط سے مضبوط تر ہو جائیں کیونکہ اعصاب ہی تو ہیں جو زمانے کے حوادث کا مقابلہ کرتے ہیں جن لوگوں کا اعصابی نظام کمزور ہوتا ہے وہ کوئی کام بھی جرأت و ہمت سے نہیں کر پاتے۔ دنیا میں تبدیلی لانے کے لیے جہاں اور عوامل کی حاجت اور ضرورت ہوتی ہے وہاں اپنے اعصاب کو قائم اور حواس کو حاضر رکھنا بھی نہایت ضروری ہوتا ہے یہی وجہ ہے ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ ایک طرف علامہ صاحب کے ہاتھ میں قلم ہے احساس سے حساس اور لطیف سے لطیف تر مسائل کو اپنی نوک قلم سے حاصل کر رہے ہیں دوسری طرف کاروباری الجھنوں کے باوجود وہ سیاست کی خار زار وادیوں میں اپنا لوہا منوا رہے ہیں میں نے ان کو بڑے بڑے ہنگاموں میں بھی گھبراتے اور لڑکھڑاتے ہوتے نہیں دیکھا بلکہ جوں جوں حالات مشکل سے مشکل تر ہوتے اس طرح ہی وہ اپنے آپ کو تیار کرتے چلے جاتے وہ اپنے حالات کا مقابلہ شیر کی طرح کرتے جو جنگل میں کھڑکھڑاہٹ سن کر اپنی کچھار سے نکلتے ہوئے اپنی گردن کو اٹھا اور سینے کو تان کر چلتا ہے۔ بلکہ مشکل حالات میں علامہ صاحب کی صلاحیتیں اس طرح نکھر کر سامنے آتی تھیں کہ ان کے دیرینہ ساتھی بھی حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔

بچپن کی عادات

میں نے سلسلہ کلام کو منقطع کرتے ہوئے استفسار کیا کہ علامہ صاحب بچپن میں ضدی یا جھگڑالو تو نہیں تھے؟

انہوں نے کہا کہ علامہ صاحب عام بچوں سے زیادہ ضدی نہ تھے اور نہ ہی جھگڑالو

طبیعت۔ بلکہ ان کی طبیعت یہ تھی کہ وہ ہر بات کی دلیل لینے اور دینے کے قائل تھے یہی تو انسانیت کا جوہر ہے وہ لاکھوں کے مجمع میں کہتے کہ دلائل پیش کرو اگر مخالف کے دلائل حقیقت پر مبنی ہوئے تو میں شام کا سورج غروب اور صبح کے طلوع ہونے سے پہلے اپنے موقف کو چھوڑ کر سچ کو قبول ہی نہیں بلکہ اس کا داعی بھی بن جاؤں گا کبھی کبھی وہ کلائی کی گھڑی دکھا کر کہتے جاؤ دلائل لاؤ اگر آپ کے دلائل زیادہ قوی ہوئے تو پانچ منٹ سے پہلے مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔ دلائل اور حقائق سے ہٹ کر کسی متبرد محراب اور جبہ و دستار یا کسی سرکار کی بات ماننے پر تیار نہیں ہوتے تھے وہ گردن کو اوپر جھکا دے کر فرمایا کرتے یہ کٹ سکتی ہے مگر جھک نہیں سکتی وہ پوری زندگی لڑے مگر حق کی پشتیبانی کرتے ہوئے ہر باطل قوت سے پنجہ آزما ہونا ان کی فطرت اور جبلت تھی لڑائی سے پہلے بہت کم سوچتے کہ وسائل و اسباب کیا ہیں بلکہ اسباب و وسائل کے اتنے ہی قائل جتنا کہ بندہ مومن۔ وہ ابتدا سے انتہا تک لڑے حتیٰ کہ ان کی زبان سے ادا ہونے والا آخری فقرہ ان کی پوری زندگی کا ترجمان ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

بقیہ:۔ بھائی احسان کی یاد میں

رحمت کے مستحق بن سکیں۔

حرف آخر میں "التوعیہ" کے ایڈیٹر مولانا عاشق سلفی الاثری اور ادارے کے معاونین مولانا محمد مستقیم سلفی اور مولانا ابو الکلام سلفی وغیرہم کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنی اہمیت کا موقع دیا کہ میں اپنے پرانے دوست اور جماعت اہل حدیث پاکستان کے جماعت مند قائد علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی بابت اپنی کچھ یادداشتوں کو کسی طرح زبان میں پیش کر دوں۔

یہ مضمون میں نے ایسے وقت میں املا کرایا ہے جب میں فالحمد للہ، برادر میرے اہل خانہ بیمار چل رہے ہیں اور بیٹی اہلیہ کے ساتھ ہیں ایک لمبے سفر کے لیے پابہ رکاب بھی ہوں۔ اس لیے زبان و اسلوب کی خامیاں اس میں یقینی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے موقع دے کہ میں احسان بھائی ہم اور انکی قریب میں وفات پانے والی دیگر اہم جماعتی شخصیات مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا حافظ عبدالغفور، میاں محمود علی قصوری وغیرہم رحمہم اللہ پر بھی سکون کے ساتھ اپنی یادداشتیں لکھ سکوں۔ اللہ ہم سب کو عمل و اخلاص کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر کرے آمین۔

ایک اجتماع ایک پلان

اپنی نوعیت کا منفرد اجتماع جو پہلے بھی تھا اور وہی پھر آخری بھی ثابت ہوا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کا ایک ایمان افروز خواب جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے۔

جناب مولانا حکیم عبدالرحمٰن خلیق۔ بدوملہی

۸ ؍مارچ کو علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدِ ملت نے اپنی قیامگاہ (۵/۴، شادمان کالونی لاہور) پر اپنی ذاتی حیثیت سے علماءِ اہلِ حدیث کا ایک اجلاس طلب کیا جو انکی زندگی کا بھی اور فی نفسہٖ خود بھی اپنی نوعیت کا منفرد اجلاس ہی تھا۔ علامہ مرحوم نے اس اجلاس میں جماعت اہلِ حدیث کے تشخص کو مزید بڑھانے اور دینِ حق کی اصل ہونے کی حیثیت سے مسلک اہلحدیث کے منفرد اور مستحکم مقام کو مزید نمایاں کرنے کے لیے جو پلان پیش کیا۔ وہ بھی ایک منفرد پلان ہی تھا۔

اور پھر اس اجلاس کے فیصلوں کو حسن المنآل کا شکار ہو جانا پڑا وہ بھی کاتب تقدیر کے حیرتناک فیصلوں میں سے ایک منفرد حیرتناک فیصلہ ہی تھا اور بقول غالبؔ ؎

حریفِ جوششِ دریا نہیں خود داریٔ ساحل
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

علامہ مرحوم کا خط

یہ اجتماع اگر اپنے طے کردہ پلان کے خاکہ میں رنگ بھرنے کی مہلت پاتا تو یہ نہایت درجہ انقلابی کارنامہ ہوتا اور علامہ

مرحوم اگر اس بیل کو منڈھے چڑھا پاتے تو وہ مسلک اہل حدیث پر ایک غیر فانی احسان کر پاتے اس اجلاس کی اہمیت اور اس میں تشکیل پانے والے عزائم کی آفاقیت کا اندازہ کرنے کے لیے آپ پہلے حضرت علامہ مرحوم کا وہ خط بھی ایک نظر ملاحظہ فرما لیجئے جو انہوں نے اپنے دستخطوں سے جماعت کے کچھ اہل علم حضرات کے نام تحریر کیا تھا علامہؒ لکھتے ہیں۔

"بڑی مدت سے میرے ذہن میں یہ بات گردش کر رہی ہے کہ درپیش مسائل پر دنیا کے ہر بڑے علمی مرکز اور ہر بڑی علمی اور دینی جماعت کی مجالس فکر و نظر میں بحث و تمحیص ہوتی ہے اور ان کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار کیا جاتا ہے اور لوگوں کو اپنے اجتہاد اور مسلکی موقف کے بارے میں آگاہ کیا جاتا ہے بدقسمتی سے پاکستان میں اس طرح کی کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آتی۔"

اور خاص طور پر اہل حدیث ایسی مسلکِ حق پر گامزن جماعت اس بارے میں ہنوز غفلت اور لاپرواہی کا شکار چلی آ رہی ہے جبکہ مسئلہ اجتہاد کے پرجوش حامی اور موئد ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عوام بالخصوص اور دوسرے مسلمانوں کے لیے بالعموم کتاب و سنت کی روشنی میں اہل حدیث کی ٹھوس علمی اور تحقیقی رائے کا اظہار بہت ضروری اور مفید ہے اور مستقبل قریب میں صرف وہی مسلک لوگوں کو متاثر کرے گا اور اپنے ساتھ لے کر چل سکے گا جو درپیش مسائل میں صحیح طور پر ان کی راہنمائی کا فریضہ سر انجام دے سکے۔

میرے ذہن میں اس وقت ایسے مسائل کی ایک لمبی فہرست ہے جن کے بارے میں لوگ جاننے کے متمنی ہیں اور ابھی تک کسی قابل ذکر ادارے اور جماعت کی طرف سے ان کی راہنمائی نہیں ہو سکی اور بالخصوص کسی ایک بھی اہل حدیث کی طرف سے ان پر لب کشائی نہیں ہوئی۔

میں نے اس سلسلے میں بڑی سوچ بچار کے بعد آپ سے راہنمائی کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ملک میں موجود جید اور ثقہ علمائے اہل حدیث کو خالصتاً ایک علمی اجتماع میں شرکت کی دعوت دوں تاکہ باہم مشورے سے کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے اور دین اسلام اور اس کے مسلک حق کی صحیح خدمت کرتے ہوئے لوگوں کو کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی دی جا سکے۔ لہذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس سلسلے کے پہلے انتہائی اہم اجتماع بتاریخ ۸ ارمارچ بوقت گیارہ بجے صبح میری رہائش گاہ واقع ۵/۴ شادمان کالونی لاہور بالضرور شرکت فرما کر اپنی مسلکی دینی غیرت و حمیت کا ثبوت بہم پہنچائیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اس بارے میں اپنی تمام مصروفیات اور مشغولیت کو بالائے طاق رکھ کر ابھی سے اس میں تشریف آوری کے لیے پروگرام طے کر لیں گے۔ میں آپ کے جواب کا شدت سے منتظر ہوں۔"

احسان الٰہی ظہیر

خط کے مندرجات سے ظاہر ہے کہ زیر بیان پلان کی تکمیل جماعت کے ان اصحاب علم و خبر اور ارباب فکر و نظر کا حصہ ہے جو قضاء و افتاء کی صلاحیتوں کے امانت دار ہیں اور جن کا فکری و نظری تشخص جماعت کی انفرادیت کی ضمانت اور مسلک حق کا سرمایہ فخر و ناز ہے مگر مجھے نہیں معلوم کہ حضرت علامہؒ نے اس فقیر کو کیونکر اس لائق پایا کہ اعلیٰ سطح کے اس علمی اجتماع میں شرکت کا ایک دعوت نامہ ادھر بھی ارسال کر دیا۔

یہ فقیر عام طور پر مجالس میں حاضری کا قصد نہیں رکھتا کیونکہ جماعت کی تفریق نے لطفِ محفلِ شوق کو کرکرا کر رکھا ہے۔

نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحت دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزو اعظم کا

مگر علامہ مرحوم کا یہ خط اپنے اندر نہ صرف درد اور سوز کی کچھ زیادہ ہی مقدار سموئے ہوئے تھا بلکہ ان کی یہ احتیاط مزید وجہ کشش تھی کہ انہوں نے یہ خط اپنے معروف قانونی مقام سے ہٹ کر اپنی ذاتی حیثیت سے لکھا تھا۔ اس لیے حضرت کی اس درد بھری پکار کے جواب میں معذرت کی جسارت کو معصیت جانا اور ان کی حسب الطلب تعمیل ارشاد کی اطلاع ان کو بھیج دی کہ سہ

عجب کیا ہے یہ بیڑہ غرق ہو کر پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

خط یا آئینہ سیرت

علامہ مرحوم کے اس خط کا سب سے زیادہ ایمان افروز پہلو یہ ہے کہ انہوں نے مسلک کی برتری کیلئے اپنے آپ کو جماعتی منصب سے الگ رکھ کر یہ خط اپنی ذاتی حیثیت سے لکھا ہے تاکہ ان کے جماعتی نظام سے باہر کے اہل حدیث علماء کو جن کی وابستگیاں جماعت کے دوسرے نظاموں سے ہیں ان کے ساتھ مل بیٹھ کر مسلک کی برتری کے وسائل و ذرائع دریافت کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ ہو پس جب وہ اس خط کو جماعت اہل حدیث کے ایک فرد کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو اس طرح انہوں نے اپنی تنظیم سے باہر کے ان

اہل حدیث اہل علم سے قریبی رابطہ پیدا کرنے کی ایک معقول اور قابل تحسین سبیل پیدا کی ہے جو اگرچہ ان کے خاص جماعتی نظام سے تو منسلک نہیں مگر اہل حدیث ہونے کے ناطے سے جماعت کے بھلے برے میں برابر کے شریک ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی یہ سوچ اُن کی نیک دلی مسلک سے ان کی محبت اُن کے ایثار اُن کی حسن زینت اور ان کی فطرت کی صالحیت کا ہی ایک واضح ثبوت اور ایک تابندہ پہلو ہے۔

وہ اگر یہ خط اپنی جماعت کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے لکھتے تو جماعت کے دخل سے خط کا بوجھ بہت بڑھ سکتا تھا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے طلب کردہ اس اجتماع کی افادی حیثیت سکڑ کر رہ جاتی اور اس کا آفاقی پہلو کمزور پڑ جاتا۔

خط کی مزید وضاحت

علامہ مرحوم نے اجلاس کے شروع میں اپنے خط کی مزید وضاحت کرتے خود بھی اپنی اس سوچ کا کھلے الفاظ میں اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ

"میں نے یہ خط اپنی جماعت کی طرف سے اس لیے نہیں لکھا ہے کہ جماعت کے وہ اہل علم حضرات بھی جن کو ہمارے خاص جماعتی نظام سے تو اختلاف ہے مگر وہ اہل حدیث کی حیثیت سے اپنے مسلک کی سچائی پر یقین رکھتے ہیں انہیں پوری جماعت اہل حدیث کی اس مشترکہ ضرورت کو حاصل کرنے کی مہم میں ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے میں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہو۔

علامہ صاحب نے مزید بتایا کہ میں نے یہ دعوت فی الحال صرف پنجاب کے علماء تک ہی محدود رکھی ہے اور ان میں سے بھی صرف ۲۰ حضرات کو ہی زحمت سفر دی ہے جن میں سے چند ایک کے سوا تقریباً سارے حضرات ہی تشریف لے آئے ہیں اور جو نہیں آسکے انہوں نے معقول وجوہ سے عذر خواہی کی ہے

تاہم یہ صرف ابتدائی قدم ہے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو جلد ہی اس پروگرام کو ملک گیر سطح تک وسیع کر دیا جائے گا۔

علامہ مرحوم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس مجلس کے لیے میں نے جن اہل علم کو دعوت نامے جاری کئے ہیں یہ صرف ایک تحریکی امر ہے ورنہ اہل علم کی یہ فہرست کوئی آخری فہرست نہیں ہے۔

آپ کے مشورہ سے ان سارے ہی اہل علم کو بلایا جاسکتا ہے جن کے متعلق آپ کو یقین ہو کہ وہ اس مجلس میں رائے دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں پس آپ جس شخص کو بھی اس مجلس میں شرکت کا اہل سمجھیں مجھے ان کا نام بتا دیں میں اگلی مجلس کے لیے ان کے نام دعوت نامے جاری کر دوں گا خواہ ان کا تعلق جماعت کے کسی بھی گروہ سے ہو کیونکہ درپیش مسائل پر غور و فکر جہاں میرا مسئلہ ہے وہاں یہ آپ کا اور ان سب کا مسئلہ بھی ہے۔"

اجتماع کا مقصد

اجتماع کے انعقاد کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے علامہؒ صاحب نے فرمایا کہ "ہمارے آج کے اس اجتماع کا مقصد آپ کو میرے دعوتی خط سے معلوم ہو چکا ہے۔

بات یہ ہے کہ انسانی زندگی کے اس ترقی یافتہ دور نے کچھ ایسے نئے نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں جن کا وجود پہلے نہیں تھا ان میں بعض ایسے مسائل بھی ہیں جو اگرچہ بہت دیر سے ہمارے معاشرہ کا حصہ ہیں مگر وہ انسانی زندگی میں پوری طرح دخیل نہیں تھے۔ مثلاً ہمارا یہ بنکنگ کا نظام ہے جو بہت دیر سے موجود ہے مگر ان سے تعلق زندگی کا ناگزیر پہلو نہیں تھا جبکہ آج یہ نظام پوری دنیا پر محیط ہو چکا ہے اور کاروبار میں بھی۔ بین الاقوامیت آ جانے کی وجہ سے بنکوں سے تعلق پیدا کئے بغیر کاروبار کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جبکہ بنکنگ کا پورا نظام سود پر استوار ہوا ہے اور سود کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے اب یہ بات سوچنے ہی والی ہے کہ کیا صورت پیدا ہو کہ ضرورت مند لوگ بنک سے استفادہ تو کریں مگر اس کے حرام سے بچ سکیں۔

ایسے ہی انشورنس کا نظام ہے جو زندگی کے بہت سے شعبوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور ان کی سالمیت کی ضمانت پیش کرتا ہے

اسی طرح بانڈ ہے بیمہ ہے اور کچھ عرصہ سے انسانی اعضاء کا کاروبار بھی چل نکلا ہے۔ انسانی اعضاء کی منتقلی خون کا انتقال اعضا کی پیوندکاری، آنکھوں کے عطیہ جات آپریشن کی بعض صورتیں اور بہت سے دوسرے مسائل و امور ہیں جن سے تعلق پیدا کئے بغیر اس دور میں زندگی کی گاڑی کی سمت صحیح نہیں رہتی ایسے میں لوگ پوچھتے ہیں اور ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں اور مجھے اپنے بیرون ملک دوروں کے دوران ایسے بہت سے مواقع درپیش آتے ہیں کہ تم جو کہتے ہو کہ اسلام ایک کامل و اکمل دین ہے اور ہر دور میں ہی انسانی زندگی میں پیش آنے والے سارے ہی مسائل کا بہترین حل پیش کرتا ہے تو بتاؤ ان جدید مسائل کے بارے

میں اسلام کا موقف کیا ہے ؟

اسلام کے نزدیک ان مسائل میں حرام و حلال جواز و عدم جواز کی حدود کیا ہیں ؟

علامہ صاحب نے مزید بیان کیا کہ مجھ سے ان مسائل کے بارے میں بیرون ملک بعض غیرمسلموں نے بھی گفتگو کی اور مسلمانوں سے بھی ایسے مواقع پیدا ہوئے اور میں نے اپنی صوابدید کے مطابق ان سب کو مطمئن کیا مگر یہ میرا ذاتی اجتہاد تھا میں اس کو اسلام یا اہل حدیث مسلک کا مسلمہ مؤقف قرار نہیں دے سکتا تھا۔

کچھ دوسرے اہل علم نے بھی ان مسائل کے بارے میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے اس کو اسلام کا مؤقف کہنا صحیح نہیں پس میری خواہش یہ ہے کہ پاکستان کے اہل حدیث علماء ایک جگہ جمع ہوکر اسلام کے ذخیرہ رشد و ہدایت میں ان مسائل کا حل تلاش کریں تاکہ ہم اس حل کو اسلام اور مسلک اہل حدیث کے موقف کے طور پر پورے اعتماد سے لوگوں کے سامنے پیش کریں اسلام جب ہر دور میں ہی انسانیت کا مذہب ہے اور ہم اس کے علمبردار ہیں تو ہمیں اسلام کی طرف سے دورِ حاضر کے اس چیلنج کو قبول کر لینا چاہیئے۔

علامہؒ کا پلان

علامہ مرحوم نے مزید فرمایا کہ "یہ امر موجب قلق ہے کہ دوسرے بہت سے اسلامی ممالک میں دینی مسائل میں ریسرچ کے سلسلہ میں باقاعدہ علمی اور تحقیقی مجالس قائم ہیں جن کی طرف وہاں کی حکومتیں تک رجوع کرتی ہیں مگر یہ ایک پاکستان ہی ہے جسے دین کے نام پر بنایا گیا تھا یہاں نہ حکومتی نہ غیر جماعتی کسی درجہ میں بھی ایسا کوئی اہتمام موجود نہیں ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہاں اس کام کو جماعت اہل حدیث اپنے ذمے لے اس باب میں میری تجویز یہ ہے کہ ہمارے اہل علم جمع ہوکر پہلے تو درپیش جدید مسائل کا استقصا کریں پھر ہر ہر مسئلہ پر بحث و تمحیص کا الگ الگ اہتمام کیا جائے"

میں نے اس غرض سے یہ طریق کار سوچا ہے کہ اس مہم کی تکمیل کے لیے اہل علم حضرات مناسب وقفے سے جمع ہوتے رہیں اور اپنی ہر نشست میں باری باری ایک ایک مسئلہ زیر بحث لائیں

(اس مرحلہ پر یہ بات طے پائی کہ دو نشستوں کا یہ درمیانی وقفہ ایک ماہ کا ہوگا)

علامہ صاحب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا تھا اب جب ایک اجتماع کے بعد دوسرے اجتماع تک کا وقفہ ایک ماہ طے پاگیا ہے تو میری سوچ کے مطابق اہل علم کو ہر ماہ ایک غور طلب مسئلہ سپرد کر دیا جائے اور وہ مہینہ بھر اس پر پوری تسلی سے محنت کریں اس کے تمام پہلوؤں پر غور کریں ایک ایک شق کو کتاب و سنت کے ترازو میں اتاریں اسے کتاب و سنت کی محک پر

پرکھیں اور اپنی تحقیق کی روشنی میں دلائل کی جمع و ترتیب کریں۔ پھر اپنی اس تحقیق کو اگلے اجلاس میں اپنے شریک مجلس ساتھی علماء کے سامنے پیش کریں جہاں مزید بحث طلب امور پھر زیر بحث آئیں گے۔

دلائل کے باہمی مبادلہ اور ان کے تقابلی جائزہ مخالف و موافق نظریات پر باہمی بحث و تمحیص کے نتیجہ میں شرکاء مجلس جس بات پر اتفاق رائے سے جمع ہو جائیں اسے کتاب و سنت کے مطابق اور اہل حدیث کے مؤقف کے بطور قبول کر لیا جائے اس طرح ہم ہر مہینے کم از کم ایک جدید مسئلہ کو پورے اعتماد و ایقان کے ساتھ مشرف بہ اسلام کر سکیں گے ہمارے فتاویٰ کی بنیاد پھر اسی مسلمہ مؤقف پر استوار ہو گی اور اس طرح ہمیں دور حاضر کی جدیدیت کا چیلنج قبول کرنے میں بھی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہ سکے گی انشاءاللہ۔"

انہوں نے مزید فرمایا کہ "بلاشبہ اس مہم کی تکمیل میں ہمارے علماء کو بہت زیادہ محنت کرنا ہو گی۔ اور اجتماعات کے باقاعدہ انتظام و انصرام پر بہت سے اخراجات بھی اٹھیں گے مگر میں سمجھتا ہوں یہ کوئی زیادہ مشکل امر نہیں ہے جہاں تک اس سلسلہ کے اخراجات کا تعلق ہے وہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں اور جہاں تک محنت کا تعلق ہے میں ہر مرحلہ پر آپ کے ساتھ شامل رہوں گا اور آپ کو اگر اپنے فرض کی تکمیل کے لیے کسی خاص کتاب کی ضرورت ہو گی تو میری لائبریری جو لاکھوں کتب پر مشتمل ہے سب کی سب آپ کے لیے حاضر ہے آپ جب چاہیں اس سے استفادہ کر سکتے ہیں"۔

علامہ مرحوم نے یہ پیشکش بھی کی کہ "آپ اگر برا محسوس نہ کریں۔ تو مجھے اجازت دیں کہ ان ماہ بماہ اجتماعات میں شرکت پر اٹھنے والے آپ کے تمام اخراجات بھی میرے ذمے ہونگے بلکہ اگر کوئی بزرگ یہاں کسی دوسرے صوبے سے بذریعہ ہوائی جہاز بھی تشریف لائیں گے تو ان کے فضائی سفر کے تمام اخراجات بھی میں ہی ادا کروں گا۔

(تاہم حضرت علامہ مرحوم کی یہ اخلاص بھری پیشکش ان کے انتہائی شکریہ کے ساتھ انہیں لوٹا دی گئی)۔

ایک لطیفہ

مجلس میں ایک مرحلہ پر حضرت علامہؒ نے یونہی برسبیل تذکرہ اہلحدیث علماء کا شکوہ کیا کہ میرا جو انٹرویو' قومی ڈائجسٹ میں شائع ہوا ہے اس نے پورے پاکستان کے اہل فکر کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی ہے اور حد یہ ہے کہ حنفی مکتب فکر کے چند علماء پر مشتمل ایک وفد میرے پاس آیا انہوں نے جہاں میرے خیالات کی تحسین کی وہاں اس خواہش کا اظہار بھی کیا

کہ ہمیں یہ انٹرویو اپنی جانب سے شائع کرکے تقسیم کرنے کی اجازت دی جائے مگر ہمارے اہلحدیث اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی اس بارے میں مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا اس پر ایک بزرگ نے یہ فرما کر علامہؒ کا قلق دور کر دیا کہ ہمارے اکثر علماء تو خود اپنے جماعتی ہفت روزے تک پڑھنے کی فرصت نہیں پاتے وہ قومی ڈائجسٹ میں آپ کا انٹرویو پڑھنے کہاں جا سکتے تھے اس پر ساری محفل کھلکھلا گئی۔

ٹھیک ایسے ہی جب حضرت علامہؒ نے کہا کہ ہر ماہ ایک جدید مسئلہ علماء کے سپرد کر دیا جائے گا تو اس پر انہیں بتایا گیا کہ ان جدید مسائل میں سے بہت سے مسائل تو ہمارے اکثر علماء کے علم میں بھی نہیں آئے اور وہ ان کے بارے میں سرے سے کچھ نہیں جانتے وہ ان کے بارے میں کیونکر رائے دے سکتے ہیں جب تک انہیں زیر غور مسئلہ کا تفصیلی تعارف حاصل نہیں ہوگا۔

اس مشکل کو حضرت علامہؒ نے یہ فرما کر حل کر دیا کہ یہ بات بھی میرے ذمے رہی۔ میں جب ہر ماہ اپنے اہل علم بزرگوں کو اگلے اجلاس میں زیر غور آنے والے مسئلہ کے بارے میں بذریعہ ڈاک اطلاع دوں گا تو ساتھ ہی مسئلہ کی تفصیلات، اس کے قابلِ توجہ اور بحث طلب پہلوؤں کی نشاندھی بھی کر دیا کروں گا

کمپیوٹر اس مرحلہ پر حاضرین حضرت علامہؒ مرحوم کی زبان سے یہ مژدہ جانفزا سن کر مسرت سے اچھل پڑے کہ انہوں نے ان اجتماعات کی تفصیلی بحثوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اردو زبان میں کام کرنے والا ایک کمپیوٹر بھی خرید لیا ہے جو دو کروڑ اردو الفاظ کو اپنے اندر جمع رکھ سکتا ہے اور حضرت علامہؒ نے مزید یہ فرما کر حاضرین کو کیف و سرور میں گم کر دیا کہ انہوں نے ۲۰ لاکھ روپے کی عظیم و خطیر رقم کی یہ مشین خود اپنے ذاتی روپے سے خریدی ہے اور اس رقم میں نہ کسی ادارے کا حصہ ہے نہ کسی حکومت کا مزید فرمایا کہ میں نے یہ رقم مسلک کی خدمت کے لیے صرف کی ہے

اور یہ مشین اب مسلک کی خدمت کے لیے ہی وقف رہے گی کمپیوٹر کی کارکردگی اور اس کی کار برآوری کی تفصیل بتاتے ہوئے حضرت علامہؒ نے بتایا کہ کمپیوٹر سے کام لینے کے لیے دو اصحاب علم و خبر کو با تنخواہ مامور کیا جائے گا جو کمپیوٹر میں محفوظ طویل بحثوں میں ان نکات کو الگ کریں گے جن کو مجلس نے اہل حدیث کے موقف کے بطور قبول کیا ہے۔

یہ نکات ایک دستاویز کی صورت میں یکجا کر کے ایک بار پھر علماء کی مجلس میں پیش کیے

جائیں گے اور اس بات کی تسلی کی جائے گی کہ آیا طے شدہ مؤقف کے باب میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں پھر علماء حضرات اس دستاویز پر اپنے تصدیقی دستخط ثبت کریں گے اس کے بعد حضرت علامہؒ اس دستاویز کو زیر بحث مسئلہ پر اہل حدیث کے قانونی مؤقف کی حیثیت سے شائع کر دیا کریں گے۔

حاضرین کا ردعمل

علامہ مرحوم کی اس ایمان افروز اور روح پرور بات کی تکمیل تک پورا ماحول ان کے اخلاص وایثار ان کے جذبہ خدمت مسلک اور ان کے عزم محکم کی مشام نواز اور کیف بار خوشبو سے معطر ومتکیف اور ایمان وایقان کی شعاع ہائے نور سے منور ہو چکا تھا۔ زبانیں ان کے لیے وقف دعا اور دل ان کے ایثار پر نثار تھے۔

حضرت علامہؒ کی سوچ اور ان کے عزم کی ہر طرف سے بھرپور تائید کی گئی اور پورے ایوان نے انتہائی گرمجوشی سے ان کی طرف سے چلائی جانے والی مہم میں ہم کے ہر رخ پر ہی دل کی گہرائیوں سے تعاون کا یقین دلایا۔

علامہ مرحوم نے حاضرین کو یہ اختیار دیا تھا کہ اگر کوئی صاحب ان کے پیش کردہ پلان میں کوئی مفید مطلب ترمیم پیش کر سکیں تو وہ ان کا خیر مقدم کریں گے مگر سب نے ان کے پلان کو علیٰ حالہٖ قائم رکھنا ہی پسند کیا۔

علامہؒ صاحب نے اس مرحلہ پر حاضرین کو بتایا کہ میرا زیر تعمیر دفتر بفضل تعالیٰ تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور امید ہے کہ ہمارا اگلا ماہانہ اجتماع وہیں منعقد ہوگا انشاءاللہ۔

علامہ کی سیرت کے بعض اُجلے نقوش

اس اجتماع کا اوّل بھی حسن تھا اور آخر بھی حُسن ہی تھا یہ محفل جتنی ساعتیں جمی رہی حسن ورنگ میں ہی کھوئی رہی۔

اصل مسئلہ بھی جاری تھا اور حضار مجلس علماء وحفاظ وقرأ کے سخنہائے دلپذیر کے جواہر پارے بھی بٹتے رہے حقائق ومعارف کے لولوئے لالہ بھی لٹائے جاتے رہے کتاب وسنت کے پھول بھی کھلتے رہے اور ریاض رسولؐ کے بلبل بھی چہکتے رہے۔

یہ محفل کیا تھی ایک دریائے نور تھا جو دلوں کی خشک کھیتوں کو سیراب کر رہا تھا عرش وفرش کی روایتوں اور گل وبلبل کی حکایتوں سے ماحول بے مقدار شگفتگی کا یوں عکاس تھا کہ اللہ اللہ۔

لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

اس مجلس میں علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم کی سیرت کے بعض ایسے روشن پہلو بھی سامنے آئے جو شاید اس تقریب کا ہی حصہ تھے اور جو اس کے بغیر کبھی سامنے نہ آتے اور مشیت ایزدی نے شاید اس غرض سے یہی وقت طے کر رکھا تھا مجلس کے اندر علامہؒ کی سیرت کا کوئی نظر افروز شگوفہ جب اچانک پھوٹ پڑتا تو مجلس کے حسن و رنگ کا نکھار مزید بڑھ جاتا اور محفل کی دلکشی میں اضافہ ہو جاتا۔

ذیل میں ہم ان کی سیرت کے چند ان حسین پہلوؤں کا ذکر کریں گے جو اس تقریب میں بغیر کسی تجسس اور تلاش کے سرراہ ہی اُچھل آتے

علامہ کا ذوق

جماعت کے اخبارات کا ذکر آیا تو بڑے قلق کا اظہار کیا کہنے لگے افسوس ہے کہ ہمارے جماعتی اخبارات میں ذوق کی تسکین کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ جماعت کے ہفت روزوں، اہل حدیث، الاعتصام اور الاسلام میں سے کس کی بات کروں ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کا مطالعہ پڑھنے والے کے شوق مطالعہ کو تحریک کرے۔ مجھے ان کے مطالعہ کی کبھی رغبت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے مطالعے سے قاری کو کوئی نئی چیز نہیں ملتی سطحی جمع و ترتیب بھرتی کے مضامین اور دوسروں سے نقل در نقل میں آخری کشش والی کونسی بات ہے۔ خود مرے اپنے ماہنامے "ترجمان الحدیث" کا بھی یہی حال ہے کتنے برسوں سے مجھے اس کے مطالعے میں بھی کوئی رغبت نہیں رہی ہے کیونکہ اس کا حال بھی ہمارے ہفت روزوں سے کچھ بھی مستغائر نہیں ہے اس میں میری اپنی کوتاہی کا بھی دخل ہے کہ میں بہت سے دوسری علمی مصروفیات کے سبب اس پر توجہ نہیں دے سکا۔ تاہم اب میں نے پختہ عزم کر لیا ہے کہ ترجمان الحدیث کو اپنی توجہ کا مرکز بناؤں اور کم از کم اسے ضرور ایک معیاری ماہنامہ کی سطح پر لے آؤں۔ اس مرحلہ پہ حضرت علامہؒ نے اس فقیر کی نگارشات کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

غیرت مندی

ایک مرحلہ پر خوشامد کا ذکر آیا تو اس مرد درویش کی گفتگو میں شاہوں کی جلالت در آئی۔ کہنے لگے میں نے اپنی پوری زندگی کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اگرچہ مجھے اپنی اس عادت کی وجہ سے بارہا نقصان بھی پہنچا مگر میری غیرت

نے خوشامد کی ذلت سے بدرجہا نقصان کو قبول کیا اور اس پر مجھے کبھی پشیمانی نہیں ہوئی۔

یہاں پاکستان کی حکومت نے میری کتاب "بریلویت" کو بلاجواز ہی ضبط کر رکھا ہے لیکن اگر حکومت کو اس بات کا انتظار ہے کہ اپنی کتاب کو آزاد کرانے کے لیے احسان الٰہی ظہیر درخواست پیش کرے تو اس کی یہ خواہش اس کی حسرت ہی بنی رہے گی

سعودی عرب میں میری کتاب "الشیعہ والسنۃ" پر پانچ سال تک پابندی عائد رہی ہے میں اگر چاہتا تو مملکت سعودیہ کے فرمانروا شاہ فہد کو صرف ایک خط لکھ کر اپنی کتاب کو آزاد کروا سکتا تھا میرے ان سے گہرے ذاتی مراسم بھی تھے مگر میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ انہیں اس بارے میں ایک خط بھی تحریر کروں۔

"بریلویت" پر اگر پاکستان میں پابندی ہے یا الشیعہ والسنۃ کو اگر حکومت سعودیہ نے ناپسند کیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے یہ دونوں کتابیں دوسرے اسلامی ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں طبع اور تقسیم ہو رہی ہیں۔

حکومتیں کتابوں پر تو پابندی عائد کر سکتی ہیں مگر ان کی مقبولیت پر پابندی عائد کرنا حکومتوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں اور بدستور ہوتے رہیں گے صرف ایک انڈونیشیا میں ہی الشیعہ والسنۃ کے پانچ ایڈیشن طبع اور تقسیم کے مرحلہ سے گزر چکے ہیں۔

مخالفین کی خوبیوں کا اعتراف

اپنے مخالفین سے انصاف روا رکھنا بڑا مشکل کام ہے مگر علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی سیرت کے اس تابدار رخ نے مجھے بہت متاثر کیا کہ وہ اپنے مخالفین کی خوبیوں کا کھلے دل سے اور برملا اعتراف کرنے میں اپنی کوئی سبکی محسوس نہیں کرتے تھے۔

یہ بات سب کو ہی معلوم ہے کہ جماعت اہل حدیث پاکستان کے دو بڑے دھڑے قائم ہیں ایک دھڑے کے قائد میاں فضل حق صاحب ہیں اور اس دھڑے کی امارت مولانا معین الدین صاحب لکھوی کے سپرد ہے۔

دوسرے دھڑے کے قائد علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ تھے اور امارت کا اعزاز مولانا محمد عبداللہ صاحب گوجرانوالہ کو حاصل ہے

پوری جماعت اور خود دونوں دھڑوں کے قائدین و امراء کی خواہش کے باوجود بھی ابھی تک

ان دونوں کے مل بیٹھنے کی کوئی صورت دریافت نہیں ہو سکی۔ اس مجلس میں ایک موقع پر کسی بزرگ نے علامہ مرحوم کو ان کی بے تکان کارکردگی اور کام میں بلا اندازہ لگن پر خراج تحسین پیش کیا تو فرمایا

"کہ یہ میرے رب کریم کا مجھ پر خصوصی احسان ہے اور میں اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا مگر میں نے یہ بے تکان اور لگن سے کام کرنا چار ایسے حضرات سے سیکھا ہے جن سے میری نفرت قائم ہے۔ ان میں سے ایک تو میاں فضل حق صاحب ہیں جو بقید حیات ہیں اور دو حضرات حاجی محمد اسحاق حنیف اور شیخ محمد اشرف فوت ہو چکے ہیں۔

علامہ نے بات ختم کی تو کسی نے سوال کیا چوتھے بزرگوار کون ہیں؟ کہنے لگے چھوڑیئے ان کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

انتہائی باخبر قائد

اہل سیاست کا اپنے گردوپیش کے ہر نوع کے حالات سے باخبر رہنا ان کی سیاست کی پہلی ضرورت ہے اور ہمارے ہاں ایسے سیاستدان تو بکثرت پائے جاتے ہیں جو اپنے حلقۂ سیاست میں اپنے گردو پیش اور اپنی ہیئت حاکمہ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں مگر ایسے لوگ ہمارے ہاں بہت کم ہیں جن کی آنکھ سیاست کے بین الاقوامی کھلاڑیوں کی خوفناک سازشوں ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں عالم اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ کارروائیوں کو بھی اپنے ماڈار علم وخبر کے آئینہ میں پوری ہوشمندی سے دیکھ رہی ہو۔ اور ہمارے یہ علامہ احسان الٰہی ظہیر آخر الذکر ارباب سیاست میں ہی داخل تھے۔

امریکہ روس۔ اسرائیل بھارت اپنے اپنے مفادات کے زیر اثر ایک دوسرے کے خلاف تصادم تک پر آمادہ رہنے کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جس طرح متحد ہیں اس عنوان سے علامہ مرحوم کو وسیع معلومات حاصل تھیں اور مشرق وسطیٰ میں کھیلا جانے والا سیاسی کھیل تو اپنے ہر رخ سے ان کی بساط سیاست پر ایک مہرے کی طرح جانا پہچانا تھا۔

مشرق وسطےٰ کے مسلمان ممالک کے سربراہوں کی سوچ اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں علامہ مرحوم کی رسائی کی حدود کا اندازہ کرنے کے لیے صرف یہ ایک واقعہ ہی کفالت کرتا ہے جو یونہی برسبیل تذکرہ ہی ان کی زبان پر اچھل آیا۔ عملی دنیا میں اہل حدیث کی مشکلات کا ذکر آیا تو کہنے لگے دور کی بات تو چھوڑیئے اہل حدیث کے مستقبل کو ہمارے قریب مشرق وسطےٰ کے اسلامی ممالک میں بھی جس درجہ بوجھل رکاوٹیں درپیش ہیں آپ یہاں بیٹھے ان کا اندازہ نہیں کر سکتے اہلحدیث

کا قصور یہ ہے کہ ان کا مسلک بے حد سادہ ، صاف ستھرا اور بآسانی فہم میں اتر جانے والا ہے بنا بریں جہاں بھی پہنچا ہے اسے قبول عام حاصل ہوا ہے اور اس کے اسی قبول عام نے اہل حدیث کو ان قوتوں کا بھی محسود بنا دیا ہے جن سے اہلحدیث بے حد محبت رکھتے ہیں ۔

چنانچہ مشرق وسطٰی کے ایک مسلمان فرمانروا نے اپنے دوسرے ہمعصر فرمانرواؤں کے نام ایک مکتوب میں انہیں سلفی المسلک مسلمانوں سے احتیاط کی تاکید کی ہے اور لکھا ہے کہ مشرق وسطٰی میں ان لوگوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کی وجہ سے آپ کو ان کے تپاکلے سے جو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے وہ کسی مخالف اسلام قوت کی جارحیت سے کہیں زیادہ ہے لیکن جہاں تک اپنے ملک کا تعلق ہے علامہ مرحوم ملک اور اس کے سربراہوں بڑے بڑے حکام اور وزراء کے رازہائے دروں پردہ سے اتنی گہری آگاہی رکھتے تھے کہ یہ لوگ اپنی کرتوتوں کا راز کھل جانے کے خوف سے علامہ مرحوم سے ہمیشہ آنکھیں جھکاتے تھے اور مونچھیں نیچی کر لیتے تھے ۔

حوصلہ مندی اور بردباری

اس اجتماع میں علامہ مرحوم کی حوصلہ مندی اور بردباری کو بھی ابتلا کا شکار ہو جانا پڑا مگر مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ پیش آمدہ حالات میں بالآخر علامہ مرحوم کی بردباری اور حوصلہ مندی کو ہی غلبہ حاصل رہا آج کی مجلس میں دو بزرگ آداب مجلس کے خلاف از اول تا آخر تقریباً لیٹے ہی رہے ان میں سے ایک بزرگ کا عذر تو ان کی علالت تھی اور ظاہر ہے یہ ایک معقول عذر تھا مگر دوسرے بزرگ علیل نہیں تھے بلکہ صرف خود کو جبیل سمجھنے کے رشتے لاپرواہی سے ہی لیٹے رہے جبکہ وہاں بہت سے لوگ ایسے تھے جو اپنے علم اور تقوٰی دونوں کے اعتبار سے ہی ان پر فائق تھے علامہ مرحوم کی نگاہ بار بار ان کی طرف اٹھتی رہی مگر وہ بار بار ہی اپنی نظر پھیر لیتے رہے ۔

کچھ دوسرے امور و مسائل

ایک مرحلہ پر اس فقیر نے مجلس میں بات اٹھائی کہ مسلک اہل حدیث کے خلاف مخالفین نے قلمی مہم جاری کر رکھی ہے انتہائی خطرناک ہے ہمیں بھی اس کے جواب میں بطور ایک مہم کے ہی کام کرنے کی ضرورت ہے جبکہ ہمارے محاذ پر اگر مکمل نہیں تو بڑی حد تک سکوت طاری ہے اور ہم نے جماعتی حیثیت سے اس عنوان سے کبھی غور نہیں کیا ۔

علامہ مرحوم نے اس ضرورت کی اہمیت پر کم و بیش دس منٹ تک تبصرہ کیا اور بتایا کہ ہمارے ہاں کی یہ کوتاہی اور غفلت کوئی تازہ حادثہ نہیں ہے بلکہ ہم گزشتہ اڑھائی تین صد سال سے اسی

اس کوتاہی اور غفلت کا شکار چلے آرہے ہیں جبکہ اس عرصہ میں مخالف مسلک اہل قلم نے ہمارے مسلک کے خلاف اپنی تخلیقات کا ایک بڑا انبار تاریخ کے سپرد کر دیا ہے۔

آپ نے اس عزم کا اظہار کیا کہ یقیناً یہ کام بھی ہمارے کرنے والے کاموں میں ایک فہرست کام ہے اور جماعت اس باب میں اپنا بہترین فرض ادا کرے گی ایک صاحب نے فرمایا اصل یہ ہے کہ ہمارے ہاں لکھنے والوں کی کوئی کمی نہیں اصل کمی وسائل کی ہے جس کی وجہ سے اہل حدیث حلقوں میں یہ مہم بار آور نہیں ہو سکی۔

علامہ مرحوم نے اس کا لب برداشتہ جواب دیا کہ وسائل کی کمی کوئی عذر نہیں ہے اگر کوئی ہمت کرے تو وسائل اللہ تعالیٰ خود پیدا کر دیتے ہیں اور میں نے اللہ تعالیٰ کی عنایت کا یہ رخ اپنے حق میں کھلی آنکھوں دیکھا ہے۔

علامہ مرحوم کی موعظت اثر سرگزشت

علامہؒ اس وقت بڑے خوشگوار موڈ میں تھے انہوں نے اپنی زندگی کے بعض دلچسپ لطیفہ اثر اور موعظت وعبرت سے بھرے واقعات اس مرحلہ پر سنائے، فرمانے لگے میں جب مسجد چینیانوالی میں نیا نیا خطیب مقرر ہوا تھا تو ضرورت پڑنے پر میں عربی زبان کو اپنی مادری زبان کی طرح ہی بولتا تھا۔

شیخ محمد اشرفؒ صاحب جو مسجد کے ناظم الامور تھے مجھے اکثر ہی کہتے کہ تم محض باتونی آدمی ہو اور عربی بول کر ہم پر اپنی عربی دانی کا رعب جماتے ہو کوئی عملی کام کرو جس سے دوسرے فائدہ اٹھا سکیں نری باتوں سے کیا ہوتا ہے۔

علامہ مرحوم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید بتایا کہ شیخؒ صاحب مجھ پر یہ لطیفہ بھی جھاڑا کرتے تھے کہ ہمارے محلے میں ایک مائی تھی بڑی لڑاکی تھی کوئی اس سے آنکھ نہ ملا سکتا تھا مگر وہ صرف محلے ہی میں شیر تھی جب کبھی اس کا کسی غیر سے ڈنگل پڑتا تو طرح دے کر نکل جاتی تھی۔

کہنے لگے کہ پھر یہ بھی ایک لطیفہ ہی ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد میں وہاں پہنچ گیا جس کی شیخ صاحب کو تمنا تھی اور شیخؒ صاحب وہاں پہنچ گئے جہاں وہ مائی کھڑی تھی میں نے جب تک قلم نہیں سنبھالا تھا شیخؒ صاحب میرے سر چڑھتے رہے مگر جونہی میں نے قلم ہاتھ میں لیا تو ایک کے بعد دوسری پھر تیسری چوتھی پانچویں چھٹی یعنی تصنیف کے بعد تصنیف چلی آنے لگی اب جو میں نے مڑ کر دیکھا تو شیخؒ صاحب کہیں موجود نہ تھے۔ میں نے انہیں نام لے کر آوازیں دیں مگر انہوں نے

کوئی جواب نہ دیا لیکن شیخ صاحب مرحوم کی اس بے اعتنائی سے میں نے کوئی اثر نہ لیا اور جب قدم اٹھ چکا تو وہ آگے ہی بڑھتا رہا پیچھے کو نہیں لوٹا۔

شیخ صاحب نے پیٹھ دی تو اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے وسائل کے صدہا دروازے کھول دیئے اور آج یہ حال ہے کہ جونہی میری کوئی کتاب طبع ہوکر نکلتی ہے تو ہاتھوں ہاتھ اٹھ جاتی ہے میری کتابوں کے بعض ایڈیشن صرف دس دس روز کے اندر ہی ختم ہو گئے جبکہ میری کسی کتاب کا کوئی ایڈیشن تیس ہزار سے کم کبھی شائع نہیں ہوا اور مانگ کا یہ حال ہے کہ مجھے بعض طلب کرنے والوں کو ہی اجازت دے دینا پڑی کہ تم اپنی طلب خود پوری کر لو۔

صرف اڑھائی روپے

اسی ذیل میں انہوں نے اپنی زندگی کا ایک اور واقعہ بھی سنایا جو بطیفے کا لطیفہ ہے اور موعظت کی موعظت اس میں علامہ مرحوم کی استقامت بھی پیدا ہے اور عبرت کے بہت سے پہلو بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے فرمایا۔ چینیانوالی مسجد میں خطابت کے ابتدائی زمانہ میں انتظامیہ نے مجھے مسجد کے لیے تحصیلِ زر کی اپیل کے لیے کہا اور میں جو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا تھا۔ میں نے بھرپور اور زوردار الفاظ میں لوگوں سے مالی تعاون کی اپیل کی اور آپ مانیں گے نہیں مگر واقعہ یہی ہے کہ میری اپیل کے جواب میں بھری مسجد سے صرف اڑھائی روپے کی رقم جمع ہو سکی۔ میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ رجائیت سے ہی وابستہ رکھا ہے اور امید کا دامن کبھی نہیں چھوڑا یہ واقعہ اگرچہ میری زندگی کا ایک حادثہ ہی تھا مگر میں اس سے دل شکستہ ہو کر نہیں بیٹھ گیا میں نے ہمت نہیں ہاری اپنی جدوجہد جاری رکھی دن رات کام کیا بھرپور محنت کی اور پھر ایک ایسا دن بھی آیا کہ جس مسجد میں مسجد کے نمازیوں نے میری اپیل کی اڑھائی روپے قیمت ڈالی تھی اسی مسجد میں انہی نمازیوں سے میں نے صرف ایک گھنٹہ بھر کی مختصر نشست میں ۱۹½ لاکھ روپے کی خطیر رقم جمع کر لی۔

لائبریری

باتوں ہی باتوں میں کچھ علماء حضرات نے اس تکلیف کا اظہار کیا کہ ہمارے ہاں ضروری کتب کا بے حد قحط ہے اور اکثر ہی بعض ضروری کتب کی عدم موجودگی کی وجہ سے ریسرچ تشنہ اور تخلیق ناتمام رہ جاتی ہے۔ علامہ مرحوم نے فرمایا کہ کتب کی فراہمی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میری لائبریری میں ہر قسم کے علوم و فنون کی لاکھوں کتابیں جمع ہیں اور میرا خیال ہے کہ میری معلومات کی حد تک اہل علم کی ذاتی لائبریریوں میں میری لائبریری

سے بڑھ کر کوئی لائبریری موجود نہیں ہے۔

آپ میں سے جس اہل علم کو اپنی تصنیفی مہم میں کسی بھی کتاب کی ضرورت پیش آئے آپ بلا جھجک تشریف لائیں اور اپنی ضرورت کی تکمیل تک استفادہ کریں میرا یقین ہے کہ یہاں آپ کو آپ کی ضرورت کے مطابق ہر کتاب مل سکے گی۔ انشاء اللہ۔

مزید فرمایا کہ ہمارے اگلے اجلاس تک میری لائبریری اپنی اس جگہ منتقل ہو چکی ہو گی اور آپ کے لیے کھول دی جائے گی آپ دیکھیں گے تو آپ یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ وہاں آپ کی ضرورت کی ہر کتاب مہیا ہے اور آپ کے شوق کا پورا سامان موجود ہے مگر آہ پھر وہ وقت موعود نہ آسکا۔

اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا ترا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

فرقے

فرمایا کہ دوسری کتابوں کی تو میں بات نہیں کرتا کہ میرے اس ذخیرۂ کتب سے بڑا ذخیرہ کسی اور کے پاس بھی موجود ہے یا نہیں مگر یہ ایک بات پوری حقیقت سے کہہ سکتا ہوں کہ فرقوں کے زیر عنوان میری لائبریری کے مقابلہ میں پوری دنیا کے اندر کوئی لائبریری موجود نہیں ہے مزید فرمایا کہ

مذاہب کی تاریخ میں جتنے بھی فرقے اب تک دریافت ہو سکے ہیں ان میں سے کوئی ایک فرقہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا پورا لٹریچر اول تا آخر میری لائبریری میں موجود نہ ہو۔

آپ نے حاضرین کو بتایا کہ فرقوں کے زیر عنوان میری لائبریری میں موجود کتابوں کی گنتی ایک لاکھ تک پہنچتی ہے اور آپ نے پیشکش کی کہ میری یہ دعوت عام ہے کہ فرقوں کے مسئلہ پر جو بھی عالم دین محقق یا سکالر کوئی تحقیق یا ریسرچ کرنا چاہیے وہ میری لائبریری سے ہر وقت استفادہ کر سکتا ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

محفل کے اندر ایک اور یادگار محفل

امیر جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے
پھر التفاتِ دل دوستاں رہے نہ رہے

اجلاس کا اختتام آئندہ کے لیے یہ اصول طے کرنے پر ہوا کہ علماء کا یہ ماہانہ اجتماع ہر انگریزی مہینے کی پہلی جمعرات کو منعقد ہوا کرے گا اس کے بعد احباب ایک دوسرے سے گھل مل کر باتیں کرنے لگے مگر واقعہ یہ ہے کہ امت کے علماء کی اپنی باتیں بھی ان کے پاس پوری امت کی امانت ہوتی ہیں اس لیے یہ باہمی دوستانہ باتیں بھی محفل کے اندر ایک اور حسین محفل کی تخلیق کا موجب بن گئیں اور علامہ مرحوم کے ایک مختصر سے کمرے کی بات اچانک ہی ملک گیر حیثیت اختیار کر گئی اور بقول ؎

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے

اور اس طرح یہ ضمنی محفل بھی اپنی اہمیت اپنی افادیت اور حسن و رنگ کے گوناگوں پہلوؤں کی وجہ سے ایسی ہزاروں محفلوں کے لیے وجہ رشک بن گئی۔

اب یہ بات تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم تھی کہ آج کی یہ مجلس علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی زندگی کی آخری اہم مجلس ہے اور اس مجلس میں تشکیل پانے والے خاکہ میں کبھی رنگ نہیں بھرا جا سکے گا۔

اور یہ بھید بھی پھر ۳۰ مارچ کو ہی کھل سکا (جس روز علامہؒ کی وفات کا حادثہ وقوع پذیر ہوا) کہ برسوں پر پھیلے ہوئے بے شمار مسائل چند گھڑیوں پر مشتمل اس مجلس میں جو یوں سمٹ سمٹ کر جمع ہو رہے تھے تو یہ کسی آسمانی دخل کا ہی نتیجہ تھا اور مشیت ایزدی حکم دبصر و فکر نظر عبرت اور موعظت کے وہ سارے ہی ذخیرے یکجا کر رہی تھی جن کو مستقبل کے لیے نشانِ منزل بنایا جا سکے اور آنے والے لوگ جن سے راہنمائی حاصل کریں۔

اللہ اکبر کیا سچ ہے کہ ؎

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا۔

جمہوریت کی بحث

اس ضمنی بحث کو جس بات نے زندگی کی حاصل زندگی ساعتوں میں سے ایک بہترین ساعت بنا دیا وہ مباحثہ کا ہم شکل ایک دلچسپ اور نہایت درجہ اہم ایک مذاکرہ تھا جو ملک کے اندر مغربی جمہوری نظام کو قبول کر لینے یا قبول نہ کرنے کے مسئلہ پر زینت محفل بنا۔

اس مذاکرہ کے لیے پہلے سے کوئی پلان تو طے نہیں تھا مگر جب بات چلی تو یہ گفتگو

کسی بڑی سے بڑی بامنصوبہ گفتگو پر کہیں فائق تھی۔ اس گفتگو کے فریقین میں ایک فریق تو خود حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم ہی تھے جو اس بات کے حق میں تھے کہ بحالات موجودہ ہمیں یہ نظام قبول کر لینا چاہیئے ان کے فریقِ ثانی جماعت اہل حدیث کے ہی ایک عظیم عالم دین اور مفتی حضرت مولانا حافظ عبدالسلام بھٹوی تھے جو گوجرانوالہ میں جماعت کی سب سے بڑی درس گاہ میں استاذ کے مرتبہ پر فائز ہیں

مولانا کے نزدیک یہ نظام کسی درجہ میں اور کسی حال میں بھی قبول کرنے کے لائق نہیں ہے اور اسلام کے مزاج میں اس کے لیے کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔

اس فکری و نظری گفتگو کی حدود بھی فریقین گفتگو کے فکر و نظر کی طرح ہی نہایت وسیع اور آفاقیت کے حامل تھے اس مذاکرہ کا حقیقی لطف تو صرف وہی حضرات حاصل کر سکے جنہوں نے اس مذاکرہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سنا تاہم دوسروں کے لیے بھی میری کوشش یہی ہوگی کہ فریقین مذاکرہ کے اسلوب بحث اندازِ گفتگو دلائل کے مبادلِ گفتگو کے نشیب و فراز اور فریقین بحث کے مزاجوں کا اتار چڑھاؤ اپنی حد تک کسی کوتاہی کی نذر نہ ہونے دوں۔

جمہوری نظام کی بحث میں کشش اس لیے زیادہ بڑھ گئی کہ مسلمانوں کے اندر اب تک جمہوری نظام کو پذیرائی بخشنے کے لیے کبھی کوئی گرمجوشی نہیں پائی گئی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے مغرب کے جمہوری نظام کا تجزیہ بڑی خوبصورت تعریض کے ساتھ یوں کر رکھا ہے ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اور اس طرزِ حکومت کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم کی اپنی رائے یہ ہے ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلامے پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

مگر علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ نے جب نظریہ ضرورت کے ماتحت اس نظام کو اپنا لیا تو اس کا سخت ردعمل سامنے آیا اور اہل حدیث کے بہت سے حلقوں میں علامہ مرحوم کی اس سوچ پر سخت نکتہ چینی کی گئی آج کی اس محفل میں بھی علامہ مرحوم اپنے اس مؤقف کی وضاحت کر رہے تھے اور یہاں بھی انہیں اسی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

جبکہ علامہ مرحومؒ نے ایک راہ تجویز کر لی تھی اور انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ

دوسرے لوگ ان کے موقف کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ کی ایک موثر اور نہایت درجہ کار فرما شخصیت کے زیر اثر ان کی حمایت میں بھی ایک مضبوط حلقہ پیدا ہو چکا تھا اور بلاشبہ وہ اپنے مؤقف کی حمایت میں دلائل کا ایک انبار بھی اپنے دامانِ فکر میں موجود رکھتے تھے۔

علامہ مرحوم نے ملک کے اندر مستقبل قریب میں منعقد ہونے والے عام انتخابات میں بھرپور حصہ لینے کی بات اٹھائی اور اپنے موقف کے حق میں دلائل پیش کرنے لگے تاکہ وہ مجلس کے اندر موجود علماء کو اپنی سوچ کے ساتھ ہموار کر سکیں اور انہیں آنے والے انتخابات میں بھرپور حصہ لینے پر آمادہ کریں علامہ مرحوم نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں اپنی ملی اور مسلکی ضرورت سے ان انتخابات میں حصہ لینا چاہیئے اور اگر ہم انتخابات کو محض اس لیے مسترد کر دیں گے کہ ان کا انعقاد مغربی جمہوری طریقہ کے مطابق ہو رہا ہے تو ہم خود بھی ملک کے اندر مسترد ہو کر رہ جائیں گے۔ علامہ نے کہا کہ ہمیں ملک کے اندر زندہ رہنا ہے اور ہمیں اپنی زندگی کے لیے اسی راستہ کو اختیار کرنا چاہیئے جسے آج کے ماحول میں زندہ رکھنے کے لیے تجویز کیا گیا ہے اور جس کے بغیر کسی آبرومندانہ زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ مرحوم کی تقریر اپنے معمول کے مطابق اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی کہ مولانا بھٹوی مدظلہ نے مداخلت کی اور فرمایا۔

اس جمہوری نظام کا جسے آپ نے اختیار کر لیا ہے اور جسے آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی اختیار کر لیں اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کوئی رابطہ نہیں ہے اس مغربی جمہوری نظام کے ہاں حق کا معیار صرف اکثریت ہے اور حق وہی ہے جسے اکثریت نے اختیار کر لیا ہو جبکہ اسلام کے نزدیک حق کا معیار صرف حق ہی ہے اکثریت یا اقلیت کی یہاں کوئی بحث نہیں ہے جمہوری نظام کے ماتحت اکثریت خواہ کیسی بھی ہو ظالم ہو فاسق ہو بے انصاف ہو برسر حق ہی سمجھی جاتی ہے اور اقلیت خواہ فرشتگانِ مقربین پر بھی مشتمل ہو اسے ناحق قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔

اس لیے ہم ایک ایسے نظام کو کیونکر قبول کر سکتے ہیں جو ہمیں اسلام سے دور لے جاتا ہے اور جس کا قولاً یا فعلاً کسی اعتبار سے بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جنگ مغلوبہ

علامہ مرحوم نے لوٹ کر ایک بار اپنے موقف کی پھر وضاحت کی اور مولانا سے مخاطب ہو کر کہا کہ مولانا! مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میری بات کو سنے بغیر ہی بات شروع کر دی آپ اگر میری بات کو توجہ سے سن لیتے تو میری بات آپ کی فہم سے بالا نہیں تھی اس کے جواب میں مولانا بھٹوی نے بھی اپنے موقف کی مزید وضاحت کی اور فرمایا علامہؒ صاحب! اگر ہم نے اس جمہوری نظام کو قبول کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اپنی پوری رضامندی سے ملک بھر کے فساق و فجار کو اپنی گردنوں پر سوار کر لینے پر آمادہ ہیں اور اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم ان لوگوں کے اعمالِ بد کی ذمہ داری سے کیونکر بچ سکیں گے اور کس منہ سے ان کو ان کے اعمال شنیعہ سے باز رکھنے کی جسارت کریں گے جبکہ ہم ان کے اطوارِ بد کے بارے میں پہلے ہی سب کچھ جانتے تھے۔ پھر اس کے بعد دو علاموں کے درمیان دلائل کی جنگ مغلوبہ جاری ہو گئی اور دلائل دلائل سے یوں گتھم گتھا ہو گئے کہ مجھے پنجابی کا بڑا ہی حسبِ حال شعر یاد آگیا آپ بھی سنئے اور لطف اٹھائیے ؎

اوہ جھٹ پٹے دووِیں سورمے کون جتے ہارے

اوہ مارن مرط ودان وانگ ہو پیّاں بھارے

اس بحث کا سب سے دلچسپ پہلو حضرت علامہ مرحوم اور حضرت مولانا بھٹوی کی عمروں اور مزاجوں کا تفاوت تھا جبکہ ایک طرف دلائل پر جوانی کے گہرے سائے پڑ رہے تھے اور دوسری طرف دلائل کی اٹھان میں بڑھاپے کے اثرات نمایاں تھے۔

علامہ اور مولانا

حضرت مولانا بھٹوی ملک کی ایک عظیم علمی درسگاہ کے استاذ تھے اور حضرت علامہ مرحوم ایک عظیم ملک کی ایک عظیم جماعت کے عظیم قائد اور عظیم لیڈر تھے اور دونوں کی گفتگو میں گفتگو کے اسلوب میں وہ فرق نمایاں تھا جو ایک استاذ اور ایک لیڈر کی گفتگو کے اسلوب میں ہو سکتا ہے۔ یہ ایک بڑی ہی بہار آفریں محفل تھی جس سے حاضرین میں سے ہر شخص فریقین بحث کی گفتگو کے ہر رخ سے ہی لطف اٹھا رہا تھا۔

اس مجلس میں موجود سارے ہی اہل علم حضرات ان آداب سے بہرہ ور اور ان صلاحیتوں سے مالامال تھے جو اس بحث میں شریک ہونے کے لیے شرطِ اول ہیں مگر آج ان سب لوگوں نے کچھ کہنے کی بجائے سننے اور لطف پانے کا ہی فیصلہ کر لیا تھا اور یہ سب لوگ علامہ مرحوم کی

باری پر ان کے خطاب سے لذت یاب ہوتے اور مولانا کی باری پر ان سے حظ اٹھاتے تھے۔
حضرت علامہ کی گفتگو میں شوکت کے وہ تمام پہلو موجود تھے جو ان کی تقریر کا خاصہ ہیں اور حضرت مولانا اس مجلس کے اندر بھی مدرسہ کے ماحول کو ترک نہ کر سکے تھے۔ تلی بات کرتے اور اپنی بات کو جلد ختم کر دیتے جبکہ علامہ مرحوم کی بات ہر بار ہی خطاب کی سرحدوں کو چھونے لگتی تھی۔

علامہ گرجتے تو اہل مجلس کا شوق سماعت بھی اچھل پھلانگ کر ان کی سطح تک جا پہنچتا اور مولانا چٹکی لیتے تو حاضرین بھی نیچے کی منزل پر آ کر ان کی چٹکی سے لطف پاتے۔
کوئی لطف سا لطف تھا ایسے اجتماعات کبھی قسمت سے ہی نصیب ہوتے ہیں جن میں گزرنے والے ہر لمحے پر یہ شعر صادق آتا ہے کہ ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

پرانی یاد

صورت حال کے اس نظارہ سے میرا تخیل مجھے پچاس برس پہلے کے متحدہ ہندوستان میں لے گیا جہاں گوناگوں کا یہ لطیفہ اثر منظر میری آنکھیں ایک بار پہلے بھی دیکھ چکی تھیں۔

یہاں تو بحث کے فریقین مدرس اور لیڈر تھے مگر وہاں یہ ذنگل ایڈیٹر اور لیڈر کے درمیان پڑ گیا تھا مسجد شہید گنج لاہور کے انہدام کے حادثہ فاجعہ کے کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے مجلس احرار اسلام نے اپنی دفاعی مہم کو مستحکم رکھنے کے لیے "احرار" کے نام سے اپنا روزنامہ جاری کر رکھا تھا۔ اور مولانا مظہر علی اظہر صاحب اس کے افتتاحیے لکھا کرتے تھے۔ مولانا مظہر علی اظہر جہاں ایک قادر الکلام مقرر اور چوٹی کے لیڈر تھے وہاں لکھنے والوں میں بھی ان کا مقام بہت اونچا تھا ایک روز مولانا غلام رسول مہر نے اپنے روزنامہ "انقلاب" میں احرار کے خلاف ایک شذرہ تحریر کر دیا اور مولانا مظہر علی ان پر جھپٹ پڑے یہ تو ظاہر ہی ہے کہ شذرات ایڈیٹر کے ذیلی ضمنی تبصروں میں ہی محسوب ہوتے ہیں اور اپنی اہمیت کے اعتبار سے ان کا درجہ اداریہ کے بعد ہی ہے مگر لیڈر نے ایڈیٹر شذرہ کے جواب میں خطاب کے اسلوب میں اور خطاب کی ہی سطح پر اپنے جہازی سائز اخبار کے پورے صفحہ پر پھیلے ہوئے دو دو کالمی مضبوط افتتاحیے لگا تار تین روز تک لکھے چوتھے روز تک لکھے چوتھے روز مولانا مہر نے ایک پانچ چھ سطری شذرہ پھر لکھا

دیا اور مولانا مظہر علی پھر افتتاحیہ پر افتتاحیہ تصنیف کرنے لگے۔
یہ چکر کتنے ہی روز تک اہل ملک کی تفریح کا سامان بنا رہا۔ مولانا ظفر آہستہ سے ایک جلیبی چھوڑ دیتے اور مولانا اظہر کئی روز تک آتش بازی کرتے رہتے
مولانا چراغ حسن حسرت ان دنوں سندباد جہازی کے نام سے روزنامہ " احسان " میں " فکاہیات " کے زیر عنوان فکاہی کالم لکھا کرتے تھے انہوں نے اپنے کالم میں اس صورت حال پر خوب چسکا لیا اور لیڈر اور ایڈیٹر کے باہمی فاصلوں کی اس خوبی سے پیمائش کی اور اس باب میں اتنے چٹخارے بھرے کہ ان کا یہ کالم کتنے ہی روز تک اہل ذوق کی محفلوں میں تفریح طبع کا سامان بنا رہا۔
انہوں نے لکھا کہ لیڈر ہر جگہ ہی لیڈر ہے خواہ وہ جلسہ کی سٹیج پر ہو یا ادارت کی کرسی پر اور ایڈیٹر بہر حال ایڈیٹر ہے خواہ وہ اپنے دفتر میں ہو یا آپ اسے سٹیج پر گھسیٹ لائیں وہ تقریر بھی کرے گا تو شذرہ کی زبان میں ہی اور لیڈر شذرہ بھی لکھے گا تو خطاب کی سطح پر ہی - یہی صورت حال یہاں پیدا ہوئی تھی حضرت بھٹوی آہستہ سے ایک چٹکی لے لیتے اور علامہ مرحوم اپنی سطح پر رواں دواں تھے

دم مست قلندر دھر رگڑا

یہ پر کیف اور بہار آفرین منظر وقت کی کمی کے سبب زیادہ دیر تک تو قائم نہ رہ سکا مگر جب تک بھی رہا اہل مجلس کی شگفتگی گلزاروں کے لیے وجہ رشک بنی رہی

دلچسپ نوک جھونک

علامہ مرحوم اپنی خطابت کے تمام تر آداب کے ساتھ فرما رہے تھے کہ اگر ہم نے اس موجودہ انتخابی نظام کی راہ میں حکومت پر قبضہ کرنے کی بنیاد نہ رکھ دی تو ہم سخت بے شعور اور احمق ثابت ہوں گے اور ہماری یہ روش ہماری مکمل بدنصیبی پر منتج ہو گی
انہوں نے مزید فرمایا کہ پاکستان کی قسمت انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہو گی جو اس مغربی نظام انتخاب کے ذریعے منتخب ہو کر اسمبلیوں اور دوسرے قانون ساز اداروں پر قابض ہو جائیں گے اور ملک میں پھر وہی آئین نافذ ہو گا جسے یہ لوگ نافذ کرنا چاہیں گے
اور اگر ہم یہاں پاکستان میں اسلام کا آئین نافذ کرنا چاہتے ہیں تو یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ہم ملک کے قانون ساز اداروں میں پہنچیں کیونکہ اب یہاں اسلام باہر رہ کر نافذ نہیں ہو گا

بلکہ ان اداروں کے ذریعے اندر کی راہ سے نافذ ہوگا
آپ لوگ تو تحریک نفاذِ اسلام کے علمبردار ہیں اگر اس مرحلہ پہ اپنی غلط سوچ پر بضد ہے تو پھر یہ قانونی ادارے بہر حال اپنی گنتی پوری کریں گے اور جتنے جتنے ارکان جس جس ادارہ سے خاص کیے گئے ہیں وہ بہر حال وہاں پہنچیں گے اور پھر اسلام والی کوئی بات آپ یہاں نہیں دیکھ سکیں گے پھر آپ ملک کے اندر وہی کچھ دیکھیں گے جو قانون ساز اداروں پر قبضہ کر چکنے والے لوگوں کی مرضی ہوگی۔

یقین کیجیے آپ محض جذبات سے کھیل رہے ہیں اور حقائق کو مکمل طور پر نظر انداز کر رہے ہیں پس یاد رکھیئے کہ آپ اپنے جذبات کے ذریعے اس سیاسی عمل کو تو جو ان جمہوری اداروں کی راہ سے آگے بڑھ رہا ہے کسی طرح بھی روک نہیں سکیں گے مگر آپ کی گاڑی ضرور پٹری سے اتر جائے گی

پس اگر آپ نے نوشتۂ دیوار نہ پڑھا اور اپنی ضد پہ قائم رہے اور اس نظام کو ٹھوک دیا جس پر پاکستان کے مستقبل کی بنیاد استوار ہوگی تو میری یہ بات پلے باندھ لیجیے اور میں پھر اپنی بات کو دہراتا ہوں کہ آپ اپنی ضد سے جمہوریت کی راہ ہرگز نہیں روک سکیں گے مگر آپ کی کوتاہ اندیشی سے اس اسلام اور قرآن پر اس ملک کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے جسے آپ اس ملک میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

خوب ہی یاد رکھ لیجیئے کہ اس ملک کے اندر اسلام اور قرآن کے نفاذ کا ذریعہ آج صرف یہی اسمبلیاں اور یہی قانونی ادارے ہیں اور جب تک ہم موجودہ غیر اسلامی صورت حال سے دوچار رہنے کے لیے مجبور ہیں آگے بڑھنے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔ اگر آپ نے اس راستہ کو اختیار نہ کیا تو زندگی کی آبرومندیاں آپ سے ٹھیک ایسے ہی منہ پھیر لیں گی جس طرح آپ آج کی سیاست سے منہ پھیر رہے ہیں۔

مولانا بھٹوی صاحب نے اس مرحلہ پر پھر مداخلت کی اور ایک آیۂ قرآنی سے علامہ مرحوم کے سلسلۂ گفتگو کو معطل کر دیا۔

علامہؒ مولانا کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا اس آیۂ مبارکہ سے آگے پڑھیئے مولانا نے اگلا حصہ بھی پڑھ دیا علامہ نے کہا اور آگے پڑھیئے۔ مولانا بھی بفضلِ خدا حافظ قرآن تھے انہوں نے اگلی آیت بھی تلاوت کر دی۔

علامہ مرحوم نے مزید زور دے کر کہا اور آگے پڑھیئے انہوں نے اگلی آیت بھی پڑھ دی۔ علامہ نے فرمایا اور آگے۔

اس پر مولانا نے بے ساختہ کہا آگے تو پورا قرآن پڑا ہے کہاں تک پڑھتا جاؤں؟
اور مولانا کے اس بے ساختہ معصوم جواب پر محفل کشت زعفران بن گئی حضرت علامہؒ نے اپنی بات جاری رکھی اور فرمایا اگر آپ یہاں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو میری بات ماننا ہو گی اور یہاں پہنچ کر علامہ مرحوم کی بات میں کافی زور کے علاوہ کافی بلندی بھی آگئی علامہ کہہ رہے تھے۔

اگر آپ نے وقت کی رفتار کو نہ پہچانا اور وقت کے مطالبہ پر کان نہ رکھا تو وقت آگے نکل جائے گا آپ کا انتظار نہیں کرے گا اور ایسی صورت میں آپ یہاں اچھوت بن کر رہ جائیں گے اور ان الفاظ کے ساتھ علامہ مرحوم کی آواز میں زیادہ شدت آگئی اور ان کے اسلوب بیان کی رعایت کے مطابق ان کی یہ گفتگو گونج گرج کے سانچے میں ڈھلنے لگی
مولانا بھٹوی نے با آہستگی کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری پیش کردہ آیہ قرآنی کے جواب میں اسی سطح کی کوئی دلیل پیش کرنے کے بجائے آپ مجھے اپنی آواز کے دھماکوں سے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں
اور مجلس ایک بار پھر خوبصورت قہقہوں میں ڈوب گئی علامہ مرحوم نے مولانا کو مخاطب کر کے فرمایا۔

مولانا! یہ بدقسمتی ہے کہ میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی مگر دوسرے لوگ میری یہ بات سنتے بھی ہیں سمجھتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں۔
مولانا نے پھر ایک چٹکی لی کہ لوگ آپ کی صلاحیتوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی صلاحیتوں سے مجھے بھی انکار نہیں ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ جس امر کی تلقین کرتے ہیں وہ بھی عین حق ہی ہے اور مجھے اب بھی اس بات پر اصرار ہے کہ آپ جس جمہوری نظام کو قبول کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں یہ بہر حال اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ کہنا چاہیئے کہ اسلام کی راہ اور ہے اور اس جمہوری نظام کا راستہ دوسرا ہے۔

علامہ مرحوم نے مولانا کے جواب میں اپنے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے

بیان کیا تو آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ جس قانون کے تحت یہ انتخابات ہو رہے ہیں یا ہوں گے یہ اسلام اور قرآن کا قانون نہیں ہے مگر یہاں سوال اس قانون کے تحت بننے والی اسمبلیوں کا نہیں بلکہ ان لوگوں کے گرد گھومتا ہے جو اس قانون کے تحت منتخب ہو کر آئیں گے اور میرا کہنا یہ ہے کہ اگر آپ نے ان لوگوں کو وہاں تک پہنچ جانے کا کھلا موقع دے دیا جس کی نہ سوچ اسلامی ہے نہ ان کو اسلام کے نظام حیات سے ہی کوئی دلچسپی ہے نہ وہ اسلام اور قرآن کے نفاذ کو اپنی زندگی کے لیل و نہار سے ہی مطابق پاتے ہیں اور نہ وہ قوانین اسلام کو اپنی زندگی کا معیار بنانا ہی پسند کرتے ہیں تو آپ ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کریں گے جس کی تلافی پھر آپ سے کبھی نہیں ہو سکے گی اور پھر آپ کو ملک کے اندر انہی کی پسند کو پسند کرنا ہو گا۔

لیکن اگر آپ نے اپنے علم کے ساتھ ساتھ اپنی عقل کا مشورہ بھی حاصل کیا اور حالات کا ہر وقت اندازہ کر لیا تو امید کی جا سکتی ہے کہ آپ اپنی اس منزل کو پا سکیں جس پر پہنچنے کے لیے آپ دن رات بے چین ہیں۔

آپ اگر لادین عناصر کے ہاتھ سے بازی چھین لینا چاہتے ہیں تو کچھ عرصہ کے لیے اپنے سینہ پر جمہوریت کے پتھر کو گوارا کر لیجئے کہ اس وقت آپ کے لیے بہترین مشورہ یہی ہے

مزید فرمایا آپ یقین کر لیجئے کہ میں نے خوب سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔

مولانا بھٹوی صاحب نے بات کو رد کرتے ہوئے ایک بڑا ہی خوبصورت جملہ کہا کہ "علامہ صاحب! سوال آپ کے فیصلہ کا نہیں بلکہ سوال قرآن وسنت کے فیصلے کا ہے"۔

اور مولانا کے اس جملہ پر حاضرین کے ساتھ ساتھ خود علامہ مرحوم بھی بہت محظوظ ہوئے۔

علامہ مرحوم کی تقریر جاری تھی وہ فرما رہے تھے۔

مولانا! اگر آپ اپنی عقل کو بھی اپنے علم کے ساتھ رفاقت کی اجازت دے سکیں تو بات بآسانی آپ کی سمجھ میں آسکتی ہے مگر افسوس ہے کہ آپ نے سارا بوجھ اپنے علم پر ہی ڈال رکھا ہے عقل سے بالکل استفادہ نہیں کرتے

علامہ مرحوم کہنے کو تو یہ بات کہہ گئے مگر انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ ان سے تجاوز ہوا ہے وہ میزبان ہیں اور مولانا مہمان -

پس علامہ مرحوم نے اپنی بات کا رخ بدل دیا اب ان کے لہجہ میں ملال کا عنصر بھی

شامل تھا اور عذر خواہی بھی۔ علامہ مرحوم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

مولانا! آپ نہیں جانتے کہ آپ کی جمعیت حکومتِ پاکستان کے لیے کسی حد تک مسئلہ بن چکی ہے یہاں بڑی بڑی صاحب ادعا جماعتیں موجود ہیں مگر حکومت نے ان کی کبھی پرواہ نہیں کی جبکہ جمعیت اہل حدیث کے ٹمپریچر کا اندازہ کرتے رہنے سے حکومت کبھی غافل نہیں رہی اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی قوی سبب ہی ہے۔ آپ کی جماعت سے حکومت خائف بھی ہے اور مرعوب بھی اس کی وجہ صرف آپ کی کارگزاری اور آپ کی سوچ کا نکھرا ہوا صاف ستھرا اور مثبت رخ ہے اور آپ کے عزائم کا شکوہ مزاجوں کا استقلال فیصلوں میں استحکام اور ان کی جلالت قدر ہے۔

وزیراعظم جونیجو

اس مرحلہ پر پہنچ کر علامہ مرحوم نے بتایا کہ یہ آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ کا ہی اثر ہے کہ حکومت کے لیے کسی اقدام سے قبل آپ کے مزاج کا اندازہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے انہوں نے بتایا کہ گزشتہ شب وزیراعظم جونیجو لاہور آئے اور ان کی آمد کا جو مقصد ظاہر کیا گیا وہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ملاقات تھی مگر مولانا سے ملاقات کرنے سے قبل رات کے بارہ بجے وہ یہاں میری قیام گاہ پر پہنچے تھے اور نصف گھنٹہ تک حالاتِ حاضرہ پر مجھ سے تبادلہ خیالات کرتے رہے اب یہ تو ظاہر ہے کہ مجھے نہ ان سے کوئی دوستانہ مراسم تھے نہ کوئی رشتہ داری ان سے قائم تھی وہ مجھے محض اس لیے ملنے آئے تھے کہ میں ملک کی ایک مضبوط اور مستحکم جماعت کا ناظم اعلیٰ ہوں اور وہ اس جماعت کی فعالیت سے آگاہ تھے۔

حکومت جانتی ہے کہ یہ لوگ جرأت مندی سے فیصلے کرتے ہیں پھر ان پر قائم رہتے ہیں اور اپنے فیصلوں پر عمل کرتے ہیں جمعیت اہل حدیث کو اس وقت ملک کے اندر جو پوزیشن حاصل ہے اسے اپوزیشن والے بھی جانتے ہیں اور حکومت بھی اس سے آگاہ ہے اور ان حالات میں جب آپ کے پاس ایک میدان موجود ہے تو ہمیں یہاں اسلام کو نافذ کر سکنے کے کسی ذریعہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور آج یہ جمہوری نظام بھی ان ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے ہمیں اپنی سوچ کی راہیں نئے حالات میں نئی بنیادوں پر متعین کرنے کی مجبوری قبول کر لینی چاہیئے اور ہم اس دور کو عبوری دَور قرار دے کر اس دور سے منزل پر پہنچنے کے ذریعے کو اگر کسی عارضی عرصہ کے لیے حاصل کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے

اور اگر یہ جمہوریت کسی لادینی اور الحاد سے ہی عبارت ہے تو بھی ہمیں جمہوریت کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کو اپنی مرضی کے تابع بنا لینے کی سعی کرنی چاہیئے لیکن اگر ہماری غفلت سے اس گھوڑے پر دوسرے لوگ سوار ہوں گے اور وہ اپنے اس گھوڑے کی ٹاپوں سے ہمیں کچل کر رکھ دیں گے اور میں اپنی اسی سوچ پر اس لیے زور دیتا ہوں کہ پاکستان میں اس راہ کو اختیار کئے بغیر کامیاب زندگی گزارنے کی کوئی دوسری متبادل راہ موجود ہی نہیں ہے اگر آپ نے یہ موقع کھو دیا تو پھر سوائے پشیمانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آخری نکتۂ بحث

وقت بہت گزر چکا تھا اور رشر کا مجلس میں سے بعض احباب کا سفر بھی دور کا تھا اس لیے اب بحث کو سمیٹنے کی مجبوری تھی بنا بریں مولانا بھٹوی صاحب کا یہ نکتۂ بحث آخری نکتہ بحث ہی تھا جب مولانا نے سوال اٹھایا کہ۔

" فرض کیجیئے آپ اس نظام کو نظریہ ضرورت کے تحت اختیار کر لیتے ہیں اور ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ آپ اپنی ہمت سے قانون ساز اداروں کے لیے اپنے پانچ دس ارکان بھی منتخب کرا لیتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ آپ کے یہ پانچ یا دس ارکان تین چار سو اراکین پر مشتمل مخالف مسلک ارکان کے ایوان میں آپ کے لیے کیونکر کوئی اچھی خبر پیدا کر سکتے ہیں جبکہ اس نظام کے تحت ؎

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔

علامہ مرحوم کا جواب

علامہ مرحوم نے حضرت بھٹوی کے نکتہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا، اول تو ہمارے اراکین کی تعداد اتنی قلیل نہیں ہوگی کہ وہ ایوان میں کسی غریب الوطن کی حیثیت سے پہچانے جائیں لیکن اگر ہماری تعداد ایوان کے اندر قلیل بھی ہوئی تب بھی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ اقلیت ایوان کی کسی بڑی سے بڑی طاقتور اکثریت کو اپنی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی چلنے نہیں دے گی ان شاء اللہ آپ صرف وہاں پہنچنے کی کوشش کیجیئے آپ دیکھیں گے کہ خود حکومت بھی اپنے تمام تر شکوہ کے باوجود آپ کو کسی مرحلہ پر نظر انداز نہیں کر سکے گی آپ بلاشبہ اقلیت میں ہوں گے۔ لیکن اکثریت ہمیشہ آپ کی محتاج رہے گی اور آپ کو پوچھ کر چلنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور پائے گی۔
یہ ٹھیک ہے کہ آپ وہاں اقلیت میں ہوں گے مگر آپ کی یہ اقلیت پورے ملک کے

قانون ساز اداروں میں اوپر سے لے کر نیچے تک ہر جگہ ہی حاکم ہوگی اور حاکم کی حیثیت سے ہی اپنی مرضی چلائے گی۔

آپ وہاں صرف اس جماعت کی حمایت کریں گے جو آپ کے اور آپ کے مؤقف کے لیے احترام پیش کر سکے گی اور پھر وہ جس پلڑے میں اپنا قدم رکھے گی وہی پلڑا بھاری ہوگا اور وہاں کی ہر حکومت اور ہر جماعت آپ سے یہی چاہے گی کہ آپ اس کی حمایت کریں اور پھر آپ اپنی اس حمایت کے عوض قرآن وسنت کے جس جس صفحہ پر بھی اپنی حلیف طاقت سے دستخط طلب کریں گے اسے اس سے انکار نہیں ہوگا وہاں کے سب لوگ آپ کے در کے بھکاری ہوں گے۔

بلاشبہ قرآن وسنت کی منزل تک پہنچنے کے لیے یہ راہ بڑی طویل ہے لیکن اگر کوئی بااختیار شخص اپنے اختیار کو کام میں نہ لائے اور قرآن قرآن پکارنے کے باوجود قرآن سے انحراف جاری رکھے اسلام کے نفاذ کے نام پر اسلام کا حلیہ بگاڑے اسلام سے استہزا کرے تو ظاہر ہے کہ پھر بامر مجبوری یہ طویل راستہ ہی اختیار کرنا پڑے گا علامہ نے کہا میں پھر کہتا ہوں کہ میں اس جمہوریت کو اسلام نہیں سمجھتا اور اس جمہوری نظام کو کتاب وسنت قرار نہیں دیتا مگر میری سوچ مجھے یہی بتلاتی ہے کہ ہم اسلام کو یہاں اب اس جمہوریت اور اس جمہوری نظام کے ذریعے ہی حاکم بنا سکتے ہیں اور بحالات موجودہ اسلام کے یہاں داخلہ کی کوئی دوسری راہ موجود نہیں ہے۔

۱۱ بجے دوپہر سے اب سہ پہر کے چار بجے تھے پانچ گھنٹے کی اس طویل نشست میں صرف کھانے کا مختصر سا وقفہ آیا تھا کام کی زیادتی اور وقت کی کمی کے سبب ظہر اور عصر کی نمازوں کو یکجا کر لیا گیا تھا۔ چار بجے کے بعد اہل مجلس اگلے مہینے کے اجتماع میں شرکت کا شوق لے کر اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ مگر آہ یہ شوق پھر ناتمام ہی رہا اور اس شوق کی تکمیل کے لیے جو تاریخ مقرر کی گئی تھی وہ پھر کبھی نہ آسکی۔

بہار آخر شد اس اجلاس کے ٹھیک پانچ روز بعد ۲۳ مارچ کو اہلحدیث یوتھ فورس قلعہ لچھمن سنگھ راوی روڈ لاہور کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ عام نماز عشاء کے بعد منعقد ہوا جس میں جمعیت اہل حدیث پاکستان کی وہ قیادت جو جمعیت اہل حدیث کی رگوں میں لہو کا درجہ رکھتی تھی اور جسے جمعیت اور یوتھ فورس کے جسم میں رگ جاں

کی حیثیت حاصل تھی اس کا ایک بڑا حصہ بم کے ایک خوفناک دھماکے کے نتیجے میں ختم ہو کر رہ گیا۔

رات گیارہ بجے کا وقت تھا علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی تقریر اپنے شباب پر تھی۔ علامہ مرحومؒ اپنی تقریر میں موقع ومحل کے مطابق بڑے خوبصورت شعر بھی پڑھا کرتے تھے اس موقع پر بھی وہ علامہ اقبالؒ کا یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑ……

اور بات ابھی اس لفظ لڑ سے آگے نہ چل سکی تھی کہ اچانک ہی پاس پڑے گلدان سے ایک محشر اثر دھماکہ ہوا کہ جلسہ گاہ کا پورا اردگرد لرز اٹھا اور ماحول زہریلے دھوئیں میں ڈوب گیا جس میں لاشیں تھیں زخمی تھے چیخ وپکار تھی اور آہ وبکا تھی۔

یوتھ فورس کے شیر دل قائد جناب محمد خان نجیبؒ اور اہل حدیث کے ایک مایہ ناز عالم دین جناب مولانا عبدالخالق قدوسیؒ چار دوسرے کارکنوں کے ساتھ وہیں شہادت کے مرتبہ تک پہنچ گئے حضرت علامہ اور مولانا حبیب الرحمٰن یزدانیؒ کو زخمیوں میں پایا گیا جو بم کے دھماکے سے سٹیج سے بہت دور جا پڑے تھے۔

زخمیوں کو فی الفور ہسپتال پہنچایا گیا جہاں مولانا یزدانیؒ اگلی شام کو بحالت بیہوشی ہی اپنے خالق حقیقی سے جاملے

حضرت علامہؒ کو چند روز بعد خطرناک حالت میں لاہور سے ریاض (سعودی عرب) لے جایا گیا اور انہوں نے وہاں ۳۰ مارچ کو اپنی جاں جان آفریں کے سپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون زندگی ختم ہو گئی اور ساتھ ہی زندگی کے سارے پلان بھی ختم ہو گئے تمنائیں ناکام رہ گئیں۔ اور آرزوؤں کے چراغ بجھ گئے۔ وہ زبان خاموش ہو گئی جو اپنے سننے والوں کے سینوں میں بھونچالوں کی تخلیق کرتی تھی جس کے نعروں سے اپنوں کے دل خوشی سے اچھلتے اور مخالف خوف سے کانپتے تھے۔ ہائے کتنی دردناک صورت حال ہے اور مرزا غالب نے بھی کتنا دردناک نقشہ کھینچا ہے جب کہا ؎

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط	دامانِ باغبان وکفِ گل فروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی وذوقِ صدائے چنگ	یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبحدم کو دیکھیئے آکر تو بزم میں	نے وہ سرور وسوز نے جوش وخروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی	اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی شہادت

علامہ احسان الٰہی ظہیر اس طرح دُنیا سے رخصت ہُوئے کہ دُنیا دیکھتی رہ گئی ـــــ ایک دُنیا کی دُنیا لُٹ گئی ـــ وہ صرف چھیالیس سال کے تھے، لیکن چھیالیس برسوں میں صدیوں کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ ان کی خطابت، ذہانت، فراست اور لیاقت نے انہیں وہاں پہنچا دیا تھا جہاں پہنچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے ـــ علامہ چند روز پہلے ہنستے مسکراتے بھلے چنگے راوی پارک لاہور میں ایک چھوٹے سے جلسے جسے کارنر میٹنگ کہیں تو بے جا نہ ہوگا، سے خطاب کرنے گئے تھے ـــــ کہ وہاں بم کے دھماکے نے نقشہ پلٹ دیا ـــــ جلسہ اس حال میں منتشر ہُوا کہ علامہ خون سے لت پت میو ہسپتال پہنچا دیے گئے، اُن کے کئی عزیز ساتھی شدید زخمی ہوئے، چند جانثار کارکن چل بسے ـــ بم کے دھماکے نے زندگی کا پیغام دینے والے کی زندگی پر حملہ کر دیا تھا!!!

جمعیت اہلِ حدیث کے ایک بڑے رہنما اور بے باک مقرر مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی جمعیت کے جلسوں میں علامہ سے پہلے تقریر کرتے تھے۔ ان کی تقریر سماں باندھ دیتی تو علامہ سٹیج پر آکر سماں کو آسماں کی وسعتوں سے ہم کنار کر دیتے۔ جلسۂ محشر میں روانہ ہونے کے لیے بھی یزدانی صاحب نے پہل کی، علامہ سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ زخموں کی تاب نہ لا کر اپنے مداحوں اور نیاز مندوں، اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں اور اہلیہ کو وہ زخم دے گئے کہ جو مندمل نہ ہو سکے گا ـــ علامہ کی حالت عام لوگوں کو خاصی سنبھلی ہوئی نظر آتی تھی، وہ ہوش میں بھی آ گئے تھے، اپنے تیمار داروں سے باتیں بھی کرنے لگے تھے۔ رُک رُک کر ہی سہی، آہستہ آواز ہی میں سہی، چند الفاظ ہی میں سہی، وہ اپنی بات کبھی نہ کبھی کہتے تھے، اور بعض اخباری نمائندوں کے سوالوں کے جوابات بھی دے گزرے تھے ـــــ عام خیال یہ تھا کہ علامہ خطرے سے باہر ہیں، لیکن ان کے معالجوں کو اطمینان نہیں تھا۔

علامہ صاحب مدینہ یونیورسٹی کے طالب علم رہے تھے۔ یہاں سے انہوں نے امتیازی شان کے ساتھ امتحانات پاس کیے تھے۔ مدینہ ان کا دوسرا گھر تھا اور ان کی زندگی مدینے والے کے پیغام ہی کو عام کرنے کے لیے وقف تھی۔ توحید کا ترانہ انہوں نے اس شان سے گایا کہ سُننے والے جھوم جھوم اُٹھے۔ ان کو علاج کے لیے سعودی عرب لے جانے کا فیصلہ ہُوا، وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد اپنی جان کا نذرانہ لے کر اپنے رب کے حضور پہنچ گئے ـــ میت مدینہ لے جائی گئی، اور جنت البقیع میں ان کے جسدِ خاکی نے جگہ پائی ـــــ گویا، ان کو سعودی عرب لے جانے کا اہتمام قدرت نے اسی لیے کیا تھا کہ وہ مدینے کی مٹی میں مل سکیں ـــــ اس کی چادر اوڑھ کر اطمینان سے سو سکیں۔

حضرت علامہ شورش کاشمیری کے انتقال کے بعد خطابت کے میدان پر بلا شرکتِ غیرے حکمران تھے ـــ ان کا کوئی حریف نہ تھا ـــــ انہوں نے قومی سیاست میں حصہ لیا، تحریکِ استقلال میں شامل رہے، تحریکِ نظامِ مصطفےٰ میں سرگرم رہے۔ جنرل ضیاء الحق کے ساتھ بھی ایک زمانے میں محبت کا تعلق رہا، نوابزادہ نصر اللہ خان کے ساتھ بہت گہرے ذاتی مراسم کے باعث ایم آر ڈی کے قریب آئے ـــــ لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے انہوں نے اپنے آپ کو جمعیت اہلِ حدیث کے لیے خاص کر لیا تھا۔ ان کے زیرِ اہتمام ملک بھر میں انتہائی بڑے بڑے جلسوں سے خطاب کیا، اور اس کو منظم کر کے اپنی طاقت بنانے میں لگے رہے ـــ شریعت بل کے وہ شدید مخالف

تھے۔اس کے خلاف رائے عامہ کو منظم کرنا انہوں نے اپنا مشن بنالیا تھا ——— سیاست نے ان کے مزاج کو غیر فرقہ وارانہ بنادیا تھا، ان کے سماجی تعلقات ہر گروہ کے رہنماؤں کے ساتھ تھے، لیکن مذہبی حوالوں سے بات کرتے تو ان کے اندر کا اہل حدیث انتہائی بیدار اور ہوشیار نظر آتا ——— انقلاب ایران کے شدید نکتہ چینوں میں تھے اور ایران عراق جنگ کے حوالے سے ایران سے ان کا اختلاف بھی ڈھکا چھپانہ تھا ——— ان کی عربی تحریروں کا جواب ایرانی علما کے زیر نگرانی بڑے اہتمام سے دیا جاتا تھا ——— قادیانیوں کے خلاف انہوں نے معرکے کی تحریریں لکھی ہیں۔اس گروہ کے خلاف ان کا قلم تلوار بنا ہوا تھا۔

علامہ جس شان سے اُردو بولتے تھے، اسی شان سے عربی میں خطاب کرتے تھے۔ان کی زیادہ تر تصانیف عربی میں ہیں، جن کے انگریزی تراجم بھی ہو چکے ہیں اور اردو میں بھی ہو رہے ہیں ——— عربی پر انہیں ایسی قدرت تھی کہ بہت سے عرب بھی ان کے سامنے تقریر کرنے سے گھبراتے تھے ——— انہوں نے دین سے بھی تعلق مستحکم رکھا، کاروبار بھی پھیلایا اور بڑھایا، اور کروڑوں روپیہ کمایا۔

علامہ صاحب کی زندگی میں ان کے بعض معاملات سے، بعض اقدامات سے بعض سیاسی فیصلوں سے شدید اختلاف رکھنے والے بھی ان کی موت پر خون کے آنسو رو دیے ہیں ——— وہ ہمارے درمیان سے اٹھ گئے ہیں تو پتہ چلا ہے کہ کتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے ——— یوں لگتا ہے کہ زمین پر پہاڑ کم ہو گئے ہیں یا آسمان نے اپنی چھتری کو کچھ سمیٹ لیا ہے ——— اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے، اور ان کی نیکیوں کا بے حساب اجر عطا فرمائے۔

حکومت پر لازم ہے کہ وہ ان کے قاتلوں کا پتہ چلائے اور ہماری قومی تاریخ کے اس انتہائی الم ناک بلکہ شرمناک واقعے کے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائے ——— یہ کوئی رسمی مطالبہ نہیں ہے، غمزدہ دلوں کی پکار ہے، اور اس میں ایک للکار بھی ہے کہ جو اقتدار خونِ ناحق کا انتقام نہیں لے سکتا، خونِ ناحق اس سے اپنا انتقام لے لیتا ہے۔یہ انتقام کیسا ہوتا ہے جنرل ضیاء الحق، وزیراعظم جونیجو اور وزیراعلیٰ نواز شریف اگر تاریخ کے صفحات تک رسائی نہیں رکھتے تو کسی طالب علم سے پوچھ کر دیکھ لیں!!!

(بشکریہ: قومی ڈائجسٹ)

بقیہ: ابو کی یاد میں

سکون بخشیں گے ابو آپ تو خواب ہی ہو گئے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ہے کوئی ایسا بتائے ہمکو کہ جرم کیا ہے قصور کیا ہے
یہ برقِ وحشت گری جو ہم پر جواز اس کا حضور کیا ہے۔

ابو آپ کا یہی جرم تھا کہ آپ محمد عربی ؐ کے پرچم کو پاکستان کی فضاؤں میں لہرانا چاہتے تھے۔ آپ نے کہا تھا کہ میں نہیں ہوں گا تو ان شاء اللہ میرا یہ بیٹا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ناموسِ رسالت کا تحفظ کرے گا ابو! میں آپ کی روح سے عہد کرتا ہوں کہ آپ کا یہ مشن جاری رہے گا اور آپ کے قاتل بھی ان شاء اللہ آپ کے بیٹے سے نہ بچ سکیں گے۔

ابّو کی یاد میں

جناب ابتسام الٰہی ظہیر صاحبزادہ حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ

جب بارش کے قطرے فصلوں پر پڑتے ہیں اور سبزہ زاروں پر گرتے ہیں تو فصلیں ہری اور سبزہ زار لہلہانے لگتے ہیں اسی طرح یادوں کی اوس جب دل کے دریچوں پر پڑتی ہے تو غموں کی آبیاری کرتی ہے اور دل کے زخم ایک بار پھر ہرے ہوجاتے ہیں۔

اے میرے ابو آپ بھی تو انہی شخصیات میں سے ہیں جو اپنی یادوں کے ذریعے ہمیں مرغ لبسمل کی طرح تڑپاتی ہیں۔ بخدا جب آپ کی یاد آتی ہے دل میں ایک ٹیس اور سینے میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ مجھے کس پل آپ یاد نہیں آتے ؟ جب سورج رات کے دامن میں محوِ خواب ہوجاتا ہے اور رات کی دیوی ایک عالم کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے تو آپ یادوں کی بارات کے ساتھ اپنی تمامتر وسعتوں اور بلندیوں کو لے کر میرے دل و دماغ میں اپنا آشیانہ بنا لیتے ہیں اور میں ماضی کی یادوں میں کھو جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ کاش جو واقعہ گزر چکا ہے وہ محض ایک خیالی ہی ہو مگر میں حلقۂ دام خیال میں پھنس کر رہ جاتا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ آپ اس دن کتنے عظیم لگ رہے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے آپ آفتاب نصف النہار ہیں آپ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی مجھ میں تاب بھی نہیں تھی آہ ! اس دن کے بعد آپ سے آسمانِ دنیا کے نیچے ملاقات نہ ہوسکے گی اور شائد اب آپ کی اور میری ملاقات میدان حشر ہی میں رب کے حضور ہو مگر ایک بات ہے کہ موت کی وادیوں میں قدم رکھنے سے پہلے تک آپ کی یاد دل کو تڑپاتی رہے گی اور مجھے کسی پل سکون نصیب نہ ہوگا۔

مجھے آج آپ کے وہ الفاظ یاد آرہے ہیں جو آپ نے کسی جلسے میں کہے تھے کہ اس وقت ہم نہیں ہوں گے اور تم اپنے بچوں کو ہماری داستانیں سنایا کروگے کہ ایک ایسا دور تھا جس میں ظلمت اور تاریکی کا دور دورہ تھا اور شیطان نے اپنے پنجے گاڑ رکھے تھے اور اہل حدیث کو ایک حقیر قوم کی حیثیت

حاصل تھی اس وقت لاہور سے ایک شخص اٹھا تھا جس نے کہا تھا کہ اہل حدیث کسی کی دست نگر قوم نہیں بلکہ وہ قوت ہے کہ جسے اگر احساسِ ذوق پیدا ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آج بلاشبہ یہ الفاظ حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں کیونکہ زمانے نے پہلی بار رسولِ ہاشمیؐ کے نام پر مار کھانے والوں کو سر اٹھا کر چلتے دیکھا ہے۔

ابو جان مجھے یاد ہے کہ آپ اپنی جماعت کے لیے کس قدر تڑپا کرتے تھے اور دن رات آپ کے اعصاب پر یہی چیز سوار رہتی تھی کہ کسی طرح یہ جماعت بڑھے اور پھلے پھولے۔ مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ وہ شخصیت صرف علامہ ظہیرؒ کی شخصیت ہے جس نے عالمی سطح پر جمعیت اہل حدیث کو متعارف کروایا۔

جس مشن کو لے کر شاہ شہید بالاکوٹ کے سنگلاخ پہاڑوں پر چڑھے تھے اسی مشن کو لے کر علامہ شہید پنجاب کے چٹیل میدانوں میں نکلے تھے آج جب میں ابو کی وفات اور رحلت کا سوچتا ہوں تو دل میں خیال آتا ہے کہ ابتسام! اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ کہ قافلۂ حریّت کے سالار کی موت تو اسی طرح روزِ ازل سے لکھ دی گئی تھی۔

مجھے یاد ہے کہ جب ابو تحریر اور تقریر کے میدان میں باطل قوتوں سے ٹکراتے تھے تو وہ پاش پاش ہو جاتی تھیں اور بڑے بڑے حکمرانوں کے پتے پانی ہو جاتے تھے جب ابوؒ باطل فرقوں کے خلاف قلم اٹھاتے تھے تو ان کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا ایک بار میں اور ابو اکٹھے بیٹھے تھے میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ خیالات نے الفاظ کا جامہ پہنا اور لبوں سے جدا ہوئے کہ ابو جان آپ کیوں ان فرقوں پر کتابیں لکھ کر ان کے ماننے والوں کو اپنا دشمن بنا رہے ہیں تو آپ نے کہا تھا کہ شائد یہی چیز میرے لیے نجات کا سبب بن جائے اور آج ان شاء اللہ ابو اپنے خلوص کی وجہ سے نجات پا چکے ہوں گے۔

علامہ ظہیر عظمت و استقامت حوصلہ و پامردی جرأت و جوانمردی کا نشان تھے اور کہا کرتے تھے کہ "رب نے اس شخص کی جھولی میں خوف نام کی کوئی چیز نہیں رکھی۔"

"ان شاء اللہ میں اور میرے ساتھی اسلاف کی روایات کو واپس لوٹا کر رہیں گے"۔ اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ جس گھر کی چوکیداری مجھ کو سونپی گئی اس گھر کے مالک جاگ اٹھے ہیں یہ تھے "وہ الہامی الفاظ جو اللہ کے اس شیر کے لبوں سے جدا ہوئے اور حادثے سے صرف دو یوم پہلے فضائے بسیط میں بکھر گئے تھے۔

جس دن ۲۳ مارچ کا سورج طلوع ہوا اس دن اہل حدیث کا آفتاب چشم دنیا سے اوجھل ہوا اور

سہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کی حقیقی تصویر بنا

ظالم! ہائے تو نے کس گھر کو ویران کیا تو نے اس شخصیت کو ہم سے جدا کیا جو اپنے دل و دماغ میں سمندر کی سی وسعتیں رکھتا تھا ظالم! تو خدا کے قہر سے کبھی نہ بچ سکے گا اور کبھی بھی سکھ کا سانس نہ لے سکے گا کہ تو نے اس کو شہید کیا کہ سہ

فلک بھی روتا ہے خون کے آنسو ظہیر روشن ضمیر اٹھا۔

خدا کرے کہ تو سسک سسک کے مرے اور تجھے چاہنے کے باوجود موت نہ آئے۔ قاتل! تو نے ایک قوم کو یتیم کیا اور علم و حکمت اور سیاست کے مردِ جری کو خاموش کیا مگر اس کی آواز کبھی خاموش نہ ہو سکے گی۔

۲۳ مارچ کی رات تھی اک تاروں بھری رات، وہ وقت جب کہ رات کی سیاہی اپنا دامن پھیلا چکی تھی کاروانِ رسالتؐ کا حدی خوان اپنے رفقا کے ہمراہ قلعہ لچھمن سنگھ آگیا تھا شاہ شہید کے فرزندانِ عشقِ رسول کے متوالے! چمنستان توحید کی آبیاری کرنے والے اپنی مقتل گاہ پر پہنچنے والے تھے گیارہ بجے کا وقت ہوا ہوائیں چلنے لگیں۔ رات ڈھلنے لگی دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوئیں آ گئے آ گئے علامہ صاحب آ گئے" اِک دم غلغلہ اٹھا فضا نعرہ تکبیر کی صداؤں سے گونج اٹھی اور لوگ دیدہ و دل فرشِ راہ کر رہے تھے۔ پروانے شمع کی جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے ہائے افسوس کہ وہ شمع ہی بجھ گئی کہ جس سے ہمارے دل و دماغ منور تھے۔ شمع نے جب اپنے نور سے قلعہ لچھمن سنگھ کو منور کرنا شروع کیا تو نور کی کرنیں پورے پاکستان کو منور کرنے لگیں اک عجیب جاہ و جلال سے، اک عجیب آب و تاب سے آج آفتاب اہل حدیث، بدر اسلام اپنے نور سے تاریکیوں کی دبیز تہوں کو ہٹاتا جا رہا تھا اور اس کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

یزدانی صاحب جانے کے لیے اٹھے قائد نے کہا ٹھہرو اکٹھے چلیں گے آہ! چلے گئے چھوڑ گئے ہائے چلے گئے آج ابو آپ ڈھونڈے نہیں ملتے" خدارا بتایئے، ہجر و فراق کی یہ گھڑیاں کب ختم ہوں گی" ابو میرے جان سے پیارے ابو کب ملاقات ہو گی ہمیں چھوڑ گئے نا۔ ابو احد والوں سے جدائی گوارا نہ کر سکے۔ آج آپ نبی کے پیاروں کے ساتھ منوں مٹی تلے دفن ہو چکے ہیں مگر آپ دفن نہ ہو سکیں گے، آپ کا نام ہمیشہ رہے گا۔

ابو جان آپ چلے گئے گھر ہم تنہا رہ گئے اب ہم کس کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو

باقی صفحہ ۹۰ پر

اپنے شوہر نامدار ؒ کے بارے میں

بیگم علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کا اظہار خیال

۱۲ر جولائی کی اداس ' گرم اور تڑپا دینے والی سہ پہر تھی ' جب میری ملاقات بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ ہزار داستانیں ' ہزار حسرتیں چہرے سے ہویدا تھیں۔ بچے ناداں۔ معصوم بیٹے اور بہت زیادہ زیرک بچیاں (ماشاءاللہ) اپنی ماں کے گردیوں بیٹھے تھے گویا امید افزا باتوں کے منتظر ہوں۔ ہر آن وداس خبر کے خواہش مند تھے کہ "ابو کب آئیں گے۔" یہ دلدوز اور جان لیوا سوال میرے لئے ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ گو کہ اپنی کمزوری کا اظہار ان سب کے سامنے نہ کرنے پہ قادر ہوں۔ بند کمروں میں رونا اور سسکیاں بھرنا۔ شاید ہمارا مقدر بن چکا ہے۔ کس قدر مشکل ہے اتنے عزیز اور "قریبی رشتہ" پر قلم چلانا۔ مگر میں نے ضبط ' جبر اور تحمل کے سہارے سب کیا ہے۔ سوچا کہ "باجی" سے بھی منوں بھاری غم سے چادر اٹھانے کو کہوں جو گم سم سی ہو کے رہ گئی ہیں۔ جن کے تن من پر یہ حادثۂ زہرناک بن کر ظاہر ہو رہا ہے۔ جن کی روح تپتے انگاروں پر لوٹتی نظر آتی ہے۔ جن کی ہر سانس جگر سوز ہے۔ باجی کو کریدا ' مائل کیا اور درخواست کی کچھ تو لکھئے...... اور بس اس کے بعد ساون بھادوں کی بارش سے کاغذ گدلے ہونے لگے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے (مدیرہ والضحیٰ)

"طرز تحریر سے محروم انسان شہسوار تحریر و خطابت کے بارے میں کیا لکھے! بالکل جھوٹ کے مترادف سمجھا جائے گا۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں؟۔ معذور ہوں گو کہ تعلیم یافتہ ہوں مگر اس موضوع پر بہت محدود خیال کرتی ہوں اپنے تئیں۔ اتنی عظمت! اتنی گہرائی! جو بھی لکھوں گی آٹے میں نمک کے برابر ہو گا۔

وہ مدینۃ الرسول ؐ کی گلیوں کا عاشق بس انہی گلیوں میں رہ گیا۔ خوش نصیب اتنا کہ ازدواجی زندگی کا فیصلہ بھی اسی مبارک شہر میں ہوا فضیلت اتنی حاصل ہوئی کہ "استاد محترم حضرت حافظ محمد گوندلوی" کے ہاں شادی کا پیغام بھیجا جو قبول ہوا۔ میرے وجود کو ہمیشہ باعث برکت و رحمت جانا۔ پہلی بیٹی مدینہ میں پیدا ہوئی تو دل و جان سے زیادہ عزیز ہو گئی۔ نام کے ساتھ مدنی بھی لگایا۔

تمام عمر میں نے علامہ صاحب کو ماہ رمضان میں شب بیدار پایا۔ رات بھر تلاوت کلام پاک میں گذارتے۔ سحری سے فارغ ہو کر صلوٰۃ فجر ادا کرتے اور دن کی روشنی میں کاروبار زندگی کو تھوڑی بہت توجہ دے کر آرام فرماتے۔ حلال و حرام میں اس قدر تمیز روا رکھتے تھے کہ تمام عمر "بنک" کی کسی بھی نفع بخش شاخ کو حلال نہ جانا۔ حرام قرار دیا اور دوسروں کو بھی اس "زہرناک حرام" سے بچنے کی تلقین فرماتے رہے۔ کسی بھی بزرگ کے نام کے ساتھ سوئے ادب کا لفظ عمر بھر برداشت نہ کیا۔ ہر عالم کو "مولانا" یا حضرت کے بغیر نہ پکارا۔ پردے کے اس قدر پابند کہ مجھے ہر دفعہ "پردے" میں حج ادا کروایا میں نے اس پردے میں کبھی گھٹن محسوس نہ کی کہ "والدین کے گھر سے یہی فطرت لے کر آئی تھی۔" میری بچیاں کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ مگر پردے نے انہیں کبھی احساس کمتری میں شکار نہ ہونے دیا۔ وہ باپردہ رہ کر خود اعتمادی کا احساس لئے ہوئے ہیں حقوق العباد میں والدین کو ہمیشہ اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ "ماں" کی تھوڑی سی فرقت بھی رولاتی تھی۔ سینہ میں قرآن محفوظ تھا...... ہر بات "قرآن اور حدیث" کے حوالے سے فرماتے۔ ناانصافی۔ جھوٹ۔ دغا فریب اور بددیانتی سے نفرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض "ہم مسلک امراء" سے بن نہ سکی کہ وہ ان اوصاف سے متصف نہیں۔ سچ ڈنکے کی چوٹ بولتے۔ لوگ سامنا کرتے گھبراتے کہ علامہ صاحب کی نگاہ ان کے عیوب پالے گی۔

آغاز شباب تھا جو جوش خطابت سے ہمکنار ہوا...... نادم

زیست شباب و خطابت لازم و ملزوم ہے۔ میرے لئے گھر بار اجنبی تھا لیکن مذہب اور مسلک کی اپنائیت نے محبت کو یوں مضبوط کیا کہ "غیریت" نام کو محسوس نہ ہوئی ...... میرے حسب میرے نسب اور میری تمام تر عادات سے بے طرح محبت کی۔ دادا جان خصوصی محبت تھی جو علامہ صاحب سے عشق کی حد محبت کرتے تھے بہن بھائیوں اور والدہ صاحبہ سے بہت محبت تھی۔ ایک مثال تھی جو ہمیشہ قائم رہے گی۔ اساتذہ کے ساتھ ذاتی مراسم تھے۔ شیخ عبدالقادر شیخ عطیہ سالم شیخ بن باز سے قریبی مراسم تھے۔ بے پناہ احترام کرتے اور خود اساتذہ کرام بے پناہ توجہ فرماتے اور عزت فرماتے تھے۔ غیر معمولی ذہین ہونے کے سبب آپ کو قبل از امتحان ڈگری سے نوازا گیا۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی کتاب "قادیانیت" کی تکمیل کی یہ ۱۹۶۵ء کی بات ہے' تب سے محنت شاقہ اور جدوجہد شبانہ روز کی غذا بن گئے۔ حرم نبوی میں تقاریر کا سلسلہ شروع کیا جو جاری رہا۔ اہل عرب ہاتھوں پر بوسہ دیتے۔ پوچھتے "عربی ہو کہ عجمی؟" خاک عربی تھی معلوم نہیں تھا کہ تاثیر اتنی کیوں ہے۔ پاکستانیوں کے لئے "اردو" میں خطاب کیا۔ تبلیغ کا آغاز سرزمین عرب سے ہی کیا ... پورے عرب کو اپنی قوت گویائی سے اتنا گرویدہ بنالیا کہ قدم قدم پر عزت و تکریم بخشی گئی۔ بات کرتے تو گرجدار آواز تھے۔ گویا لڑ رہے ہوں۔ دوسرے لمحے آواز گرا دیتے گویا کسی گہرائی سے بول رہے ہوں۔ نرم دل کہ بس دوسروں کی مفلوک الحالی پہ روئے "اگرچہ کہ اپنی زندگی کا آغاز سفید پوشی سے ہی کیا۔ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ ہمیشہ راہ خدا میں دیا اور خدا نے غنی کر دیا۔ کتابوں نے مضبوط سہارا دیا اور قدرت نے دن پھیر دیئے بزرگوں کی دعاؤں کے بہت قائل تھے۔ بچوں کو ہمیشہ احترام آدمیت کا اخلاق سکھایا۔ جب سفر سے گھر لوٹتے بچوں کو اپنے گرد جمع کیا اور نماز کے بارے میں اول سوال کیا۔ بعد میں دنیا پوچھی۔ پردے کی بہت زیادہ پابندی کروائی۔ مگر اندرون خانہ کھانے پینے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ خود نفیس تھے نفاست اور حسن کو سراہتے تھے۔ ساری عمر جس چیز سے شدید نفرت رہی ہے "شور" ...... میں نے اس سلسلہ میں ان کے آرام کا یوں اہتمام کیا گویا کوئی بچہ سو رہا ہو اور بچے بھی اپنے ابو کی اس کمزوری سے باخبر تھے۔ دبے پاؤں چلتے اور سرگوشیوں میں ہمکلام ہوتے بیدار ہونے کے بعد سب بچوں کو پاس بلا کر پیار کرتے اور ہدایات جاری کرتے۔ زندگی میں چابکدستی بہت پسند تھی۔

سستی اور کاہلی سے نفرت کرتے تھے آرام بہت کم کیا ہے۔ جو کیا ہے وہ نظم و ضبط کے ساتھ کیا ہے۔

کتابوں کے علاوہ بھی کاروبار تھے جو قارئین مختلف اخبار میں پڑھ چکے ہیں۔ مگر خصوصی توجہ لکھنے پڑھنے پر ہی رہی۔ یہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

مرد مومن تھے حق شناس تھے۔ صرف حق گوئی اور بے باکی کے سبب جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی گئے۔ مگر گردن طاغوت کے سامنے نہ جھکائی۔ میری ذات پر اتنا ایمان کہ مشکل وقت مجھے کہتے۔ "صلوۃ حاجت پڑھ کر دعا کرو۔ تمہاری دعا خدا جلد سنتا ہے" یا والدہ صاحبہ سے درخواست گذار ہوتے کہ وہ بھی دعا فرمائیں۔ زندگی کی تمام آسائشیں مہیا کیں اور خود اپنی شدید خواہش کے پیچھے دوڑ کر "شہید ہوئے (انشاءاللہ) جنت البقیع میں دفن ہو کر میری ۲۲ سالہ رفاقت کو الوداع کہہ دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مجھے یقین ہے وہ مقام اعلیٰ پر فائز ہوں گے۔ مگر ہم زندہ درگور ہیں۔ میری روح مر چکی ہے۔ میری بچیاں رو رو کر ہلکان ہو جاتی ہیں۔ ابو کی معجزانہ زندگی کے لئے دعا کرتی ہیں۔ بے قرار رہتی ہیں۔ بیٹے پریشان رہتے ہیں۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں تو صرف "ماں" ہوں۔ علامہ صاحب۔ بننا کوئی آسان بات نہیں۔ یہ تو تمنا رہی تھا جس نے ایک نوجوان کو علامہ بنا دیا اور وطن اور اہل وطن کی آنکھ کا تارا بنا دیا ...... اب تو بس وہ آنکھ کا تل بن کر چمک رہا ہے یا امیدوں کے پر لگا کر "بچوں" کے جوان ہونے کا انتظار لئے محو پرواز ہے۔ میرا سکون تو اب جو بکھر چکا ہے میری اولاد کے درخشندہ مستقبل میں سمٹ سکے گا۔ اور میرے مسلک کی ساکھ باغیرت مسلمانوں کے لہو میں پوشیدہ ہے جو اسلام کا پرچم اونچا رکھنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیں گے۔ (انشاءاللہ) میرا اپنی جماعت کے ہر فرد کو یہ پیغام دے دیجئے کہ'

جینا ہے تو غیرت مند ہو کر جیئو
جیئو تو خدا اور اسکے رسولؐ کی اتباع کیلئے
طاغوت کا قلع قمع کر دو۔ اسلام کو
گرمئی گفتار اور گرمئی کردار سے مضبوط بنایئے۔
خدا ہم سب کا کارساز ہو گا۔ (انشاءاللہ)
اور ہم سب کو صالح زندگی اور قابل رشک انجام عطا فرمائے
(آمین ثم آمین)

(محمودہ احسان)

میں تو ہر وقت اشکوں کے جال بُنتی ہوں!

دختر شہید ملت سمیرا مدنی کی باتیں

"میں تو ہر وقت اشکوں کے جال بنتی ہوں۔ میرا ہر ہر آنسو میرے ابو جان کی تصویر بناتا گرتا ہے۔ کتنا مان تھا مجھے؟...... واللہ! ایک عظیم باپ کی بیٹی ہونا اور پھر محبتوں میں پل کر جوان ہونا...... اس ظالم حادثے نے سب چھین لیا۔ میری تمام تر سوچیں منفی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ قدرت بے اختیار کر دیتی ہے...... ہمہ وقت امی جان کے گرد گھومتی ہوں۔ دوسرے نقصان کا واہمہ بھی ہر وقت جان ہلکان کئے رکھتا ہے۔ اکثر اوقات تلاوت کلام پاک میں گذارتی ہوں۔ ذکر الٰہی میرے لبوں پر رہتا ہے مگر...... یقین نہیں آتا کہ "ابو جان" ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ وہ تو باتیں کرتے تھے۔ وہ تو پر امید تھے......! میں نے انہیں دم آخریں رخصت ہوتے نہیں دیکھا۔ کاش! اس سفید جوڑے میں ملبوس دیکھ لیتی، تو شاید "دل" کو یقین آجاتا...... دنیا محبت کرتی ہے...... لوگ روتے ہیں۔ جلسے ہوتے ہیں۔ جلوس نکالے جاتے ہیں...... "شہدا" کے لئے محبت کے پھول کھلائے جاتے ہیں۔ مگر میرے ابو جان کا مجرم روپوش ہے۔ کہاں ہے وہ؟ اب بھی کوئی مصلحت ہے؟ سارا وطن آگ میں جل رہا ہے۔ ارباب اختیار خاموش تماشائی! کاش! کوئی عمرؓ ہوتا۔ ہر مجرم کو عبرت ناک سزا دیتا۔ شاید ہمیں بھی "چین" مل جاتا۔ اے کاش! مجرم سربازار سزا پائے (آمین ثم آمین)"

نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز!

جناب رانا محمد شفیق خاں پسروری

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب دل والا راہبر تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ
بس اک موتی سی چھب دکھا کر بس اک میٹھی سی دھن سنا کر
ستارۂ شام بن کے آیا برنگِ خوابِ سحر گیا وہ
خوشی کی رت ہو کہ غم کا موسم، نظر اسے ڈھونڈتی ہے ہر دم
وہ بوئے گل تھا کہ نغمۂ جاں مرے تو دل میں اتر گیا وہ
وہ میکدے کو جگانے والا، وہ رات کی نیند اڑانے والا
یہ آج کیا اس کے جی میں آئی کہ شام ہوتے ہی گھر گیا وہ

جب میرے یہاں گلشن تھا۔ بہار نہ تھی، وہ شخص بہار بن کے آیا، جب دلوں کی قطاریں تھیں مگر کوئی دلدار نہ تھا۔ وہ دلدار بن کے آیا۔ جب راہوں کی گتھیاں الجھی تھیں راہی تھے پریشاں سارے، وہ راہنما بن کے آیا۔ اژدھام تھا سروں کا، بے پرواہ، بے بہرہ۔ تو وہ قائد شاہین نگاہ بن کے آیا۔............ دیوار تھی اک اونچی مگر سایہ نہ تھا وہ سایہ بن کے آیا، اندھیرا چہار جانب تھا، جگنو خود اندھے ہو گئے تھے کہ وہ دیا بن کے آیا، اپنی کرنوں کو لہرایا اور سورج مقام ہو گیا۔

وہ ہر صفت آدمی اور ہر صفت میں کامل آدمی، برنگ ظاہر سب سا، مگر بہت ہی افضل آدمی، تحریر میں یکتا، تقریر میں اعلیٰ، لیاقت میں منفرد، ذہانت میں اولیٰ، سیاست میں برتر، قیادت میں عظیم، شریف النفس، تجارت میں کریم.......... پاس عظمت والا، باپ کرامت والا، علم و فضل میں رفعت والا، تعلیم و تجزیہ میں شوکت والا.......... راہ

نہ تھا۔ ان کی خدمات کے ایک بڑے حصے کو علی گڑھ تحریک نے اپنا لیا تھا ان کی بیش قیمت خدمات جمعیت علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے انجام پائی تھیں، مسلم لیگ کا دامن ان کی زریں خدمات کے نقش ونگار سے مزین ہوا تھا۔ مجلس احرار کے آوازۂ حق کو ان کی صدائے حریت نے قوت بخشی تھی، ندوۃ العلما کی تعلیمی خدمات میں ان کا حصہ قابلِ قدر تھا اور دارالمصنفین کی تحریک کو ان کے وجودِ علمی سے توانائی حاصل ہوتی تھی۔ دیوبند اور علی گڑھ کی تحریکات سے قبل تحریک اصلاح وجہاد اور ۱۸۵۷ء کی دعوتِ انقلاب اور آزادی میں ان بزرگوں کی خدمات کا پیمانہ دوسروں سے زیادہ بلند وارجمند رہا تھا لیکن ان کی خدمات۔ ایثارِ علمی اور خدماتِ قومی کا کوئی ایک پلیٹ فارم اور کسی ایک عنوان سے کوئی خاص دفتر نہ تھا اور بدقسمتی سے چونکہ ابھی تک کوئی ایسی تاریخ بھی مرتب نہ ہوسکی اس لیے ان کی عظیم الشان ملی اور دینی خدمات سے واقفیت عام نہ ہوسکی وہ علامہ اقبال کے اس شعر کی مثال تھے۔

اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

یہ ایثار پیشہ گان وقت جاںنثارانِ ملت، بے نیازانِ نام ونمود اور اصحاب عزم امور کی ایک جماعت حقہ تھی جو تعمیر قوم وملت میں مصروف تھی۔ اس نے آزادی کی تحریک، تعلیم ملی ودینی کے فروغ، تالیف وتدوین علوم ومعارف، دعوتِ کتاب وسنت احیائے دین اور اصلاح وتجدید کے میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ لیکن ان کا اپنا کوئی پلیٹ فارم اور علمی وتحقیقی ادارہ اور تنظیم نہ تھی علامہ احسان الٰہی ظہیر نے پہلی بار اہل حدیث کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔ ان کی آواز کو مختلف حلقوں میں امتیاز بخشا ان کی جماعت کو ملک میں کام کرنے والی جماعتوں میں نمایاں مقام دلایا اور اہل حدیث کے اجتماعی خصائص کو اجاگر کیا۔

علامہ شہید کو خدا نے بے پناہ عملی صلاحیتیں بخشی تھیں، وہ سراپا عمل شخصیت اور بہترین منتظم بھی تھے۔ ان کے اندر تحریکوں کو پھیلانے اور انتشار میں اجتماع کی شان پیدا کرنے کی بہترین خوبی موجود تھی۔ انہوں نے اہل حدیث یوتھ فورس قائم کرکے ایک کارنامہ انجام دیا تھا اور اس کے قیام سے ملی خدمت گزاروں کا ایک قافلہ تیار کر دیا تھا۔

جس کی ہدایت، قدم جس کا بصیرت بداریت و براعت جس کی سرشت، ذہانت و فطانت جس کی جبلت، جرأت و شجاعت جس کی فطرت، امامت و عدالت جس کی سیاست، صداقت و حقیقت جس کی قیادت، امانت و دیانت جس کی سیادت اور افضلیت و اشرفیت جس کی عزت تھی۔

ریت ہی ریت بکھری تھی جس میں پھول کھلائے اس نے، تاریک شب تھی ہمارے گھر میں، چراغ جلائے اس نے۔ بزدلوں کو جینے کا طور سکھایا، مردہ دلوں کو زندگی سے آشنا کیا، سر نیہوڑائے لوگوں کے سینے تان دیئے، پست ہمت اٹھے اک نئی شان سے لیئے۔

وہ جیا تو سر اٹھا کے جیا، سینہ تان کر جیا، باطل کو للکارتا ہوا جیا، غیر حق پر گرجتا ہوا جیا، آمریت پہ برستا ہوا جیا، نظر نورانی اس کی ہمرکاب تھی اور فکر برہانی اس کا زادِ راہ تھی۔

وہ آئینہ صفت تھا۔ اک صاف آئینہ، خامیوں سے پاک آئینہ، کامل اور مصفا آئینہ، عیوب سے مبرا آئینہ جو بطلیت پرستوں کے چہرے کے داغ انہیں دکھاتا تھا۔ ظالموں کے چہرے کی بدنمائی واضح کرتا تھا، جابروں کے رخ پر لگے دھبے ان کے سامنے کرتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان باطل پرستوں، ظالموں، جابروں اور آمروں نے اپنے چہروں کے داغ دور نہ کئے اسی آئینے کو توڑنے کی سازش کی اور اسے توڑ دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر وہ تو آئینہ تھا، چہروں کی بدنمائی دکھانا اس کا کام تھا، پہلے اک وجود تھا اک بدنما چہرہ نظر آتا تھا اب آئینہ ٹوٹ گیا اور اس کی کئی کرچیاں ہوگئیں۔ پہلے اک چہرہ نظر آتا تھا اب ہر کرچی سے بدنما چہرہ نظر آئے گا پہلے اک " قائد شاہین نگاہ تھا اب اس کی ہمراہی، اس کے مقیوّد ہیں، جو گلی وکوچہ میں اس کا کام کریں گے ہر سمت اس کی للکار کی بازگشت ہوگی، اس کی یلغار کی وحشت ہوگی (انشاء اللہ)

وہ اک چقماق تھا، چراغ سے چراغ جلاتا گیا، تاریکیوں کو ضیا دیتا گیا، ہر دور کے ہاتھوں کو حنا دیتا گیا۔ ہر دور کے جابروں کو للکارتا رہا، ساکت دلوں کو دھڑکن، بے زبانوں کو نوا دیتا گیا، کجکلاہوں کی رعونت کا مذاق اڑاتا رہا۔ حکمرانوں کے گریبانوں سے کھیلنے کی ادا دیتا گیا۔ اس نے حالات کے ہاتھوں کبھی شکست قبول نہ کی، وہ حالات کو خود بدلتا رہا، خود حالات کے مطابق نہ بدلا۔ وہ سلطانیٔ جمہور کا نقیب تھا، بحالیٔ حقوق کا منادی تھا، حکمرانوں کو ٹوکنے کا خوگر، برائی سے روکنے کا عادی تھا، وقت کی نزاکت نہ دیکھتا تھا کلمۃ اللہ بلند کرکے رہتا، نباضِ وقت تھا۔ موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا، کام سوتے

چند کرے رہتا، مصلحت کوش نہ تھا کہ حق چھپائے، ضمیر فروش نہ تھا، تبھی ان گنت دشمن بنالئے سلطانِ جابر کے مقابل کلمۂ حق کہنا اس کا شیوہ تھا، جھوٹی قصیدہ گوئی سے متنفر تھا مصداق تھا شاعر کے اس کلام کا کہ ؎

میں تو سورج ہوں ستارے میرے آگے کیا ہیں
شب ہے کیا شب کے سہارے میرے آگے کیا ہیں
جو ہمیشہ رہے شاہوں کے ثنا خواں جالب
وہ سخن ساز بیچارے میرے آگے کیا ہیں۔

وہ مہرباں، محترم، کرم گستر، نیک دل، نیک ذات، نیک نظر، حامئ قوم و والئ ملت، مونس خلق و خاصۂ داور، قائد با صفا، انیسِ وطن، حکمتِ ملک و حاذق برتر، نیک خو، نیک فکر نیک نشاں، احسان الٰہی نام، نام آور، مرجع علم و دانش و حکمت، چشمۂ جود، عقیدت کا محور۔

وہ کہ رنج و غم دین و درد ملت اس کے دل غم گسار میں تھا، وہ قوم کا تھا جری سپاہی سلف کی یادگار میں تھا۔ اس سا کوئی مونس اور ہمدم، کون اجڑے ہوئے دیار میں تھا ؟ جو رعب جو دبدبہ تھا اس میں وہ کب کسی پہ سالار میں تھا جو داغ تھا اس کے دل میں پنہاں وہ کب کسی شہریار میں تھا، کھچ آیا تھا اس کی رگوں میں وہ خون جو لالۂ شعلہ بار میں تھا۔

اس میں شاہین کی خوئے شاہ بازی تھی اسلام کے عاشقوں کی سطوت مضمر تھی اس کے چال چلن میں، دشمنوں پر سکتہ طاری ہو یہ تاثیر تھی اس کے سخن میں۔

وہ عظمتوں کی رفعتوں سے مرکب شخص تھا، لفظ لفظ میں اس کے لیے عزت ہے، حرف حرف اس کے لیے مدحت گو ہے۔ وہ تو شب تار میں چاند کی مانند تھا، جس کے گرد اعلیت وارفعیت کا ہالہ تھا، کوئی قلم اس کے لیے یارائے تحریر نہ رکھے کسی زباں کے لیے استطاعتِ کلام نہیں اور ہو بھی کس طرح کے باراللہ کا احسان تھا، شہادت اس کا مقام طیبہ قرب محبوبؐ اس کا مدفن ہے اور (انشاء اللہ) ھمدوشئ عثمانؓ اس کی آخرت ہوگی۔

پھر بھی ...... یوں کہنے کو راہیں ملک وفا کی اجال گیا۔
اک دھندلی جس راہ میں پیک خیال گیا
وہ چاند ہمیں کس رات کی گود میں ڈال گیا......
اور میرے سخن، مرے قلم کو کر بے حال گیا (مگر میں ہر حال میں اسکے لیے لکھوں گا اسکے لیے بولونگا (انشاءاللہ)) ....

روٹھ گئے دن بہار کے

جناب مجیب الرحمٰن شامی

یہ عید الاضحیٰ جو گزری ہے وہ علامہ احسان الٰہی ظہیر نے گزشتہ عید الفطر ہی کی طرح اپنے گھر والوں اور مداحوں کے ساتھ نہیں منائی۔ کئی برس سے عید کا دن علامہ صاحب کی گھن گرج کے ساتھ گزرتا تھا۔ عید الفطر پر بھی ان کا خطبہ زوردار ہوتا اور عید الاضحیٰ پر بھی۔ اگر حج یا کسی اور مصروفیت سے بیرونِ ملک نہ ہوتے تو شہر میں تقریر کی عیدی ضرور تقسیم کرتے۔ ان کا اپنا ایک اسلوب تھا۔ ہر بات سے سیاسی بات نکالتے اور ہر بات کو سیاسی بات پر ختم کرنے کا فن انہیں آتا تھا۔ بھرپور فقرے اور بھرپور انداز، حکمرانوں کو للکارنے کے بادشاہ تھے۔ منبر پر ہوتے تو خدا کو حکمران سمجھ لیتے اور حکمرانوں کو جمہوری پارٹی ٹائپ کسی جماعت کا کارکن۔ وہ لتے لیتے کہ خدا کی پناہ جو لوگ عید کی نماز ان کی بجائے کسی اور علامہ یا مولانا کی اقتدا میں ادا کرتے ان کے لیے کیسٹ موجود رہتا۔ جب چاہیں ان کے ذریعے عید گاہ میں پہنچ جائیں۔ نماز کے بعد عید مبارک کے لیے ٹیلی فون کی خدمات حاصل کی جائیں تو علامہ صاحب اپنی تقریر کے نشے میں مست ہوتے دلچسپ اور طوفانی نکات سے آگاہ کرتے رہتے۔ کبھی ان کے نکتے سن کر رونا آجاتا اور کبھی ہنسی روکے نہ رکتی۔ آغا شورش کاشمیری کے بعد عوامی خطابت کے میدان پر سناٹا چھا جانے کا ڈر تھا۔ احسان الٰہی ظہیر اگرچہ آغا صاحب کی زندگی ہی میں تقریر کرنے اور ان سے داد پانے لگے تھے تاہم عوامی، عوامیت سے زیادہ ان پر مذہبی بلکہ اہل حدیثی رنگ غالب نظر آتا تھا آہستہ آہستہ اپنے رنگ میں آغا صاحب کا رنگ بھی ملاتے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں نکل گئے۔

سترہ اٹھارہ سال پہلے لاہور میں قدم جمانے شروع کئے تو حافظ احسان الٰہی کہلاتے

اور کہے جاتے تھے بعض کہنے والے اس وقت بھی علامہ کہہ جاتے تھے لیکن سننے والوں کا دل نہیں مانتا تھا کہ تیس برس سے بھی کم عمر کا نوجوان علامہ بن جائے یا اسے علامہ بنا دیا جائے۔ لیکن وہ دھن کے پکے تھے بالآخر حافظ کی جگہ علامہ کے لفظ نے یوں لی کہ کوئی سیاسی کارکن کسی کو علامہ صاحب کہہ کر یاد کرتا تو کم از کم پنجاب کے اہل سیاست اس سے احسان الٰہی ہی مراد لیتے۔

ایک زمانے میں کوثر نیازی بھی خطیب بن کر ابھرے لیکن جماعت اسلامی سے انکی رحلت پھر کنونشن مسلم لیگ کی قربت پھر عوامی لیگ کی رغبت اور پھر پیپلز پارٹی میں شمولیت نے انہیں خطیب کی بجائے کچھ اور بنا دیا اس میں کیا شک کہ بات کرنے اور بنانے کا ڈھنگ انہیں بھی آتا ہے لیکن اب ان کی شناخت خطابت سے نہیں ہوتی۔ وہ وزیرانہ اور غیر وزیرانہ کارناموں سے پہچانے جاتے تھے اسے اتفاق کیئے یا بے اتفاقی کہ آغا شورش کی زندگی میں ان کی جگہ لینے کی خواہش نہیں کی۔

اسلام آباد ہی کے ہو کر رہے لاہور علامہ کے لیے چھوڑ دیا۔

علامہ اہل حدیث تھے انہوں نے اپنے فرقے کو مٹھی میں بند کر لیا ایک زمانے میں وہ اس طاقت سے اپنی طاقت بنانے کے قائل نہ تھے سیاسی جماعتوں سے طاقت حاصل کرنے اور ان کی طاقت بن جانے میں لگے تھے لیکن شائد اتحادی طاقت نے انہیں اپنا جتھہ بنانے پر مائل کیا انہوں نے جمعیت اہل حدیث کو روایتی قیادت سے یوں چھینا کہ یہ دو حصوں میں بٹ گئے علامہ صاحب نے علماء کا گروہ بھی جمع کر لیا اور نوجوان بھی گروہ در گروہ ان کے گرد اکٹھے ہو گئے ان کی جمعیت نے میدانوں پر اپنا پرچم لہرا دیا علامہ کے الفاظ کا جادو اپنے مخالفین کے سر چڑھ کر بول رہا تھا وہ بعض معاملات میں خالص مولوی تھے۔ مخالف فرقوں کے خلاف کتابیں لکھ کر نام اور دام کمائے لیکن سیاسی سرگرمی کی وجہ سے ایک ایسے شخص کے طور پر نمایاں ہوتے گئے جو سب کا ہو اور سب کے لیے ہو۔

اپنی تقریروں میں وہ اقتدار کو نشانہ بنا کر اہل اختلاف کے دل میں سماتے گئے ایک زمانہ ایسا آیا تھا کہ مسٹر بھٹو کے شدید مخالف کے طور پہ ابھرے تھے اور فضاؤں میں چھا گئے تھے جنرل ضیاء الحق کا قدرتی حلیف بنا دیا تھا لیکن یہ رومانس زیادہ دیر نہ چل پایا۔ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی توقعات پر پورا نہ اترا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ علامہ

نے جنرل ضیاء کو نشانہ بنا لیا۔ وہ ان پر اس طرح برسنے لگے جس طرح کبھی مسٹر بھٹو پر برسا کرتے تھے پیپلز پارٹی کے حامی بھی ان کی کڑک دار آواز سے حوصلہ پاتے اور سب کچھ بھول کر تالیاں بجانے لگتے۔

علامہ احسان الٰہی سے کوئی اتفاق کرے یا اختلاف یہ حقیقت ہے کہ ان کی تقریر دلوں سے خوف کو نکال باہر کرتی تھی۔ کمزور دل کے دل سے کمزوری کا احساس ختم کر دیتی تھی۔ خوف کا یہ دشمن بے خوف آدمی رخصت ہوا ہے تو اب تک خاموش خاموش سا ہے۔ اس شخص نے بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزاری۔ لگتا ہے یہ امیرانہ آن بان، اس زندگی میں بھی برقرار ہو گی اب شہادت کے انعامات سے لطف اٹھایا جا رہا ہو گا لیکن اے بھائی علامہ جو چاہو عیش کرو جس قدر چاہو مزے اڑاؤ مگر ہمیں یاد نہ آیا کرو تم جو یاد آتے ہو تو جینے کا کوئی لطف نہیں رہتا، زندگی میں کوئی کشش نہیں رہتی، موت کا کوئی ڈر نہیں رہتا دھماکوں کا کوئی خوف نہیں رہتا عجیب دوست ہو اس قدر دور جانے کے باوجود اس قدر قریب رہتے ہو ہمیں بے خوف بنانے سے اب بھی باز نہیں آتے ؟

تمہاری تازہ زندگی نے گزشتہ زندگی کو بھی مات دے دی ہے ... خدا مات !!!"

بقیہ : روئے گا تجھے زمانہ برسوں

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحدٍ
ولکنہ بنیان قومٍ تھدما

ان کی موت پر ان کے کس عزیز سے تعزیت کی جائے کس کو پرسہ دیا جائے اور کس کو صبر و حوصلے کی تلقین کی جائے ؟ واقعہ یہ ہے کہ ان کی موت کا صدمہ جماعت کے ہر فرد کو ہے ہر اس شخص کو ہے جو ملک میں اسلام کی بالادستی کا خواہاں اور حریت کا علمبردار ہے اس لئے پوری جماعت اور پوری قوم ہی تعزیت و ہمدردی کی مستحق ہے

اللھم أجرھم فی مصیبتھم واخلف لھم خیرا منھم
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے دین کے اس مخلص خدمت گزار کی لغزشوں سے درگزر فرما کر رحم و کرم کا خصوصی معاملہ اس سے فرمائے اس کی حسنات کو کفارۂ سیئات بنا دے اور اپنی رحمت و رضوان کے پھول ہمیشہ اس کی قبر پر برساتا رہے۔

فخر ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی شہادت سے ملک ایک روشن خیال عالم دین، بالغ نظر سیاست دان، بے مثال خطیب، بلند پایہ مصنف اور دعوت اصلاح و توحید اور احیائے کتاب وسنت کی تحریک کے قائد سے محروم ہو گیا۔ علامہ شہید علم وعمل کی بہت سی خوبیوں کے جامع تھے ان کا شمار ان نوجوان راہنماؤں میں ہوتا تھا جن سے ملک کے شاندار مستقبل کی توقعات وابستہ تھیں۔ وہ اہل حدیث یوتھ فورس کے نام سے ایک اصلاحی انقلابی اور ملت کے سچے خدمت گزاروں کی تنظیم کے بانی مبانی تھے اندرون ملک تمام مکاتب فکر کے راہنماؤں سے ان کے قریبی تعلقات تھے وہ ایک مشہور ملکی راہنما ہونے کے ساتھ بین الاسلامی شخصیت کے مالک تھے خصوصاً سعودی عرب کے حکمران خاندان اور علمائے دین سے ان کے قریبی تعلقات تھے اور ان تعلقات سے کام لے کر انہوں نے پاکستان میں احیائے کتاب وسنت کی تحریک کو بین الاسلامی تحریک بنا دیا تھا۔ وہ پاکستان اور سعودی عرب کے مابین اسلامی فکر کے سفیر تھے۔ ان کی وجہ سے دونوں ملکوں میں خیر سگالی کے تعلقات اور ایک دوسرے پر اعتماد اور تعاون کے رشتوں کو استحکام حاصل ہوا تھا۔

علامہ مرحوم کی اس خوبی اور خدمت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انہوں نے اہل حدیث جماعت میں حرکت وعمل کی روح پھونک دی تھی، جمود کو توڑا تھا اور ایک تحریک پیدا کر دی تھی ایک محدود مذہبی جماعت اور مختصر دینی مکتبۂ فکر کو ملک کی ایک بڑی سیاسی قوت بنا دیا تھا اہل حدیث بزرگوں نے تحریک آزادی میں بیش بہا خدمات انجام دی تھیں اور ایثار و قربانی کی سنت سلف کو تازہ کرتے رہے تھے لیکن گزشتہ ایک صدی میں ان کا اپنا کوئی پلیٹ فارم

یوتھ فورس نے اپنے جوش اور جذبہ عمل و خدمت سے بوڑھوں اور بزرگوں میں بھی ایک سرگرمی پیدا کر دی تھی۔ اہل حدیث کے تنظیم و اجتماع کے لیے یوتھ فورس ایک فعال تحریک ہے لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کوئی فرقہ وارانہ آرگنائزیشن ہے وہ اسلام کے خدمت گزاروں کی ایک اعلیٰ تنظیم ہے اس کے کارکن اسلام کی سربلندی اور احیائے کتاب و سنت اور قیام ملت کی ہر دعوت اور تحریک کے معاون و مددگار اور جمعیۃ اہل حدیث کے خادم ہیں۔ وہ اسلام کی غیرت کی علامت ہیں۔ اطاعتِ امیر اور خدمتِ اسلام ان کی سرشت ہے اس کے بانی مبانی علامہ احسان الٰہی ظہیر تھے۔ اب اگرچہ وہ ہمارے درمیان نہیں۔ لیکن خدمتِ اسلام و مسلمین کی یہ تحریک جاری رہے گی اور جمعیۃ اہلحدیث اس کی سرپرستی کرتی رہے گی

علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک بلند پایہ خطیب تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذاتی وجاہت کے ساتھ، علم کی دولت اور فکر کی بلندی سے نوازا تھا۔ ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ زبان پر انہیں عبور حاصل تھا۔ ان کی آواز میں گھن گرج تھی اور ان تمام خصائص نے ان کو میدان خطابت میں منفرد مقام عطا کیا تھا اور ان میں مجمع پر چھا جانے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی۔ انہوں نے اپنے جوہر خطابت اور کمال فن سے دعوتِ اسلامی کے فروغ، کتاب و سنت کے احیا اور ختم نبوت اور جمہوریت کے قیام کی تحریکات میں بیش از بیش حصہ لیا تھا۔

علامہ شہید اس عہد کے نامور مصنف بھی تھے اور ان کے ذوقِ تالیف و تصنیف کی یادگار ان کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں ہیں ان کی کتابیں اردو اور عربی میں ہیں اور بعض کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے انہوں نے ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے تھے دینی۔ سیاسی۔ اصلاحی، دعوتی موضوعات پر ان کے بے شمار مضمون ان کی یادگار ہیں انہوں نے ہفت روزہ اہل حدیث لاہور کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے تھے اور پچھلے سترہ سال سے زیادہ عرصے سے ترجمان الحدیث کے نام سے ایک علمی اور دعوتی ماہنامہ لاہور سے نکال رہے تھے۔

علامہ شہید مختلف علوم و فنون پر گہری نظر رکھتے تھے۔ تفسیر، حدیث، اصول فقہ، منطق فلسفہ وغیرہ کی باقاعدہ تحصیل انہوں نے گوجرانوالہ اور فیصل آباد کے مدارس میں کی تھی اردو، عربی، فارسی، تاریخ، فلسفہ اسلامیات میں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے اعلیٰ امتحانات پاس کئے تھے وہ مدینہ یونیورسٹی کے بھی فارغ التحصیل تھے۔ باقی صد ۳۸ پر

خیال تھا کہ اب مزید کسی اور کے سانحۂ شہادت پہ شاید لکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر سمیت دوسرے تمام مجروحین انشاءاللہ صحت یاب ہوجائیں گے تمام حضرات بارگاہ الٰہی میں ان کی صحت وعافیت کے لئے قلب سے دعاگو تھے لیکن مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَالَمْ یَشَاْ لَمْ یَکُنْ کے تحت بالآخر حادثے سے متاثر ہونے والی سب سے اہم شخصیت علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی راہگرائے عالم بقاء ہوگئے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ صاحب کی بائیں ٹانگ اور دایاں بازو بم کے خوفناک دھماکے سے سخت متاثر ہوئے تھے عام خیال یہی تھا کہ یہ زخم کاری ہونے کے باوجود مندمل ہوجائیں گے۔ حالت تشویشناک ہونے کے باوجود عام اندازہ یہی تھا کہ ابھی شاید ان کی حیات مستعار کے ایام باقی ہیں۔ خود صاحب مرحوم بھی اپنی صحت اور زندگی کے بارے میں پرامید تھے اس لئے وہ خود بھی اس عزم سے سرشار تھے کہ صحت مند ہونے کے بعد اسی تندہی اور انہماک سے ملک وملت اور اسلام کی خدمت میں مصروف رہیں گے جس طرح حادثے سے قبل وہ بقول ع جاوداں، پیہم دواں ہردم جواں ہے زندگی۔ کے مصداق تھے ان کے مداحین اور عقیدت مندوں کی دعائیں بھی یہی تھیں کہ وہ صحتیاب ہوکر دوبارہ قافلۂ حق کی سالاری، کاروانِ ملت کی حُدی خوانی اور توحید وسنت کی پاسبانی کا فریضہ اسی بے باکی اور بے خوفی سے ادا کریں جس میں وہ اپنے اقران وامائل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے مگر مشیت ایزدی ان تمام اندازوں اور گمانوں پر تقدیر اور حکمت الٰہی دعاؤں پہ غالب رہی اور ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء کی صبح کو ریاض (سعودی عرب) کے ہسپتال میں انتقال فرماگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مسجد نبویؐ میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ صاحب الفضیلۃ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ نے، جو اس وقت عالم اسلام کی نہایت بابرکت اور علم وفضل اور زہد وورع کے

لحاظ سے بے مثال شخصیت ہیں نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع جیسی مبارک جگہ میں، جہاں صحابہ کرامؓ جیسے پاکباز اور قدسی صفات لوگ مدفون ہیں۔ تدفین عمل میں آئی۔ گویا شہادت کے رتبہ بلند کے ساتھ ساتھ صحابہؓ و تابعینؒ کا قرب و جوار بھی قیامت تک کے لئے نصیب ہوگیا۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی کی طرح ابھی جوان بلکہ جوان رعنا ہی تھے ان کے جذبے اور ولولے بھی جوان تھے ان کی امنگیں اور آرزوئیں بھی جوان تھیں۔ ان کا دل جذبوں اور ولولوں سے معمور تھا ہزاروں خواہشیں ابھی ان کے سینے میں مچل رہی تھیں اور بہت سے علمی، عملی اور جماعتی منصوبے ان کے نہاں خانۂ دماغ میں محفوظ تھے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جن غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا ان کے پیش نظر ابھی ان سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں بلاشبہ وہ اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے لحاظ سے ملت کے مقدر کا ایک روشن ستارہ تھا جو ظلم اور دہشت گردی کے گہرے افق میں ڈوب گیا۔

فنِ خطابت میں وہ یکتا اور یگانہ تھے ان کا پرزور لہجہ اور زور تکلم ع

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

کا مصداق تھا۔ ان کی تقریر قوت استدلال کا شاہکار بھی ہوتی اور خطابت کے طنطنوں اور ہمہموں سے بھرپور بھی۔ اس میں آبشار کی سی روانی بھی ہوتی اور سمندر کا سا جوش و طغیان بھی۔ اس میں محبوب کی سی دل آویزی و طرب ناکی بھی تھی اور بادلوں کی سی گھن گرج بھی اس میں پھولوں کی سی لطافت بھی تھی اور برق خاطف کی حشر سامانیاں بھی۔ وہ بولتے تو سامعین کَاَنَّ عَلٰی رُءُوْسِهِمُ الطَّیْرُ کی صورت اختیار کر لیتے اس طرح سناٹا چھا جاتا گویا رفتارِ کائنات رک گئی ہے وقت جامد و ساکت ہو گیا ہے اور وحوش طیور بھی ان کی سامعہ نوازی سے مسحور و مبہوت ہیں۔

- مسلکِ اہلحدیث کی توضیح و تشریح پر ان کی تقریر بڑی مدلل، دلنشین اور موثر ہوتی۔
- شیعہ ازم پر ان کا خطاب نہایت پرزور ان کی کتابوں کے حوالوں سے مزین ہوتا۔

- سیرتِ رسول ؐ پہ ان کی گفتگو بڑی دل بہار ہوتی۔ سیرت کے روشن نقوش و ماغوں پر مرتسم ہو جاتے۔ سیرت کی حسین یادوں سے دلوں کا چمن مہک اٹھتا اور اتباع سنت کا جذبہ رگوں میں خون کی طرح دوڑتا اور گردش کرتا ہوا محسوس ہوتا۔
- فضائل صحابہ بھی ان کا دل پسند موضوع تھا اور مصائب صحابہؓ پر بولتے تو ہر آنکھ سے اشک رواں ہو جاتے ہر دل تڑپ اٹھتا اور بے اختیار زبان پر رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کا جملہ جاری ہو جاتا۔
- سیاست پہ بھی خوب تقریر کرتے حکمرانوں کے خوب لتے لیتے۔ انہیں للکارتے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت جرأت و بے باکی سے گفتگو کرتے اور سیاسی اسٹیج پر بقول شاعر ؎

پلٹنا، جھپٹنا، جھپٹ کر پلٹنا   لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

کے فن کا خوب خوب مظاہرہ کرتے۔

- تقریباً یہی انداز اور لب و لہجہ ان کا حریفانہ بذلہ سنجیوں میں ہوتا، تاہم مطائبات کی پھلجھڑیاں چھوڑ کر محفل کو زعفران زار بھی بنائے رکھتے اپنے سیاسی، مذہبی اور تنظیمی مخالفین کے ذکر پہ بالعموم عربی کا یہ شعر پڑھتے ؎

أنا صَخْرَةُ الوادي إذا ما زُوحِمت
وإذا نَطَقْتُ فإنّني الجَوْزَاءُ

- اپنے اکابر و اسلاف کی خدمات کا جب تذکرہ کرتے تو اس کے بعد عربی کا یہ شعر پڑھتے ؎

أولئكَ آبائي فجِئْني بِمِثْلِهِمْ
إذا جَمَعَتْنا يا جَرِيرُ المَجَامِعُ

- عربی، فارسی اور اردو کے اشعار کا ایک ذخیرہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا جنہیں وہ موقع و مناسبت کے مطابق اپنی تقریروں میں استعمال کر کے خوب داد و تحسین حاصل کرتے۔

الغرض علامہ صاحب اپنے وقت کے عظیم اور بے مثال خطیب تھے۔ میدان خطابت و تکلم میں بلا مبالغہ وہ اس شعر کے مصداق ہیں

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کا آئینہ دار تھے ان کی موت سے عروسِ خطابت کا حسن کجلا گیا ہے تکلم کا چمن اجڑ گیا ہے فصاحت و بلاغت کا جوش فرو ہو گیا ہے اور رونق منبر و محراب گھٹ گئی ہے اللہ تعالیٰ انہیں ان کی خطابت کی معرکہ آرائیوں پہ اور تکلم کی جولانیوں پہ جن سے دین کی خدمت سرانجام پائی ہے آخرت میں بہترین صلہ عطا فرمائے اور جوشِ خطابت اور زورِ تکلم میں اگر ان کی زبان نے کوئی لغزش کھائی ہے اس سے کسی کا دل دکھا ہے کوئی سینہ چھلنی ہوا ہے تو یا اللہ اپنے فضل و کرم سے مرحوم کی ان لغزشوں کو معاف فرما دے۔

ذہانت فطانت اور حافظہ و ذکاوت میں بھی علامہ مرحوم نہایت ممتاز تھے یہی وجہ ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کے خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ عالم بھی تھے۔ بلیغ مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف بھی تھے اور زبان کے ساتھ قلم کے بھی دھنی تھے مدینہ یونیورسٹی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب انہوں نے لاہور کو اپنے علم و عمل کی جولانیوں کے لئے منتخب کیا تو یہاں جامع مسجد اہلحدیث چینیانوالی کی خطابت کے ساتھ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے ترجمان ہفت روزہ "الاعتصام" کی ادارت بھی سنبھال لی اور کئی سال اس کے مدیر رہے چند سالوں کے بعد حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ سے "الاعتصام" کی پالیسی کے سلسلے میں اختلاف ہو گیا اور مولانا مرحوم نے "الاعتصام" امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث کی تحویل سے واپس لے لیا۔ چنانچہ مرکزی جمعیت نے اس کی جگہ اپنے نئے ترجمان ہفت روزہ "اہلحدیث" کا آغاز کیا جس کے اولین مدیر علامہ صاحب ہی تھے۔ بعد میں جب مرکزی جمعیت اہلحدیث کے میاں فضل حق سے ان کا اختلاف ہوا تو شیخ اشرف مرحوم کے جاری کردہ ماہنامہ "ترجمان الحدیث" کو اپنی ادارت اور تحویل میں لے لیا

بہرحال مقصود اس مختصر تفصیل سے یہ ہے کہ قلم و قرطاس سے بھی علامہ صاحب کا تعلق برابر رہا تاہم رفتہ رفتہ اردو صحافت سے ان کا رخ عربی کی طرف ہو گیا چونکہ کئی سال مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہے تھے اس لئے انہیں اردو میں بلا تکلف اظہار مافی الضمیر کی طرح عربی انشاء و تحریر پر

بھی عبور حاصل تھا چنانچہ انہوں نے عربی میں کئی کتابیں تالیف کیں۔ فرق و مذاہب کا موضوع انہوں نے پسند کیا اور اس سے متعلقہ مواد انہوں نے خاصی محنت اور کاوش سے جمع کیا۔ ایک کتاب "بابیت" پہ لکھی۔ ایک بہائیت" پہ ایک اسمٰعیلیت" پہ پانچ کتابیں شیعیت پہ لکھیں۔ ایک بریلوی مذہب پہ، آخری کتاب ان کی تصوف پہ آئی جس کا پہلا حصہ چھپ گیا ہے دوسرے حصے کی تکمیل غالباً انہوں نے کر لی تھی۔ تاہم وہ طبع نہیں ہوا قادیانیت پہ بھی عربی میں ایک کتاب لکھی اور یہ شاید عربی میں یہی کتاب ان کی اولین تصنیف تھی ابھی دیگر مذاہب و ادیان پہ بھی ان کا لکھنے کا ارادہ تھا کہ ؎

آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

کا معاملہ پیش آگیا۔

ان کی یہ کتابیں متعدد بار چھپیں کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور عربوں میں ان کے تعارف کا سبب بنیں بعض کتابوں کے انگریزی، سواحلی اور انڈونیشی زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے انکے اردو تراجم ان کے پیش نظر تھے مگر افسوس کہ اہل وطن قبل اس کے کہ ان کی تقریر و خطابت کی طرح ان کی تصانیف سے بھی کسب فیض کرتے۔ وہ دنیا کو ہی خیر باد کہہ گئے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

علامہ مرحوم کی ذاتی لائبریری بھی خاصی اور روز افزوں تھی جب بھی عرب ممالک کے دورں پہ جاتے تو کتابوں کا خاصا ذخیرہ ساتھ لاتے اور چند سالوں سے بیرونی دوروں میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا وفات سے چند ہفتے قبل جب بیرونی دورے سے واپس آئے تو جدید طبع شدہ کتابیں کافی تعداد میں لائے تھے۔

فرق و مذاہب چونکہ ان کا خاص موضوع تھا اس لئے اس موضوع پر بالخصوص انہوں نے بڑا وسیع مواد جمع کیا تھا اور اس میں مسلسل اضافہ کر رہے تھے وہ بجا طور پہ فرمایا کرتے تھے کہ شیعی لٹریچر کا جو وسیع ذخیرہ میرے پاس موجود ہے وہ کسی بڑے سے بڑے شیعہ عالم کے پاس بھی نہیں ہوگا شیعی لٹریچر پہ ان کی نظر بھی بڑی گہری تھی اس موضوع پر جنہوں نے ان کی تقریریں سنی ہیں انہیں ان کے مطالعے کی وسعتوں اور بے مثال حافظہ و استحضار کا بخوبی اندازہ ہے

وہ لاہور میں حضرت الاستاذ المحترم محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ کی قائم کردہ سلفیہ لائبریری کے قیام پہ بڑے خوش تھے اور خود بھی ایک وسیع مکمل اور جامع لائبریری کا منصوبہ اپنے ذہن میں

رکھتے تھے اور اس کے لئے کوشاں بھی تھے۔

نازو نعمت میں پروردہ ہونے کے باوجود اور ہر طرح کی دنیوی سہولتوں آسائشوں اور فراخیوں سے بہرہ ور ہونے کے باوصف بڑے جفاکش اور ان تھک تھے مسلسل بیرونی دورے اندرون ملک قریہ قریہ کوچے کوچے اور نگر نگر توحید و سنت کا پیغام پہنچانے کے لئے ہمہ وقت تیار اور مضطرب مجالس کی بزم آرائیاں اور تنظیمی معاملات کی کٹھنائیاں ان پر مستزاد ان سب ہی محاذوں پر وہ مصروف ہی نہیں خوب سرگرم رہے۔ اتنی مسلسل اور جانگداخت مساعی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے لئے مطالعہ کتب اور اخذ و اقتباس کا جانکاہ کام بھی سرانجام دیتے پھر خود باہر جا کر کتاب کی اشاعت اور فروخت کا اہتمام بھی کرتے بلاشبہ ایسی بے پناہ صلاحیتوں اور گوناگوں اوصاف کی حامل شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ وادریغا! دست اجل کی ایک ہی شوخی نے ایسی نابغۂ روزگار شخصیت ہم سے چھین لی ؎

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر

دینی و ایمانی غیرت و حمیت میں بھی اپنی مثال آپ تھے یہ خوبی بھی آجکل نہایت کمیاب ہے ہمارے ملک کی سیاست پر بالعموم وہ لوگ چھائے ہوئے ہیں جن کی فکر و نظر کے پیمانے کارگہ مغرب کے ڈھلے ہوئے ہیں اس لئے شاطران سیاست یا تو سرے سے دین و مذہب کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے یا پھر وہ اسے ایک پرائیویٹ معاملہ رکھنا چاہتے ہیں جس کا ریاست و سیاست کے امور سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دینی و ایمانی غیرت و حمیت نام کی کوئی چیز اہل سیاست کی اکثریت میں موجود نہیں چنانچہ ملک میں یورپ کی بے حیائی، آبرو باختگی، عریانی و فحاشی اور سرمایہ دارانہ تہرانیت پر مبنی تہذیب و معاشرت کے روز افزوں غلبہ و تسلط پر اہل سیاست کو نہ صرف کوئی تشویش ہی نہیں بلکہ وہ خود بھی اس کے والہ و شیدا ہیں ان کی بیگمات اور دیگر اہل خانہ مغربی تمدن کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور مغرب کی خدا فراموشی و مذہب بیزاری کو یہاں عام کر رہے ہیں۔

اس طرح کچھ لوگ صرف سرمایہ و محنت کی حد تک مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے سوشلسٹ طرز معیشت کا نفاذ اس ملک میں چاہتے ہیں اور اسلام کے نظام عدل کی بجائے

سوشلزم اور کمیونزم کے جبر و استبداد کا راستہ ہموار کر رہے ہیں یہ دونوں طبقے ملک میں اسلام کے خلاف بغاوت کے رجحانات کو فروغ دے رہے ہیں۔

علامہ مرحوم اپنی ایمانی غیرت و حمیت کی وجہ سے ان دونوں طبقوں کے خلاف نہ صرف بھرپور جذبات رکھتے تھے بلکہ ان کے لئے سیف برّاں کی حیثیت رکھتے تھے وہ ملک میں صرف محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اسلام نافذ کرنا چاہتے تھے مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے وہ حامی تھے نہ سوشلسٹ معیشت کے وہ بجا طور پر دونوں نظاموں کو ملک و ملت کے لئے نہایت خطرناک اور تباہ کن سمجھتے تھے۔ اور دونوں طبقوں کے خلاف اپنا اسلامی و ایمانی کردار ادا کرنے کا نہایت پختہ عزم رکھتے تھے وہ آزادی نسواں کی اس تحریک کے بھی سخت خلاف تھے۔ جس کا آغاز مغرب میں ہوا اب وہ پاکستان میں بھی اپنے بال و پر نکال رہی ہے جس کا مقصد مسلمان عورت کو بے پردہ اور بے آبرو کر کے مردوں کے دوش بدوش کھڑا کرنا ہے۔ یہ تحریک چونکہ خالصتہً مغربی نظریۂ مساوات مرد و زن پر مبنی ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے یکسر متصادم ہے لیکن بدقسمتی سے اہل سیاست کی اکثریت اس تحریک کے خلاف لب کشائی کی جرأت سے محروم ہے علامہ مرحوم نے ببانگ دہل، ڈنکے کی چوٹ آزادی نسواں کی علمبردار ان بیگمات کو بھی للکارا جنہوں نے اپنے جلوس میں اسلام کی واضح تعلیمات کے خلاف نعرے لگانے کی بدبختانہ اور شوخ چشمانہ جسارت کی تھی۔ آہ سے

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

مسلک اہلحدیث بھی چونکہ اس خالص اور بے آمیز اسلام کا نام ہے جو قرآن و احادیث صحیحہ میں محفوظ ہے اور جس کا بہترین عملی نمونہ دور خیر القرون ۔ عہد صحابہ و تابعین ۔ میں ملتا ہے اس لئے علامہ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ مسلک سے بھی والہانہ لگاؤ اور اس کی شدید عصبیت رکھتے تھے۔ یہ خوبی ان کو اپنے والد حاجی ظہور الٰہی دام ظلہ سے ورثے میں ملی تھی حاجی صاحب موصوف بھی مسلک اہلحدیث سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں اور یہ مسلکی محبت انہوں نے اپنے تمام بیٹوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے یہ تمام بھائی (شکور الٰہی، محبوب الٰہی فضل الٰہی اور عابد الٰہی) اپنے والد محترم کی طرح مسلک سے بے پناہ محبت اور اس سے والہانہ

لگاؤ رکھتے ہیں اور اس کی تبلیغ و اشاعت اور حمایت و مدافعت میں سیماب وار کوشاں رہتے ہیں۔ کثر اللہ امثالھم فینا

علامہ صاحب باوجود اس بات کے کہ ان کے تعلقات ہر مکتبہ فکر کے علماء و زعماء سے تھے علاوہ ازیں ملک کے سیاسی لیڈر بھی تھے اور یہ دونوں چیزیں۔ وسعت تعلقات اور لیڈری۔ انسان کی مسلکی عصبیت کو بالعموم متاثر کرتی اور اس میں مداہنت و نامناسب رواداری کے جذبات کو فروغ دیتی ہیں۔ لیکن علامہ صاحب اپنی اس خوبی میں بھی نہایت ممتاز رہے کہ وسیع تر تعلقات اور سیاسی قیادت کے منصب پر فائز ہونے کے باوصف ان کی حمیت میں کوئی کمی نہیں آئی مسلک کی حقانیت پر ان کا یقین غیر متزلزل رہا اور اس کی حمیت و عصبیت میں ایک فولادی چٹان اور اس کی حمایت و مدافعت میں ہر محاذ پر سینہ سپر رہے

بہر حال علم و عمل کا وہ ایک ایسا پیکر تھے جس میں سیمابی روح بھری ہوئی تھی آرام سے بیٹھنا تو وہ جانتے ہی نہ تھے ہر وقت مشین کی طرح متحرک اور اپنوں اور بیگانوں سب سے اپنے اپنے انداز سے نبرد آزما اور کچھ نہ کچھ لڑنے میں مصروف۔ اللہ تعالے نے ذہنی و علمی صلاحیتوں اور اقدام و عمل کی توانائیوں سے خوب خوب نوازا تھا اور بیک وقت منفی و مثبت چیزوں بلکہ تضادات کا ایسا عجیب و غریب امتزاج ان کی ذات میں پایا جاتا تھا کہ حیرانی ہوتی تھی پر سچ ہے سہ

ولیس من اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

افسوس جوانی کے عالم میں ہی علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا وہ زبان خاموش ہو گئی جو اہل باطل کے لئے صور اسرافیل کی حیثیت رکھتی تھی وہ دل ساکن ہو گیا جو اسلام اور مسلک کے لئے دھڑکتا تھا وہ سینہ سرد پڑ گیا جو جذبات اور تمناؤں سے معمور تھا وہ آنکھیں بند ہو گئیں جو مسلمانوں کے غم میں اشک بار رہتی تھیں۔ وہ قلم ٹوٹ گیا جس سے وہ اپنے داغہائے جگر صفحات قرطاس پر منتقل کرتے تھے اور وہ دست و بازو شل ہو گئے جو شب و روز شمشیر زنی و نبرد آزمائی میں مصروف تھے۔ اَيَّتُهَا النَّفْسُ اَجْمِلِي جَزَعًا

فَإِنَّ مَا تَحْذَرِيْنَ قَدْ وَقَعَا

بلا شبہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی موت شخص واحد کی موت نہیں، ایک عہد کا خاتمہ ہے ایک مسیحا نفس کا ماتم ہے تاجدار اقلیم خطابت کا نوحہ ہے اور شہر یار علم و ادب کا مرثیہ ہے

باقی ص ۱۰۳ پر

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

تحریر :- جناب محمد اسلم سیف فیروز پوری - ماموں کانجن

شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ پر نظم و نثر اردو ، عربی ، فارسی ، پشتو بنگلہ ، انگریزی ، فرانسیسی اور دیگر زبانوں میں اب تک سینکڑوں ارباب دانش ، اصحاب علم دادِ سخن دے چکے ہیں آئندہ نامعلوم سینکڑوں ، ہزاروں اہل قلم علامہ صاحب کو کس کس انداز میں اور کن کن اسالیب میں خراج عقیدت پیش کریں گے ۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ ۱۹۸۷ء کی سب سے بڑی شخصیت تھے آج کی اس مجلس میں علامہ صاحب کی زندگی کا ایک پہلو جیسے شجاعت ، بسالت ، تھور ، جرأت ، بیباکی ، بے خوفی اور بطلیت کہا جاتا ہے ، کے بارے میں عرض کیا جائے گا ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم ابطال ، اشجاع اور نڈر افراد و اشخاص کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس حقیقت کے اعتراف کے بغیر چارہ نہیں کہ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ جیسی سرآمدِ روزگار شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں ۔ لیل و نہار کی لاکھوں گردشوں کے بعد مادر گیتی وطن سے ایسی بہادر شخصیتیں جنم لیتی ہیں ۔ اقبال مرحوم نے شائد ایسی نادرہ روزگار اور عبقریت کی حامل شخصیتوں کو پیش نظر رکھ کر کہا تھا ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

برصغیر پاک و ہند میں یوں تو بڑی بڑی شخصیتیں بطن گیتی سے اٹھیں ۔ ایک عرصہ تک جن کا پورے ملک میں چرچا رہا ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ، مولینا سید داؤد غزنویؒ مولینا ثناء اللہ امرتسریؒ ، مولینا محمد ابراہیمؒ سیالکوٹی ، علامہ شبلی نعمانیؒ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، مولینا ظفر علی خانؒ ۔ لیکن جن دو شخصیات کا پورے برصغیر میں طوطی بولتا تھا ، وہ تھے امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ متوفی فروری ۱۹۵۸ء رئیس الاحرار مولینا محمد علی جوہر متوفی ۱۹۳۰ء اللہ تعالیٰ نے ان دو شخصیات کو جو بہادری ، شجاعت ، بسالت ، جرأت ، بے باکی ، بے خوفی اور تہور عطا

فرمایا تھا۔ ان کی صحیح جھلک علامہ احسان الٰہی ظہیر کی حیات مستعار میں صاف دکھلائی دیتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ خالقِ کائنات نے احسان الٰہی ظہیر کو وہ سب کمالات اور تمام صلاحیتیں وہ تمام قابلیتیں پوری فیاضی سے عطا فرمائی تھیں جو ایسے راہنماؤں اور نابغۂ عصر شخصیتوں کے لیے ضروری ہیں، وہ راہنما جو ملکوں اور قوموں میں انقلاب لاتے ہیں۔ سوتی بستی جگاتے ہیں اور ممولوں کو شہباز سے لڑا دیتے ہیں جو خلوص و استقامت کا ایک دریائے بے کراں اور علم و فضل کا بحرِ بے کنار ہوتے ہیں۔ قسام ازل سے ایسی شخصیتوں کو پارے کی بے قراری، بجلیوں کی بے تابی، آبشاروں کا خروش، پہاڑوں کی ہیبت، خطابت کی جادوگری، شخصیت کی دلآویزی، خلقی اور فطری محبوبیت کی جاذبیت بکثرت ملتی ہیں۔

عصر حاضر میں علامہ احسان الٰہی ظہیر مذکورہ بالا اوصاف کے صحیح حامل تھے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ پر ہماری مفصل کتاب جسے ہم اپنے فاضل دوست جناب بشیر انصاری مدیر اعلیٰ الاسلام کے اشتراکِ عمل سے مرتب کر رہے ہیں وہ دس ابواب پر مشتمل تقریباً آٹھ سو صفحات پر بکھری ہوئی ہے۔ پوری تفصیل کے ساتھ ایک بے نظیر کتاب کی صورت میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہی ہے جو بہت جلد قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی علامہ صاحب کی یہ سوانح حیات برصغیر پاک و ہند میں تحریک اہل حدیث کا ایک مرقع ہو گی۔

علامہ صاحب کی زندگی کی تمام جزئیات، کلیات اور تفصیلات نہایت مربوط انداز میں اس میں آچکی ہیں ملک و ملت میں علامہ صاحب نے جو غیر فانی اور لازوال نقوش ثبت کیے ہیں ان کی ہنگامہ آرائیاں اور جلوہ افروزیاں اس کتاب کے بغیر شاذ کہیں یکجا نہ ملیں یہ کتاب علوم و معارف کا گنجینہ۔ حیات احسان الٰہی ظہیرؒ کا خزینہ ہو گی لیکن آج ہمارا موضوع علامہ صاحب کی جرأت و شجاعت اور تہور و بیباکی ہے اگرچہ یہ موضوع بھی بہت طویل ہے اس موضوع کی تمام تر تفصیلات بھی آپ کو ہماری تصنیف "علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ ایک عہد ایک تحریک" میں ملیں گی۔ سردست ہم اس مضمون میں علامہ احسان الٰہی ظہیر کے چند واقعات مختصراً پیش کرتے ہیں۔

ختم نبوت زندہ باد

علامہ احسان الٰہی ظہیر ۱۹۶۷ء کے آخر میں مدینہ یونیورسٹی سے مراجعت فرمائے وطن ہوئے شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی مرحوم نے مولانا سید عبدالواحد غزنویؒ، مولانا سید احمد علی غزنویؒ مولانا سید

داود غزنوی رحمہ اللہ کی مسند چینیانوالی مسجد میں علامہ صاحب کو لا بٹھایا۔ دور ایوبی اپنے عروج پر تھا سید احمد سعید کرمانی مغربی پاکستان کے وزیر اطلاعات تھے۔ کرمانی صاحب نے قادیانیوں سے اپنے دیرینہ تعلقات کی وجہ سے ان کو تحفظ دینا شروع کیا۔ آغا عبدالکریم شورش کاشمیری مرحوم متوفی اکتوبر ۱۹۷۵ء کو محض مسئلہ ختم نبوت بیان کرنے کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا ان کا پریس ضبط کر لیا گیا۔ شورش کاشمیری کو کراچی جیل میں بھیج دیا گیا۔ ملک کی مذہبی دنیا پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جلیہ باز علماء کرام پر سکوت مرگ طاری تھا۔ منبر و محراب کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں وہ علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ وہ حال ہی میں مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر مسجد چینیانوالی لاہور میں پہنچے تھے چنانچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ جانشین، احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ وارث اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کا یہ روحانی فرزند پوری شجاعت سے عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر میدان وغا میں اترا۔ ایوب شاہی اور کرمانی ذہنیت کو للکارا۔ اور ہر جمعہ کو تازہ اشتہار چھپوا کر ختم نبوت کے موضوع پر نہ صرف ایوب شاہی کو چیلنج کیا بلکہ انہیں خوب لتاڑا اور انہیں بتایا کہ اسلام کی راکھ میں ایسی چنگاریاں ابھی باقی ہیں جو تمہیں چشم زدن میں بھسم کر سکتی ہیں اور حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے ہر جمعہ میں سامعین میں ارتعاش پیدا کرتے رہے تا آنکہ علامہ صاحب کی شجاعت اور استقامت نے حالات کے دھارے کو صحیح رخ پر موڑ دیا۔

حق کی پکار

۱۹۷۲ء میں صوبہ سندھ میں ممتاز علی بھٹو کے اقتدار و اختیار کا طوطی بولتا تھا ممتاز علی بھٹو نے اپنے اقتدار کو تحفظ دینے اور وفاقی حکومت میں اپنے تشخص کو ابھارنے کے لیے پوری بے رحمی سے سندھ میں لسانی فسادات کروا ڈالے ممتاز بھٹو کے اس فتنہ سے شہر تو قدرے محفوظ رہے لیکن دیہاتوں میں بیسیوں غیر سندھی مسلمان تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ سینکڑوں اور ہزاروں زخمی ہو گئے۔ مکانوں اور دکانوں کو آگ لگا دی گئی۔ بے شمار جانی اور مالی نقصان ہوا پنجاب سے جو وفد سندھ کے حالات کا جائزہ لینے اور اس لسانی آتش فشاں کو ٹھنڈا کرنے اور بھٹو شاہی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ملکی حالات کو صحیح ڈگر پر لانے کے لیے سندھ کو روانہ ہوا ان میں نوابزادہ نصراللہ خاں کے ساتھ ساتھ سب سے قد آور علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی ذات گرامی تھی۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی بھٹو شاہی کے خلاف للکار اور یلغار نے چند دنوں میں سندھی

سیاست کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔ علامہ صاحب کی شعلہ بیانی۔ آتش نوائی، جرأت و بیباکی اور شجاعت نے ممتاز بھٹو کی سازش اور جبر و تشدد کے نقاب کو الٹ کر رکھ دیا علامہ صاحب نے اپنے ولولہ انگیز خطابات میں فرمایا کہ میں پنجاب سے حق کی پکار بن کر آیا ہوں۔ باب اسلام سندھ میں ممتاز بھٹو کی کسی سیاسی خباثت، لسانی سازش اور جبر و تشدد کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ صاحب اور ان کے رفقاء کا یہ ہفت روزہ دورۂ سندھ کے حالات کو پرسکون بنانے میں انتہائی ممد ثابت ہوا۔

کھر کا دورِ حکومت اور علامہ صاحب

پنجاب میں گورنری کے منصب پر بڑی جابر متشدد۔ ظالم اور نہایت اہل جلم شخصیتیں براجمان ہوتی رہی ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے پنجاب کی تذلیل کرتے ہوئے ایک نیم خواندہ شخصیت غلام مصطفےٰ کھر کو پنجاب کا گورنر بنایا۔ کھر کا دورِ حکومت جبر و تشدد ظلم و طغیان اور غضب و نہب کا دور تھا۔ کھر نے پورے پنجاب میں سناٹا طاری کر رکھا تھا کھر کے دورِ حکومت میں بڑی بڑی شخصیتوں کے پتے آب آب ہو چکے تھے کوئی شخص کھر سے پنجہ آزمائی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ کھر کی قہرمانیت کے خلاف سب سے پہلے آغا شورش کاشمیری مرحوم میدان میں اترے پھر ان کے تتبع میں علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ بھی میدان میں آ گئے لاہور۔ راولپنڈی۔ گوجرانوالہ۔ فیصل آباد۔ ملتان، بہاولپور۔ وہاڑی۔ بوریوالہ، میاں چنوں، خانیوال میں علامہ احسان الٰہی ظہیر کی رعد آسا ولولہ انگیز، جرأت آمیز اور ایمان افروز خطابات نے سیاسی طور پر کھر کا انجر پنجر ہلا ڈالا۔ کھر نے علامہ احسان الٰہی ظہیر پر ایک درجن کے قریب مقدمات دائر کرائے ان میں ایک قتل کا مقدمہ بھی تھا لیکن کھر کی کوئی دھمکی علامہ صاحب کو نہ ڈرا سکی نہ جھکا سکی۔ اور نہ ہی کوئی پیشکش ان کے قدموں کو ڈگمگا سکی۔ علامہ صاحب کی جرأت، بیباکی اور شجاعت نے کھر صاحب کو اپنے اقتدار و اختیار سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا۔

حنیف رامے کا دورِ حکومت

بھٹو گردی نے پنجاب کی سیاست میں ہمیشہ مدوجذر رکھا۔ پنجاب کی وزارت علیا اور پنجاب کی گورنری میں کسی پنجابی لیڈر کو جم کر کام نہیں کرنے دیا بلکہ پنجاب کی سیاست کو ملک معراج خالد ملک غلام مصطفےٰ کھر مخدوم صادق قریشی مسٹر حنیف رامے کے محور پر گھمایا۔ تاکہ اس افراتفری کی سیاست میں آخری مقام بھٹو صاحب کو ہی حاصل رہے۔ بھٹو ہی کی بات حرفِ آخر سمجھی جائے مسٹر رامے

ادیب، دانشور، صحافی، آرٹسٹ اور سوشلزم کے حامی ہیں۔ ایک عرصہ تک وہ وال روٹی کے علمبردار بھی رہے۔ بایں دعویٰ، بایں غربت اس مہنگائی کے دور میں وہ کئی برس امریکہ میں بھی غریبوں کے غم میں گھلتے رہے ہیں۔

رامے صاحب دین کے معاملے میں بھی اپنی عظیم دانش کے دعویدار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی وزارت علیا کے زمانے میں لاہور اسمبلی ہال میں لاہور شہر کے تمام مکاتب فکر کے علماء فضلاءؒ، خطباء اور مبلغین کا ایک اجلاس بلایا جس میں لاہور کے تمام مکاتب فکر کے نامور علماء شامل تھے علامہ صاحب مرحوم کو بھی رامے صاحب نے پہلے فون، پھر سپیشل پیغام بھیج کر مدعو کیا علامہ صاحبؒ جب اس اجلاس میں تشریف لائے تو رامے صاحب اپنے خطاب میں علماء کو گھور رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ میں قرآن کا ایک طالب علم ہوں لیکن پورے قرآن میں العیاذ باللہ مجھے کہیں بھی اسلامی دستور نظر نہیں آیا رامے صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ علماء میں راست بازی اور جرأت اظہار نہیں ہے وہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے دب جاتے ہیں۔ علماء کی اکثریت ماشاءاللہ اور سبحان اللہ کے ڈونگرے برسا رہی تھی۔ رامے صاحب اپنا خطاب ختم کر کے جب بیٹھ گئے تو علامہ صاحبؒ از خود فوراً اٹھے اور رامے کے پاس جا کر سٹیج پر خطاب شروع کر دیا۔ علامہ صاحبؒ نے اپنے روایتی گھن گرج میں فرمایا کہ میں قرآن کے طالب علم سے مخاطب ہوں اور اسے بتانا چاہتا ہوں کہ تم نے دنیا میں سب سے بڑا جھوٹ بولا ہے۔ اگر قرآن میں اسلامی دستور نہیں تو بتاؤ پھر قرآن میں ہے کیا؟ قرآن نے خدائی احکام کے بغیر باقی سب کو طاغوت قرار دیا ہے قرآن تم جیسے کج فکر، کج فہم، کج ذہن انسانوں کو طاغوت ہی قرار دیتا ہے۔ قرآن کے ایک ایک لفظ میں اسلام کا دستور حیات مضمر ہے۔ قرآن اسلامی دستور کی بنیادی دفعات کے متن کی حیثیت رکھتا ہے۔ سرور کائنات علیہ السلام کے فرمودات اس کی تشریح۔ توضیح اور تفسیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت کو جابجا زوردار الفاظ سے واضح کرتا ہے اطاعت رسول، اتباع رسول اسوۂ رسول کا دوسرا نام اسلامی دستور ہے۔ قرآن پاک نے صاف کہا کہ

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليماً ٥

دوسری جگہ قرآن نے فرمایا۔

یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ہ

تیسری جگہ قرآن پاک نے اسلامی دستور کی مرکزیت اور قطعیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

وما کان لمؤمنٍ ولا مومنةٍ اذا قضی اللہ ورسولہٗ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً ہ

قرآن کے اس ارشاد

ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا کے بعد اسلامی دستور سے گریز وفرار کی کوئی راہ باقی رہ جاتی ہے ؟ اس موضوع پر بحمداللہ میں قرآنی آیات کا انبار لگا سکتا ہوں۔ قرآن پاک نے اسلامی دستور کے منکروں کو واشگاف الفاظ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون ایک آیت میں فرمایا فاسقون اور ایک آیت میں ظلمون فرمایا۔ علامہ صاحبؒ کی جرأت اور اس دلیری پر مجمع علماء الحمدللہ کہتا جا رہا تھا

علامہ صاحبؒ نے پوری جرأت سے رامے صاحب کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا کہ ایک عالم بیس برس سے اوقاف کی مسجد کا خطیب ہے اس کے بچے بچیاں جوان ہیں۔ وہ بالواسطہ آپ کا ملازم ہے۔ اب اگر وہ جرأت اظہار سے کام لیتا ہے راست بازی اور صداقت شعاری کا ثبوت دیتا ہے تو رامے صاحب اور اس کے یمین ویسار اولاً اسے مسجد کی امامت و خطابت سے موقوف کر دیں گے ثانیاً اس کو اس کی مسجد سے اٹھا کر سینکڑوں میل دور کہیں کسی دور افتادہ مقام پر اس کا تبادلہ کروا دیں گے اب تمہی بتاؤ کہ وہ جرأت اظہار کیسے کر سکتا ہے اور راست بازی کا ثبوت کیسے بہم پہنچا سکتا ہے ؟ کیونکہ اس کے سر پر تمہارے اختیار واقتدار کی تلوار لٹکتی ہے میں تمہارا ملازم نہیں میں تمہیں روکتا بھی ہوں اور ٹوکتا بھی ہوں اور انشاءاللہ ہمیشہ احتساب کا ڈنڈا بن کر تمہارے سر پر لٹکتا رہوں گا۔ رامے صاحب کی پیشانی عرق آلود ہو چکی تھی اسے بری طرح پسینے چھوٹ رہے تھے۔ علامہ صاحبؒ کی بے باکی اور بہادری سے

اس کے چہرے کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ علامہ صاحبؒ کے بعد کسی عالم نے تقریر نہیں کی۔ مولانا سید ابوبکر غزنویؒ کو دعوت سخن دی گئی تو سید صاحبؒ نے فرمایا میرے بھائی علامہ صاحب کے خطاب کے بعد میں مزید گفتگو کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ مولوی محمد بخش مسلم، مولانا عبیداللہ انورؒ۔ مولانا احسان اللہ فاروقیؒ۔ مولانا محمود رضوی، مولانا عبدالقادر آزاد شاہی مسجد والے سٹیج پر آئے اور سب نے یہی کہہ کر بات ختم کر دی کہ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کے خطاب کے بعد مزید کسی بات کی گنجائش نہیں۔ رامے صاحب نے دوسرے کمرے میں علماء کی چائے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ علماء کرام چائے کے لیے تشریف لے گئے۔ علامہ صاحبؒ باہر کو چلے گئے رامے صاحب نے آدمی بھیج کر چائے کے لیے علامہ صاحب کو بلوایا۔ رامے صاحب کی میز پر ایک کرسی خالی تھی علامہ صاحب بڑھ کر اسی کرسی پر براجمان ہو گئے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ نے رامے صاحب کی میز سے ایک بسکٹ اٹھا کر رامے صاحب سے کہا کہ تم مساوات کے علمبردار ہو۔ بتاؤ جو بسکٹ تمہاری میز پر رکھے گئے ہیں کیا وہی علماء کی میز پر ہیں؟ ارے جو لوگ چائے کی میز پر مساوات نہیں کر سکتے وہ کس منہ سے مساوات کے علمبردار بنے ہوئے ہیں؟ اور ان سے کیسے انصاف کی توقع کی جا سکتی ہے۔ رامے صاحب اس تفاوت کے ثبوت سے پسینہ میں شرابور ہو گئے اور حکم دیا کہ علماء کی میزوں سے پہلے بسکٹ اٹھوائے جائیں اور وہی بسکٹ علماء کو پیش کئے جائیں جو میری میز پر رکھے گئے ہیں جب مجلس برخاست ہوئی تو ایک حنفی بزرگ نے فرمایا احمد بن حنبلؒ کا جانشین اہل حدیث عالم ہی ہو سکتا ہے ایک بزرگ نے کہا کہ علامہ صاحبؒ ہی ابن تیمیہؒ کے وارث ہو سکتے ہو۔ الغرض علماء کی اکثریت نے علامہ صاحب کی جرأت، بیباکی اور شجاعت کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔

تحریک نظامِ مصطفےٰ

۱۹۷۷ء میں انتخابات میں پیپلز پارٹی کی دھاندلیوں کے ردعمل میں قومی اتحاد کے سٹیج سے ایک زبردست اور مثالی تحریک چلی۔ تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے قدآور شخصیت علامہ صاحبؒ ہی نظر آتے ہیں۔ جب قومی اتحاد کے مرکزی قائدین گرفتار کر لیے گئے لاہور صف ثانی اور صف ثالث کے لیڈروں سے خالی ہو گیا اور قومی اتحاد میں شامل جماعتوں کے صوبائی قائدین بھی حراست میں لے لئے گئے لاہور اور کراچی میں کرفیو نافذ کر دیا گیا تو اس وقت پوری شجاعت اور حوصلے سے علامہ صاحب نے تحریک نظام مصطفےٰ کی قیادت سنبھالی، جس جرأت، بے باکی

حوصلے ہمت اور بہادری سے علامہ صاحبؒ نے نظام مصطفےٰ کی تحریک کی قیادت فرمائی وہ ہماری اسلامی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے کرفیو کے نفاذ کے باوجود علامہ صاحبؒ بھیس بدل بدل کر مسجد شہدا میں بڑی شجاعت سے خطاب فرماتے رہے اور پورے پاکستان کے کارکنوں کی راہنمائی فرماتے رہے علامہ صاحبؒ اس وقت بھٹو گردی کے خلاف نہ صرف شمشیر برہنہ بلکہ دو دھاری تلوار بنے رہے اس باب میں علامہ صاحبؒ کا کردار اتنا شجاعانہ ہے کہ تاریخ پاکستان اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حتیٰ کہ قومی اتحاد کے جلوس کو دیکھ کر ملٹری نے لکیر کھینچ دی کہ جو اسے کراس کرے گا۔ وہ ملٹری کی گولی سے بچ نہیں سکے گا علامہ صاحبؒ نے جرأت مومنانہ تگ و تاز مجاہدانہ اور جذبہ شجاعانہ سے کام لے کر سینے کے بٹن کھولتے ہوئے لکیر سے آگے بڑھ کر فرمایا کہ میں لکیر عبور کر چکا ہوں اگر تم میں ہمت ہے تو میرا سینہ گولیوں سے چھلنی کر دو ہم نے آگے بڑھنا سیکھا ہے پیچھے ہٹنا نہیں سیکھا۔ ہمیں جھپٹنا آتا ہے پلٹنا نہیں آتا۔ علامہ صاحبؒ کی اس بہادرانہ جرأت سے متاثر ہو کر ملٹری نے لاہور سے کرفیو اٹھا لیا۔

ذوالفقار علی بھٹو اور علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

پاکستان میں بھٹو شاہی کا دور آمریت اور من مانی کارروائیوں میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے بھٹو صاحب عوام کے کندھوں پر سوار ہو کر ایوان اقتدار تک پہنچے لیکن بھٹو صاحب نے بے مثال عوامی حمایت کا صلہ عوام کو عوامی مارشل لاء کی شکل میں دیا، ملٹری کا مارشل لاء تو بارہا دیکھا اور سنا ہے لیکن عوامی مارشل لاء کا در بطن شاعر وجود نہیں لیکن قائد عوام نے عوامی مارشل لاء کے نام پر چیف مارشل لاء بن کر دکھایا اور پاکستان کو دنیا بھر میں رسوا کیا عوامی مارشل لاء کے خلاف سب سے پہلے زوردار آواز جو منٹو پارک میں عید کے زبردست باعظمت عظیم تاریخی اجتماع میں اٹھی۔ وہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی آواز تھی۔ علامہ احسان الٰہیؒ نے اپنے اسلاف کی عظیم روایات کا تحفظ کرتے ہوئے اس تاریخی اجتماع میں بھٹو شاہی کو للکارا اور صاف صاف کہا اگر تم عوامی مارشل لاء کے نام پر اپنی آمریت قائم کرنا چاہتے ہو تو تمہیں قائد عوام کہلانے پر شرم آنی چاہیئے بالکل اسی طرح بطل حریت حضرت مولینا سید داؤد غزنوی علیہ الرحمہ نے منٹو پارک کے عید کے عظیم اجتماع میں ایوب خان اور اس کے مارشل لاء کو للکارا اور ہدف تنقید بنایا تھا۔ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ بھٹو کے دور آمریت اور دور فسطائیت میں شمشیر برہنہ بن کر بھٹو شاہی کے سر پر لٹکتے رہے پورے ملک میں منبر و محراب سے سب سے پہلی اور سب سے زوردار آواز

جو بھٹو ایسے فاشسٹ کے خلاف اٹھی تو وہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی آواز تھی۔ بھٹو کا دورِ حکومت سیاسی جماعتوں، سیاسی ورکروں اور دینی حلقوں کے لیے ابتلا و آزمائش کا دور تھا۔ بھٹو شاہی کے خلاف سیاسی جماعتوں کا جو قافلہ خم ٹھوک کر میدان میں اترا۔ علامہ صاحبؒ بھی اس قافلہ کے حُدی خوانوں میں سب سے نمایاں تھے علامہ صاحب نے اس جماعت میں شمولیت اختیار کی جو بھٹو کے خلاف شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتی تھی۔ یعنی تحریکِ استقلال۔ علامہ صاحبؒ نے بھٹو کے دورِ آمریت میں بابائے جمہوریت نوابزادہ نصراللہ خاں کوہِ استقلال چوہدری ظہور الٰہی شہید آبروئے شجاعت ائیر مارشل اصغر خاں کا پوری بہادری، استقامت اور جرأت سے حقِ رفاقت ادا کیا سچی بات یہ ہے کہ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ جہتی جھلک نمایاں تھی مقدمات کی بھرمار کے باوجود بھٹو شاہی کے جبر و تشدد کے باوصف علامہ صاحب ہمیشہ سر اونچا کر کے چلتے تھے۔ بھٹو کی آمریت قہرمانیت، جبر و تشدد اور عظیم پیشکیشیں علامہ صاحب کو نہ ڈگمگا سکیں اور نہ ہی علامہ صاحب کے پائے استقلال میں کوئی لرزش پیدا کر سکیں، اور نہ ہی ان کے عزم راسخ اور جذبہ ولولہ میں کوئی تذلزل پیدا ہو سکا۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات اور تحریک نظام مصطفےٰ میں علامہ احسان الٰہیؒ نے جس شجاعت، بسالت، بہادری اولی العزمی۔ جرأت و استقامت اور بے باکی کا مظاہرہ فرمایا وہ تاریخ بحالی جمہوریت اور نفاذِ اسلام میں ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

جنرل ضیاء الحق کا دورِ حکومت

جنرل ضیاءالحق نوے دن میں انتخابات کے وعدہ پر اقتدار و اختیار پر قابض ہوئے تھے۔ پانچ شرعی حدود کا نفاذ کیا لیکن جنرل صاحب نے عملاً کسی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ نام نہاد ریفرنڈم کا سوانگ بھی اسلام کے نام پر رچایا گیا لیکن اسلام خوردبین لگا کر بھی ملک بھر میں کہیں نظر نہیں آتا۔ جنرل ضیاءالحق کے عملی تضاد نے حساس اور ذہین طبقے کو دینی اقدار سے بیزار کر دیا جنرل ضیاءالحق نے اپنی سیاسی حکمت عملی سے ہر جماعت میں پھوٹ ڈال کر مفاد پرستوں اور ضمیر فروشوں کا ایک حصہ اپنی تائید و حمایت پر آمادہ کر لیا خصوصاً دیوبندیوں، بریلویوں، شیعوں اور اہل حدیثوں کے بعض نامور علماء کو اپنا حاشیہ بردار بنا لیا علماء کرام کو دینی مدارس سے تعاون کے نام پر سرمایے کا دانہ ڈال دیا لیکن اس خود غرضی اور مفاد پرستی کے بدترین دور میں علامہ ظہیر برہنہ شمشیر بن کر جنرل ضیاء الحق کی پالیسیوں کے خلاف گرجتے اور برستے رہے پچھلے تین سالوں میں خطبات جمعہ، خطباتِ عیدین۔ سیرت کانفرنسوں، دینی

اجتماعات اور اہلحدیث کے تبلیغی جلسوں میں کوئی ایک موقع ایسا نہیں آیا جہاں علامہ صاحب نے پوری شجاعت اور بے باکی سے حکومت کے متضاد کردار غلط سیاسی پالیسیوں اور آمریت کو نہ للکارا ہو اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ علامہ صاحب نے متعدد مواقع پر جنرل ضیاء الحق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جنرل صاحب ہم نے تحریک نظام مصطفیٰ میں قربانیاں چہرے بدلنے کے لیے نہیں دی تھیں بلکہ نظام بدلنے کے لیے دی تھیں جنرل صاحب ہم نہ حریفِ اقتدار ہیں نہ حلیف اقتدار ہیں ہم اہل حدیث ہیں ہم اس ملک میں صدیوں سے حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے ماریں کھا رہے ہیں ہمارا مقصد حیات ایک ہی ہے کہ اس ملک میں مکمل اسلام نافذ ہو۔ جنرل ضیاء الحق صاحب اگر آپ اسلام نافذ کر دیں تو آپ کی چاکری ہمارے لیے باعث عزت و افتخار ہو گی ورنہ سن لیں کہ جو ہاتھ بھٹو کی گولیوں کا رخ موڑ سکتے ہیں۔ وہ آپ کے ٹینکوں کا رخ بھی موڑ سکتے ہیں۔

جب دہشت پسندوں نے آبروئے پنجاب چوہدری ظہور الٰہی کو شہید کیا اس وقت علامہ صاحب نے جو خطاب فرمایا تھا وہ بھی ہماری تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک شاہکار ہے علامہ صاحبؒ نے اپنے اس بہادرانہ خطاب میں فرمایا دہشت پسندو! تم نے ہماری متاع عزیز ہم سے چھین لی ہے حکمرانو! تم بھی سن لو ہم زندہ رہیں گے اور جئیں گے تو چوہدری ظہور الٰہی کی طرح جئیں گے اور مریں گے تو چوہدری ظہور الٰہی کی طرح شہادت کی موت مریں گے علامہ صاحب کے یہ "تاریخی الفاظ کس قدر صداقت پر مبنی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کے بلند مرتبے پر فائز فرما دیا اور چوہدری ظہور الٰہی کی زبان میں علامہ صاحب نے صاف صاف فرمایا نہ ہم ڈریں گے نہ دبیں گے نہ بکیں گے، ڈرنے والے ڈر گئے، دبنے والے دب گئے بکنے والے بک گئے۔ علامہ صاحب کے خطاب کا طنطنہ تقریر کا دبدبہ اور گفتگو کا طمطراق مسلم امر تھا اللہ تعالیٰ نے ان کا خمیر ایسی مٹی سے اٹھایا تھا جس میں ڈر خوف، اندیشہ فکر نام کی کوئی چیز نہ تھی ہم نے اپنے اکابر سے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی شجاعت، شہامت، جرأت، بہادری۔ بے باکی۔ تہور اولوالعزمی اور بلند حوصلوں کی بے شمار کہانیاں سنی ہیں۔ صحیح بات یہ ہے۔ حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کا ہمارے دل میں جو مقام اور عقیدت ہے اس کی بڑی وجہ ان کی جرأت و بے باکی ہے۔ ان کی شجاعت آمیز اور بے باک تحریروں نے نوجوانوں میں ولولہ تازہ اور عزم راسخ پیدا کیا ان کا

خارا شگاف قلم تلوار سے بھی زیادہ کاٹ رکھتا تھا ان کے قلم کی معجز نمائیوں نے مولوں کو شہبازوں سے لڑا دیا انگریز جس کی حکومت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا جو ربع مسکوں پر حکمران تھا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مولانا آزادؒ نے فرمایا تھا کہ انگریز ڈاکوؤں نے میرے ملک پر قبضہ کر لیا ہے میں ڈاکوؤں کی عدالت نہیں مان سکتا۔ میں انگریز اور اس کے نظام حکومت کا باغی ہوں۔ میں نے آزادی وطن کی آگ سلگائی ہے اسے کسی قیمت بجھنے نہیں دوں گا آزادی وطن کے لیے میری سرگرمیاں تادم واپسیں جاری رہیں گی۔ فاقض ما انت قاض۔ انگریز کی عدالت میں انگریز حکمرانوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت امام الہند مولانا ابوالکلامؒ نے فرمایا تھا اے وزدانِ قافلہ انسانیت اے مجمع وحوش و کلاب تم میرے وطن سے کب رختِ سفر باندھو گے؟ اور میرا ملک تمہاری نحوستوں سے کب پاک ہو گا؟

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام الہند کی روح علامہ احسان الٰہی ظہیر میں حلول کر گئی تھی۔ کیونکہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے خطابات میں مولانا ابوالکلام آزاد کا وہی بانکپن وہی جرأت وہی بے باکی وہی حوصلہ، وہی ولولہ، وہی عزم راسخ، وہی شجاعت، وہی پکار، وہی للکار وہی یلغار۔ وہی اقدام، وہی سعیِ مسلسل وہی عملِ پیہم۔ وہی انداز قلندرانہ تھا۔ سیالکوٹ، چنیوٹ کانفرنس اور جس اجتماع میں انہیں نشانہ بنایا گیا کی تقریریں کیسٹوں سے سن لیں یقین جانیئے سننے والا علامہ صاحب کی جرأت اور انداز خطابت سے سہم جاتا ہے موجودہ حکمران کو انہوں نے صاف صاف الفاظ میں کہا کہ نہ میں تمہیں مانتا ہوں نہ تمہاری حکومت کو مانتا ہوں میں تمہارا باغی ہوں جاؤ جو تمہاری مرضی ہے میرے خلاف کر لو میں احمد بن حنبلؒ کا وارث ہوں میں ابن تیمیہؒ کا جانشین ہوں۔ شاہ اسمٰعیل شہید کا روحانی فرزند ہوں میں اس راہ میں مر سکتا ہوں مٹ سکتا ہوں لیکن نہ دبوں گا نہ جھکوں گا۔ علامہ صاحب کے اسلوبِ خطابت، انداز بیان جرأت و بے باکی اور بے نظیر بہادری نے ملک میں نوجوانوں کی ایک بہت بڑی کھیپ تیار کر دی علامہ صاحب خود فرمایا کرتے تھے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
اب یہاں میرے رازداں اور بھی ہیں

حدیث یار تو بہت دراز ہے اس کی تفصیلات ہماری کتاب " علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ ایک عہد ایک تحریک" میں پڑھی جا سکتی ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر

جناب حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی

علامہ احسان الٰہی ظہیر اور ان کے رفقاء اہل حدیث کی شہادت ایک ایسا درد انگیز اور المناک واقعہ ہے جس کی مثال برصغیر کی تاریخ میں اس سے قبل ناپید ہے۔ یہ پوری جماعت اہل حدیث کی قیادت کو ختم کرنے کی ایک سوچی سمجھی اور منظم سازش تھی دراصل علامہ احسان الٰہی ظہیر کی عبقری موثر اور جاندار شخصیت نے جماعتی تنظیم کو ایسا جاندار اور موثر بنا دیا کہ باطل قوتیں حیران اور لرزہ براندام تھیں علامہ مرحوم نہ صرف ایک عالم دین تھے جیسا کہ ایک عالم کی موت پر کہا جاتا ہے موت العالم موت العالم بلکہ وہ بیک وقت عظیم سکالر محقق، بالغ نظر سیاست دان، داعی تحریک اور مملکت خطابت کے بلاشرکت غیرے حکمراں تھے قدیم و جدید علوم پر یکساں نظر رکھتے تھے۔ تحریر و تقریر پر پوری طرح قادر تھے فصاحت و بلاغت سے لبریز ٹھوس علمی و عقلی دلائل سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ جاندار اور موثر تھی کہ عوام اور خواص یکساں مستفید ہوتے لاہور میں اہم قومی نوعیت کا جلسہ بھی ان کی شرکت کے بغیر کامیاب نہ ہوتا الغرض علمی، سیاسی اور دینی دنیا میں انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا تھا نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جاتے عالم عرب کو تو انہوں نے اپنی تقاریر و تصانیف سے ایک نئی سوچ اور نیا رنگ دیا تھا جس سے ان کے مخالفین گھبرا گئے اور انہیں "خطرناک شخصیت" قرار دیا جانے لگا حقیقت تو یہ ہے کہ مصلحت سے بے نیاز انہوں نے جس طرح کلمہ حق بلند کیا آج کے دور میں وہ انہی کا حصہ ہے اور ایک ایسا عطیۂ خداوندی ہے جس پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

میں سمجھتا ہوں کہ علامہ مرحوم اور ان کے رفقاء کو انہی مصلحت سے بے نیازانہ تقاریر و تصانیف اور آوازۂ حق کو بلند کرنے کے جرم میں یہ ناپاک کارروائی کی گئی کیونکہ دلائل و براہین سے جواب ناممکن ہوگیا تھا اور جب کوئی دلائل کی جنگ ہار جائے تو پھر وہ تشدد پر اتر آتا ہے۔

میرا علامہ مرحوم سے ذاتی علاقہ ان دنوں سے ہے جب وہ گوجرانوالہ درس حدیث کے طالب علم تھے اور میں گوجرانوالہ جماعت اسلامی کے شفاخانوں میں بحیثیت انچارج طبیب کام کرتا تھا وہ تقریباً ہر روز بلاناغہ بعد نماز عصر محلہ نور باوا گلی نمبر ۵ میں میرے پاس تشریف لاتے علامہ مرحوم ان دنوں سترہ اٹھارہ سال کے نوجوان تھے۔ البتہ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا تھا۔ ان کی یہ غیر نصابی سرگرمیاں بھی علمی و دینی اور ادبی موضوعات سے متعلقہ تھیں۔ مسلک اہل حدیث کی تاریخ ان کا خاص موضوع تھا۔ جب وہ مسلک اہل حدیث کے موضوع کے حوالے سے گفتگو کرتے تو مجھے ان کی سوچ کا اندازہ ہوتا وہ اس بات پر کبیدہ خاطر ہوتے کہ اہل حدیث سلفی العقائد ہونے کے باوجود آج اپنی انفرادیت و تشخص کو گم کر بیٹھے ہیں اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں دوسری تنظیموں میں شامل ہو کر ان کے مقاصد کی تقویت کا سبب بن رہے ہیں اور انفرادی رول باقی نہیں رہا وہ جماعت کے تشخص کو بحال کرنے کے حق میں تھے الغرض روز محفل ہوتی اس حوالے سے متبادل خیال رہتا مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ نوجوان اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے یقیناً ایک روز اس خلا کو پُر کرے گا۔ انہی دنوں ایک ہفتہ وار علمی و ادبی نشست ڈاکٹر اسحاق جاذب کی رہائش گاہ پر منعقد ہوتی جو بعد میں ماڈل ہائی سکول گوجرانوالہ منتقل ہوگئی ماڈل سکول کی اس نشست میں علامہ مرحوم میرے ساتھ جانا شروع ہوئے اس نشست میں اس وقت کے مقامی نامور شعراء اور ادباء سبط الحسن ضیغم، ڈاکٹر رفیق چوہدری، بشیر انصاری، راز کاشمیری، پروفیسر اسرار احمد، میاں ایم آئی ضیغم، علامہ یعقوب انور اور ارشد میر ایسے لوگ ہوتے۔ اگرچہ علامہ ابھی نوجوان تھے تاہم اپنی سوجھ بوجھ اور وسعت مطالعہ کی بنا پر جلد ہی اپنا مقام بنا لیا ان کی ٹھوس تنقید و دلائل پر حاضرین پوری توجہ دیتے اس طرح اپنی انفرادیت کو جلد منوا لیا کچھ عرصہ بعد یہ فیصل آباد چلے گئے جہاں سے مدینہ یونیورسٹی حصولِ علم کے لیے چلے گئے جہاں انہوں نے اپنی خصوصی صلاحیتوں کی بنا پر مقام حاصل کر لیا

اساتذہ ان سے خصوصی محبت کا اظہار کرتے اس بین الاقوامی درس گاہ سے امتیازی حیثیت سے فارغ ہوئے انہوں نے بتایا کہ ایک کتاب جو اس دوران مرتب کی اور شائع کرنے کا ارادہ کیا اگرچہ ابھی فراغت تعلیم میں کچھ عرصہ باقی تھا اساتذہ نے فارغ التحصیل مدینہ یونیورسٹی لکھنے کی اجازت دے دی جب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آئے تو پروفیسر عبدالمجید صدیقی کی معیت میں لاہور ملاقات ہوئی وہی خلوص ومحبت عجز و انکساری موجود تھی جو پہلے تھا یہ نشست گھنٹوں رہی اپنے مستقبل کے عزائم بتاتے رہے اور کہا کہ اب میں خطابت تصنیف وتالیف کے میدانوں میں مسلک اہل حدیث کی خدمت کے لیے زندگی وقف کر دوں گا یہی میرا نصب العین ہے ساتھ ہی کہنے لگے چند دنوں تک تفصیلی ملاقات اور آئندہ لائحہ عمل کے لیے سوہدرہ (میرا آبائی گاؤں) حاضر ہوں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ چند دنوں بعد ڈاکٹر یوسف گورایہ کی معیت میں سوہدرہ تشریف فرمایا کہ میں نے سوچا حاضری بھی ہو جائے گی اور ساتھ گورایہ صاحب کو آپ سے متعارف کرالوں گا یہ بھی سلفی العقیدہ ہیں رات دیر تک نشست رہی علامہ اپنے عزائم کے حوالے سے تبادلہ خیال کرتے رہے ہمارا مشورہ تھا کہ آپ کو لاہور مرکزی مقام پر زندگی کا آغاز کرنا چاہیئے جس کو انہوں نے قبول کیا مسلک اہل حدیث کی ترقی وسر بلندی کے لیے منصوبہ بندی ہوئی ذاتی مسائل بھی زیر بحث آئے ان میں وہی جذبہ اخلاق اور عجز، انکساری موجود تھا رات میرے ہاں قیام کیا اگلی صبح واپس ہوئے اس کے بعد گاہے بگاہے ملاقات رہی پھر میں نے اپنے گاؤں میں ایک تبلیغی جلسہ کا اہتمام کیا علامہ صاحب کو اطلاع کی انہوں نے بغیر کسی تردد کے حاضری کا وعدہ کر لیا۔ میں نے قاضی مقبول احمد صاحب جو میرے دیرینہ کرم فرما ہیں اور علامہ صاحب کے بھی دوستوں میں سے ہیں کی ڈیوٹی لگائی کہ علامہ صاحب کو ساتھ لے کر آنا ہے۔ چنانچہ تشریف لائے جلسہ سے خطاب کیا بعد میں ہم تینوں رات گئے جماعتی امور کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ اب علامہ صاحب عملی زندگی میں قدم رکھ چکے تھے اور جماعت کی تنظیم کے لیے ایک وسیع منصوبہ ان کے پیش نظر تھا جس کے بارے میں غور وفکر ہوا۔ اس کے بعد پھر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جب اسلام اور سوشلزم کی لفظی جنگ زوروں پر تھی ایک جلسہ کا اہتمام کیا اس میں علامہ صاحب تشریف لائے دو گھنٹے تک طویل خطاب کیا اب ان کے جوہر پوری طرح کھل چکے تھے خطابت میں اپنا مقام بنا چکے

تھے اور اپنی حیثیت کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی پیش رفت کر چکے تھے گویا ان کی جدوجہد کا نقطہ آغاز ہو چکا تھا پھر دینی و سیاسی میدان میں مصروفیات بڑھتی گئیں اور انہوں نے اپنے ارادوں کی تکمیل کے لیے کام شروع کر دیا تھا اس کے بعد ان سے گاہے بگاہے مختلف تقاریب میں ملاقات رہی ہمیشہ بڑے اخلاص سے پیش آتے اور اپنے منصوبوں کے بارے میں مشورے چاہتے۔ علامہ صاحب چینیانوالی مسجد لاہور میں خطیب تھے میرے چھوٹے بھائی صوفی ملک محمد ظفر مسجد سے ملحقہ کیسرا بازار میں کاروبار کرتے ہیں کے ذریعے سلسلۂ خیریت و عافیت آخر تک جاری رہا۔ جمعیت اہل حدیث کے موجودہ ڈھانچے کی تنظیم کے لیے جب گوجرانوالہ میں پہلی مجلس مشاورت ہوئی تو مجھے بھی بلایا گیا حاضر ہوا وہاں راقم نے بھی اپنا نقطۂ نظر پیش کیا جسے حاضرین کی اکثریت نے پسند کیا اس موقع پر مولانا محمد عبداللہ صاحب امیر اور مولانا محمد حسین شیخوپوری ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے اگرچہ راقم نے اس تنظیم میں شمولیت اختیار نہ کی کیونکہ میرا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اہل حدیث کی صرف ایک منظم و فعال تنظیم ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح انتشار کا دروازہ کھل جائے گا اور ہم اپنے نصب العین سے دور ہو جائیں گے۔ علامہ صاحب بھی میرے خیالات سے آگاہ ہوئے لیکن انہوں نے مجھے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ فعال ہو کر کام کیا جائے کیونکہ ان (دوسرے گروپ) کی وجہ سے مسلک کو کافی نقصان پہنچ چکا ہے اور تنظیم نیم مردہ ہو چکی ہے تبلیغ کا میدان سست ہو چکا ہے، سیاست میں انفرادیت نہیں ہے ہم انشاءاللہ تنظیم کی نشاۃ ثانیہ کر کے اسے حضرت سید داؤد غزنوی کے عہد کی طرح فعال بنا کر اپنا تشخص بحال کریں گے۔ اگرچہ مولانا محمد حسین شیخوپوری کچھ عرصہ بعد الگ ہو گئے مگر علامہ مرحوم نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں اور دیرینہ عزائم کی تکمیل کے لیے خود کو مکمل جماعت کے لیے وقف کر دیا ایک طرف نوجوان اہل حدیثوں کو اہل حدیث یوتھ فورس کے پلیٹ فارم پر منظم کیا دوسری طرف جمعیت اہل حدیث کو منظم کیا۔ تصنیف و تالیف کا محاذ سرگرم عمل کیا بڑے بڑے شہروں میں جلسے کر کے رائے عامہ کو منظم کیا اور ملکی سیاسی سطح پر اپنی پہچان کرائی تشخص بحال کیا۔ قومی پریس سنجیدہ حلقوں میں جمعیت کو مقام دلایا لارنس روڈ پر ایک وسیع قطعہ اراضی حاصل کر کے اب مرکز اہل حدیث کی تعمیر کے لیے کوشاں تھے اور ۲۳ مارچ کے بعد آنے والے جمعہ ۲۷ مارچ کو نماز جمعہ اس مرکز میں پڑھانے کا اعلان کر چکے تھے جس کا انہیں موقع ملا ان کا ارادہ تھا کہ اس مرکز کو اہل حدیثوں کا صحیح مرکز بنا دیا جائے اور اس مسلک سے وابستگان کو

اپنے مرکز کی حیثیت کا احساس دلائیں کیونکہ ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

انہیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اہلِ حدیث کو بعض جماعتیں خام مال کے طور پر استعمال کرتی ہیں اس لیے وہ اہلِ حدیث لوگوں کو اپنی انفرادیت کا احساس دلانے کے لیے کوشاں تھے کہ عین اس وقت موت کے بے رحم ہاتھوں نے اور تشدد کے سوداگروں نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ گو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے گی سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے قربانی دی تو پاکستان کی صورت میں انعام ملا اب بھی ہم نے قیمتی بڑی قربانیاں بارگاہِ الہٰی میں پیش کی ہے اس کا اجر بھی اتنا ہی عظیم ہوگا۔ ان کی تصانیف کا موضوع فرق تھا یعنی مختلف مذاہب اور عقائد یہ ایک اہم ضرورت تھی جس کا کسی سے احساس نہ کیا نسلِ نو اور عالم عرب کو مختلف عقائد کی حقیقت سے آگاہ کرنے کی یہ ایک اعلیٰ خدمت تھی چنانچہ ان کی کتب مدینہ یونیورسٹی میں شاملِ نصاب تھیں اور اس طرح عالم عرب کو مختلف عقائد کے بارے میں صحیح صورت حال سے آگاہی ہوئی۔ ان کتب کے تراجم فارسی و انگریزی انڈونیشی، سواحلی اور اردو میں ہو چکے تھے اور مختلف مذاہب کا تقابلی جائزہ سامنے آگیا۔ مسلک اہلِ حدیث پر بھی ان کی ایک تصنیف مکمل ہو چکی تھی جس سے تعصب اور جہالت کے پردے چاک ہو جاتے افسوس ان کی حیات میں شائع نہ ہو سکی۔ شریعت بل کے مسئلے پر ان کی تقریر جس سکون و کمال توجہ سے سنی جاتی باوجود بعض مقامات پر اختلاف رائے کے اپنے نقطۂ نظر کو کمال خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں ان کو کمال حاصل تھا قدرت نے جس قدر عظیم قربانی لی ہے اس کا اجر یقیناً اتنا ہی عظیم ہوگا جس سے جماعت کا مستقبل روشن ہے تاہم علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کا خلا برسوں پر ہوتا نظر نہیں آتا بہرحال اس سے انکار محال ہے کہ مختصر سی زندگی میں انہوں نے جو روح حرکت و عمل پیدا کی بعض امور میں اختلاف کے باوجود کسی کے بس کا روگ نہیں واقعی ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست

خاکِ طیبہ نے جس طرح آغوشِ محبت میں لے لیا اس سے ان کی خوش بختی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اب پوری جماعت اہل حدیث کے اکابرین کے تدبر کا امتحان ہے کمال فہم و فراست سے منظم ہونا اور ایسی جامع ٹھوس پالیسی مرتب کرنا ہے کہ اس پر مسلک اہل حدیث کے مستقبل کا دارومدار ہے۔

اب کافی عرصہ سے مرحوم سے ملاقات نہ ہوسکی البتہ احباب کے ذریعے حال احوال خیریت و بخیریت معلوم ہوتی رہتی آخری ملاقات لاہور کے ایک جلسے پر ہوئی پہلے سے بڑھ کر خلوص کا مظاہرہ کیا ہر مرتبہ پہلے سے بڑے انسان نظر آئے اب کافی عرصے سے ملاقات نہ ہوسکنے کے باوجود ملاقات کی آس تھی اور یہ تو وہم و گمان یا اندیشہ بھی نہ تھا کہ ان کا وقت آخر قریب ہے مگر اس جہان بے اعتبار میں اکثر وہی ہوتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے (آمین)

جب حادثے کی خبر سنی طبیعت بے چین ہوئی لیکن اخباری اطلاعات حوصلہ افزا تھیں ۲۹ مارچ کو لاہور جانے کا ارادہ کیا تیمارداری کے لیے ہسپتال گیا تو معلوم ہوا۔ کہ انہیں مدینہ منورہ لے جایا گیا تو طبیعت کو انجانا خوف سا لگا اگلے ہی روز ان کے انتقال کی خبر نے اوسان خطا کر دیئے مگر موت کے سامنے کس کو رستگاری ہے۔

افسوس صد افسوس مسلمانوں کے اس دور قحط الرجال میں ایک ایسی متبحر ہمہ گیر جامع کمالات یگانہ روزگار مخیر اور بوقلموں شخصیت سے ہمارا اس طرح محروم ہو جانا ایک قومی حادثہ ہے جس کی طولانی تلافی ایک عرصہ دراز تک نظر نہیں آتی مگر قدرت نے جتنی بڑی قربانی لی ہے اس کا اجر بھی اتنا ہی بڑا ہوگا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان کے کردار کو اپنی زندگی کے ہر قدم پر سامنے رکھیں ان کی خوبیوں کو اپنے اندر جذب کر لیں یعنی اپنی تاریکیوں کو اس کی روشنی سے منور کریں۔

بقیہ: پرچم کون اٹھائے گا

صداقت ہیں اور رہ اعلائے کلمۃ حق کی خاطر اپنی جان کی قربانی دینے سے دریغ نہ کریں۔ ہمارے افکار، خیالات اور نظریات کچھ رنگ کے بعد مردہ ہو جاتے ہیں جب اپنے خون سے ان کی آبیاری کی جائے تو ان میں روح پڑ جاتی ہیں اور لوگوں میں زندہ جاوید نظر آتے ہیں۔

علامہ مرحوم نے بھی اپنی جان کی قربانی دے کر اپنے افکار اور نظریات کو زندہ جاوید بنا دیا اور قیامت تک لوگ ان کے افکار کا تذکرہ کرتے رہیں گے اور ان سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

جناب پروفیسر غلام نبی عارف صاحب

ہمارے فاضل دوست پروفیسر غلام نبی عارف صاحب ادارہ "الاسلام" کے قدیم قلمی معاونین میں سے ہیں۔ ان کے افکار و رشحات قلم سے ہمارے قارئین پہلے ہی متعارف ہیں۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں تحریر و تقریر کے فن سے پوری طرح آشنا ہیں۔ سلفی افکار و نظریات کے پرجوش مبلغ ہیں۔ پوری تحریک سلفیہ کو ان پر ناز ہے۔ ذیل میں ان کا مضمون "ذبح عظیم" ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں جس سے ان کی علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ اور حافظنا فتحی سے دلی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ادارہ اس کرم فرمائی پر ان کا شکر گزار ہے۔

(بشیر انصاری)

علامہ احسان الٰہی ظہیر نے جس راہ کو اختیار کیا۔ وہ اصحاب عزائم و ہمم کی راہ تھی۔ اس نے دعوت و عزیمت کی پرخار وادی میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے خاکی وجود کو علوم ظاہرہ و باطنہ، قدیمہ و جدیدہ سے لیس کیا۔ پھر وہ میدان عزیمت میں اترے۔ اردو و عربی ادب پر عبور، زبان میں روانی، خیالات میں تسلسل، جذبات میں ابھار، آواز میں تمکنت، لہجہ میں اعتماد و وقار، یہ وہ اعلیٰ صفات تھیں جن کی بنا پر وہ عوام و خواص کے دلوں کی دھڑکنوں کے ترجمان بن جاتے تھے۔ مزید برآں ان کے جسم کی ظاہری صحت و رعنائی بھی ایک مقناطیسی قوت تھی کہ لوگ خود بخود اپنی سمت کا تعین کر لیتے تھے۔ جہاں وہ پتھروں کو شق کرتا تھا وہاں وہ لالہ و گل کو بھی شرف ہمکلامی سے نوازا تھا۔

بڑی آرزو تھی کہ تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے

درسگاہیں اور محافل تعلیم وتدریس کا غلغلہ تو ہے۔ مشائخ و محدثین احادیث رسالت مآب صلی اللہ علیہا التحیۃ والسلام کا گرہ بھی مصروف کار ہے۔ مگر علامہ ظہیر نے جس دردانے کو کھولا وہ مدتوں سے بند پڑا تھا۔ وہ نیند کے متوالوں کو جگانے والا تھا۔ اور چلنے والوں کو دوڑانے والا تھا۔ اس نے مشکل راہ کا انتخاب کیا۔ اور شاید یہ اس کی طبع مشکل پسند کا تقاضا تھا۔ مگر اس نے اس انتخاب واختیار کے بعد کبھی آبلہ پائی کا شکوہ نہ کیا۔ وہ احوال وظروف کو اپنے زیر تسلط کرنے کی قدرت وصلاحیت بارگاہ ایزدی سے وافر مقدار میں لے کر آیا تھا اس کی عظمت شان یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ اس کی زندگی میں بھی اس کے بہت سے حریف ورقیب پیدا ہو گئے تھے۔ مگر لیلیٰ مراد سے ہمکنار ہونے کا شرف اسی کا حصہ ٹھہرا۔ اس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہ ہو سکا۔ شہادت حق کی قبائے زعفرانی صرف اسی کے وجود مسعود پر راس آئی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کل یدعی وصل للیلی
ولیلی لا تقر بذاك

ع ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

علامہ ظہیر نے بڑے بڑے مجموں کو خطاب کیا۔ وہ بحر وبر پہ جام توحید لے کر پھرا۔ اور یہ ساقی نے ایسی رونقیں لگائیں کہ پیاسوں کا ہجوم ہونے لگا۔ ہاتھوں میں حد نظر تک پیالے ہی پیالے نظر آنے لگے۔ گو خم توحید کے ساقی نے سب کو بھر بھر کر جام پلائے اب کوئی تشنہ لب نظر نہیں آتا جب وہ ساقی اس دنیا سے اٹھا تو کتنے لوگ اسے اپنے سے جدا پا کر تڑپنے لگے۔ ع

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

زمین سے لے کر آسمان تک آہ وفغاں کا شور بلند ہوا۔ قدوسیوں نے رب سما سے پوچھا ہوگا۔ کہ زمین پر کیا ہنگامہ ہے؟ انھوں نے اپنے سانس روک کر بارگاہ کبریا سے سنا ہو گا۔ محبوب کائنات آ رہا ہے ایک حدیث قدسی میں ہے۔

جب میں (اللہ) کسی سے محبت کرتا ہوں۔ تو اس کی محبت کا اعلان ارض وسما پہ کر دیتا ہوں۔ پھر سب اس سے محبت کرتے ہیں۔ علامہ ظہیر نے بھی بارہا عظیم المرتبت لوگوں کے جنازوں میں شرکت کی ہوگی اور ان کی رونقوں کو دیکھا ہوگا۔ اور اس کے دل میں کوئی تمنا تو کروٹ لیتی ہو گی۔ تو اسی وقت یقیناً بارگاہ صمدی سے کوئی مژدہ جانفزا آیا تو ہو گا "میرے خزانوں میں تیرے لیے بھی بڑی رونقیں ہیں"! وہ

محمد عربی کے اولین جان نثاروں میں جا شامل ہوا۔ وہ اسی گروہ کا ایک فرد تھا۔ اور اسی سے جا ملا۔ وہ سب خوش ہیں کہ جس کا انتظار تھا وہ آ گیا۔ اب علامہ ظہیر اس گروہ میں پا گیا ہے۔ جن کی رفاقت کو وہ اب کبھی نہیں چھوڑے گا۔ قیامت کو اس گروہ کے ساتھ اٹھے گا۔ جن کا کام بھی ایک۔ نام بھی ایک اور منزل بھی ایک اس کی روح بقیع غرقد کی جنت میں بھی آرام سے نہیں بیٹھے گی۔ وہ ہر مسلمان کو دعوت، عمل وا ثیار دیتی رہے گی۔ جب تک گردش لیل ونہار قائم ہے طلوع وغروب آفتاب موجود اور روضۂ اقدس جلوہ گر ہے قبر ظہیر قائم ودائم رہے گی۔

اے اہل دنیا! یہ محبوبیت کبریٰ کا مقام ہے!

این سعادت بزور بازو نیست!
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!
اے روضۂ اقدس کے ساکنو!
اے بقیع غرقد کے باسیو!
تمہیں تمہاری نیند مبارک ہو!
تمہیں تمہارے بستر مبارک ہوں!

تحریک اسلام کے بانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"میرا یہ وہ گروہ ہے کہ جس کے کسی ایک فرد نے مٹھی بھر خیرات تو اگر ان کے بعد میں آنے والا اُحد پہاڑ کے برابر وزن کا سونا بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے گا۔ تو میرے اس دوست کی ایک مٹھی بھر خیرات کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔"

اولئک خیر الخلائق بعد الانبیاء۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔

علامہ ظہیر نے اپنے سفر کو تیز روی سے طے کیا کہ اہل خرد محو حیرت ہیں کہ اتنی طویل مسافت مختصر لمحات میں ختم کر دی۔ دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا۔ کبھی یورپ کے کلیساؤں میں۔ کبھی افریقہ کے تپتے صحراؤں میں اور کبھی ارض ایشیا میں وہ مئے توحید کا جام لے کر پہنچا۔ ؎

کچھ قمریوں کو یاد ہیں۔ کچھ بلبلوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے میری داستاں کے ہیں

وہ تحریک اہل حدیث کے دور جدید کا بانی تھا جس نے اس تحریک کو سیاستدانوں، ادیبوں، شاعروں

صحافیوں۔ وکیلوں۔ ڈاکٹروں۔ عالموں۔ فاضلوں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والوں سے متعارف کرایا۔ اس نے اپنی شخصیت کے جادو سے ہر ایک کو تحریک کی صداقت سے آگاہ کیا۔ وہ ایک ایسے لشکر کا پُرعزم وہمت سپہ سالار تھا۔ جس کی پیش قدمی کو روکنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ وہ اپنے سفر کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کی رفتار میں ٹھہراؤ نہ تھا۔ اس کی منزل دور تھی۔ اس لیے وہ مسلسل حرکت اور پیہم عمل تھا۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

وہ خرمنِ باطل پر بجلی بن کر گرنے والا تھا۔ فرقِ باطلہ کے لیے اس کا وجود موت کا پیغام تھا۔ اس کی علمی ہیبت و سطوت سے سب سہمے ہوئے تھے۔ وہ اپنی قوتِ گویائی سے حریف کو گنگ کر دیتا تھا۔ وہ بڑے بڑے مدعیانِ علم و سیاست کو احساسِ کہتری میں مبتلا کر دیتا تھا۔ وہ اپنے اپنے میدان میں خواہ کتنے ہی طویل کیوں نہ ہوں۔ مگر اس کے روبرو وہ پست قامت نظر آتے تھے۔ وہ اپنی راہوں کا خود موجد تھا۔ اور خود ہی اپنی راہ کو متعین کرنے والا تھا۔ اس نے کبھی کسی کے نقشِ پا کی تلاش نہ کی۔

ہم نہ پیرو ذی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

بہت لوگوں نے اس کے ساتھ سفر کا آغاز کیا۔ مگر وہ راہ کی مشکلات سے گھبرا کر بیٹھ گئے۔ اور وہ دیوانہ مصروفِ سفر رہا۔ منزل کو پانے والا ایک ہی ٹھہرا۔ اور صرف وہی فاتحِ اقلیمِ دعوت و عزیمت تھا۔

ما و مجنون ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

علامہ ظہیر کی شان کا ترجمان کسی عرب شاعر کا یہ شعر بھی بن سکتا ہے۔

في المهد ينطق عن سعادة جده
اثر النجابة ساطع البرهان

وہ ماں کی گود میں ہی اپنے نصیب کی فیروزمندی کا پتہ دے چکا تھا۔ اور اپنی خاندانی عظمت سے روشن نشان پیدا کر چکا تھا۔

عراق کے رہنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر اسماعیل کی دہلی کے رہنے والے عبدالغنی نے اپنے جگر گوشہ اسماعیل کی اور سیالکوٹ کے باسی ظہور الٰہی نے اپنے نورِ چشم ظہیر کی قربانی بارگاہ ربّ السموٰت والارض میں پیش کی۔ کس قدر یہ قربانیاں حسین

وجمیل اور صحت مند تھیں۔ لاعیب فی تلک الضحایا۔

اللہ کی راہ میں قربانی پیش کرو تو اچھی سے اچھی ہو۔ اس میں کوئی عیب اور داغ نہ ہو۔ مسلمة لاشیة فیھا۔

شاہی مسجد کے منار شہدائے اہل حدیث خدا کے سچے عاشقوں کی تڑپتی لاشوں کے نشان تکبر و تسلی کو دیدہ حیرت سے دیکھتے رہے۔ اور زبان حال سے گویا ہوئے۔ اے شہدا نے حق تمہاری وجہ سے ہماری آبرو ہے۔ یہ بلند و بالا نشانات تمہاری قربانیوں کے مرہون ہیں مسجدوں سے فضا میں اٹھنے والی بلالی صدائیں۔ تمہاری ہی نامہ بر ہیں۔ ہمارا تم پر سلام ہے! تم نے اللہ کی راہ میں تڑپنے کی لذت پائی ہے۔ تمہارے آقا کو تمہاری یہ ادا بہت پسند آئی ہے۔ تم نے فنا ہو کر بقا پائی ہے۔ تم اس عمل شہادت کی لذت سے بار بار لطف اندوز ہونا چاہتے ہو۔ انہیں کسی پہلو پر بھی چین نہیں۔ امت کے والی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ شہید دنیا میں پھر واپس آنے کے لئے تڑپتا ہے۔ اور اپنے خالق و مالک کے حضور فریاد کرتا ہے۔ اے خداوندا مجھے دنیا میں پھر واپس لوٹا تاکہ میں تیری راہ میں اپنے وجود کی قربانی دوں اور پھر تڑپنے کی لذت پاؤں۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

اب کس سے تعزیت کی جائے ——— ہر اہلحدیث قابل تعزیت ہے
آج کس کا غم کم کیا جائے ——— ہر اہل حدیث غمزدہ ہے
آج کس کے ہاں ماتم کیا جائے ——— ہر جگہ ماتم کدہ ہے
آج کس کا نالہ و شیون کیا جائے ——— ہر کوئی مصروف آہ و بکا ہے
اے اہل حدیث! ——— اپنی اپنے دل سے تعزیت کر!
اے اہل حدیث! ——— اپنے درد کا خود درماں بن جا!
اے اہل حدیث! ——— رونے سے اپنے خلوت کدہ کو آباد کر!
اے اہل حدیث! ——— خود ہی تڑپ کر اپنی روح کو تسکین دے!

حافظ فتح محمد معروف بہ حافظ فتحی

میں چاہتا ہوں کہ علامہ ظہیر کے تذکرے میں حافظ فتحی مرحوم کا ذکر بھی شامل کرتا جاؤں۔ آپ کے جیتے جی

جنت البقیع آئی اور دوسرے کو جنت المعلیٰ راس آگئی۔ دونوں قسمت کے دھنی تھے۔ ظہیر کی ماں نے تو کہا کہ میرے بیٹے کو شروع سے ہی مدینہ کی گلیوں سے محبت تھی اور حافظ فتحی نے اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں سے لکھ کر شہر مکہ کو اپنا مقدر اور مسکن بنا لیا۔ سلام اللہ وبرکاتہ علی ساکنیہا مادامت السموات والارض

میرے عظیم، مخلص، عارف باللہ دوست اور ہم جماعت حافظ فتحی (نور اللہ مرقدہ) کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی مہمانی سے نوازا۔ وہ نزیل مکہ بھی تھا۔ وہ ضیف اللہ فی بیت اللہ بھی تھا۔ وہ جلیس حرم بھی تھا۔ اس کی زندگی کا بڑا حصہ حرم پاک میں بیٹھ کر گزار دیا۔ اس کو بیت اللہ سے اس قدر شدید عشق تھا کہ ہر وقت اس کے چہرے کے سامنے بیت اللہ کی عمارت رہتی تھی۔ حرم میں بیٹھنے کے لیے ایسے ستون کا سہارا لیا کہ ہر وقت بیت اللہ سامنے رہے۔ حافظ فتحی کے گرد ہر وقت ملاقاتیوں کا جمگھٹا رہتا۔ وہ زائرین بیت اللہ کو اپنے علم وفضل کی روشنی میں معلومات سے نوازتے رہتے۔ پاکستانیوں کے علاوہ دوسرے ممالک کے زائرین سے بھی راہ ورسم رکھتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ ان کی محفل میں ایک عراقی اہلحدیث عالم بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے کسی عرب زائر نے آکر سوال کیا کہ حالت نماز میں بیت اللہ کی طرف منہ کر دیکھنا ادب ہے۔ اس عراقی عالم نے برجستہ جواب دیا:

ولکن نظری الی صاحب البیت (گھر کو کیا دیکھنا، گھر والے کو دیکھو)

حافظ فتحی صاحب اس جواب سے بہت لطف اندوز ہوئے اور مجھے بھی اس طرف متوجہ کیا۔ پھر اس تناظر سے میرا التفات بدل دیا۔ اور عراق کے اہلحدیث علماء کا تذکرہ چھیڑ گیا۔ بغداد میں اہلحدیث علماء نے فن حدیث پر بہت کام کیا۔ اور اب بھی وہ اپنے شوق کو آگے بڑھا رہے ہیں (معہد ...) اور یہ سب برکات امام احمد بن حنبل کی ہیں اور متاخرین میں خطیب بغدادی کی کاوشوں کے ثمرات ہیں۔ انہوں نے تاریخ بغداد میں محدثین کے کارناموں کو نمایاں کیا ہے جس کی وجہ سے خطیب بغدادی ایک مخصوص گروہ کے دروس میں نشانہ بن کر چھیدا رہا ہے۔ خیالات کی بھرمار (شتی النوی والمسالک) میرے عنوان سے ہٹ کر دوسری جانب موڑ رہی ہے۔

غالباً ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے کہ حافظ فتحی صاحب پاکستان تشریف لائے۔ اور میری تلاش میں سرگرداں رہے۔ انہوں نے متعدد لوگوں سے میرے بارے میں دریافت کیا۔ مگر انہیں میرا کوئی اتہ پتہ نہ مل سکا۔ دوران جستجو وہ شہر گوجرانوالہ بھی گئے۔ یہ رزاق غیب کی کارسازی تھی ملاحظہ ہو۔ مجھے بھی گوجرانوالہ ہر سال (بالفاظ) دیار میں آبادی جا کر لانے کے لیے ایک سڑک سے گزر رہا تھا۔ شام کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ میں عجلت میں تھا کہ نماز مغرب آگے کسی مسجد میں جا کر ادا کروں۔ مگر میرے کانوں میں لگاتار ایک آواز آنے لگی۔ اور یوں مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ یہ آواز میرے دوست حافظ فتحی کی ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تو کچھ لوگ ایک عمارت سے باہر آ رہے تھے۔ دیکھا تو

مسجد ہے۔ اندر گیا تو حافظ فتحی صاحب صحن مسجد میں نمازیوں کے جھرمٹ میں خراماں خراماں چل رہے ہیں۔ فوراً معانقہ کیا۔ اور سلام کیا۔ انھوں نے میرا ہاتھ زور سے دبایا اور کہا او ظالم تیری تلاش میں ہوں۔ بیٹھ جا۔ کچھ باتیں کہنی ہیں۔ گفتگو کا نقطہ۔ عروج یہ تھا کہ سعودی عرب میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سعودی عرب میں قیام و طعام اور سفر کے جملہ اخراجات میرے ذمہ ہیں۔ حتیٰ کہ سعودی تربیت کا پروانہ بھی مل سکتا ہے فیض شہید کے ساتھ اپنے قریبی تعلقات کا ذکر بھی بانفس کیا۔ میں اس تمام گفتگو سے کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ ادھر میرے دماغ میں لیلیٰ ایم۔ اے عربی کا سودا سمایا ہوا تھا۔ میں حافظ صاحب سے معذرت خواہانہ لہجہ میں گویا ہوا۔ " حافظ صاحب ابھی اپنے علمی سفر پہ ہوں۔ اس کی تکمیل کے بعد آپ کے پاس حرم مکی میں حاضر ہو کر شرف زیارت سے فیضیاب ہوں گا اور یہ میرا وعدہ ہے۔ بشرطِ زندگی میں اس کا ایفا کروں گا۔ ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر "

میں نے ایم۔ اے عربی کرنے کے بعد ایم۔ اے اسلامیات بھی کر لیا۔ ملازمت بھی مل گئی۔ مگر حافظ فتحی صاحب سے ملاقات کا اشتیاق دل میں کروٹیں لیتا رہا کسی پہلو پر بھی چین نہیں۔ کیونکہ ان کی رہائش گاہ کا مجھے کوئی علم نہ تھا۔ اتنا سنا تھا کہ وہ حرم میں بیٹھتے ہیں۔ میں نے وارفتگی کے عالم میں ان کی طرف ایک مکتوب لکھا جس پر پتہ لکھا تھا " حافظ فتحی محمد حرم شریف مکہ سعودی عرب " وہاں پر جب تک صندوق البرید کا نمبر نہ لکھا جائے خط مکتوب الیہ تک نہیں پہنچتا۔ مگر حافظ صاحب کے دیوانے اور پروانے محکمہ ڈاک میں بھی تھے۔ انھوں نے اس خط کا جواب لکھا۔ مگر مجھے موصول نہ ہوا۔

پروردگار غیب کی کارسازیاں دیکھئے کہ حکومت پاکستان نے مجھے ۱۹۸۰ء میں سکالرشپ دے کر عربی زبان کے جدید طریقہ تدریس کی ٹریننگ کے لیے ریاض یونیورسٹی عرب بھیج دیا۔ میری روانگی کے وقت سعودی قونصلر شیخ ناصر الراجحی نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ اسی وقت اپنے بڑے بیٹے یوسف الراجحی کو ریاض میں اپنے گھر پہ فون کیا۔ اس سے میرا تعارف کرایا۔ وہ مجھے لینے کے لیے ریاض ائرپورٹ پر میری آمد کے عین موقع پر پہنچ گیا تھا۔ اور وہ اپنی کار میں مجھے میرے لیے مقرر کردہ ہوسٹل میں چھوڑ گیا۔ اور رخصت ہوتے ہوئے مجھے اپنے دو فون نمبر بھی دے گیا کہ بوقت ضرورت کال کر لینا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

ریاض پہنچ کر میں نے سب سے پہلے عمرہ کا پروگرام بنایا۔ زیارت بیت اللہ کے علاوہ حافظ فتحی سے ملاقات کا اشتیاق بھی تھا۔ میں اپنے پروفیسر ساتھیوں کے ساتھ ایک جمیس کار (جی۔ ایم۔ سی) میں نجد و حجاز کے صحراؤں کو قطع کرتا ہوا براستہ طائف مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ آداب عمرہ سے فارغ ہو کر پہلی ہی فرصت میں حافظ فتحی صاحب کی تلاش کی اور میں نے ان کو اس حالت میں پایا کہ حجر اسود کے بالکل سامنے ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ علیک سلیک ہوئی فوراً پہچان گئے۔ اور کہا غلام نبی! تیری آواز اور گفتگو ویسی ہی ہے جیسے

پہلے تھیں۔ زبانیں گنگ ہو گئیں مگر تو نہیں بدلا۔ پھر وہ مزاحیہ انداز میں پُرانی یادوں کو تازہ کرنے لگے۔ اپنے اساتذہ میں سے محمد یعقوب جہلمی۔ مولانا محمد یعقوب ملوی۔ مولانا عبد الصمد رؤف اور مولانا محمد صادق خلیل کا ذکر کرتے رہے۔ میرے ساتھ اپنی طالب علمی کے دور کے واقعات کو دہراتے رہے۔ ہمارے ایک ہم جماعت مولانا عبد المجید سنانوی مرحوم (دیسی) کا ذکر چھیڑ دیا۔ غرضیکہ دار العلوم اوڈانوالہ میں جو ہم نے دورِ طالب علمی گزارا تھا۔ اس سے ہمیں علمی اور فکری پختگی حاصل ہوئی۔ ایک طرف ہم دواوین حدیث اور صحائف فن وادب سے اکتساب علوم ومعارف کرتے تھے۔ اور دوسری طرف ہمارے سامنے سرچشمۂ برکات وفیوض حضرت صوفی محمد عبد اللہ کی ذات گرامی تھی۔ حضرت صوفی صاحب کا ذکر بڑے جذب وکیف سے کرتے رہے۔ ان کی حج کے لیے مکہ میں آمد اور اپنی خدمات کو تفصیل سے بیان کیا۔

مکہ میں اقامت کے دوران انھوں نے میری خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ چند دن ان کی رہائش گاہ پر بھی رہا۔ کئی علمی کتابوں سے نوازا۔ عبد اللہ بن حمید (قاضی القضاۃ ورئیس شؤون الحرمین) کے گھر مجھے لے کر گئے۔ وہاں ان سے میرا تعارف کرایا۔ وہ اس ملاقات سے بہت خوش ہوئے۔ میں نے بسلسلہ تعارف اپنا نام غلام نبی بتایا تو شیخ یک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور زور دار انداز میں مجھ سے مخاطب ہوتے۔ "یاشیخ هذا اشراك بالله غیر اسمك" اس واقعہ کے بعد میں نے اپنے بیٹے ابو الفضل کی کنیت اختیار کر لی۔ اور پھر اسی کنیت کے حوالے سے اپنے تعارف کا آغاز کرتا۔ مجھ سے ملنے والے عرب مجھے ابو الفضل کہہ کر پکارتے تھے۔

چار مرتبہ مکہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اقامتِ مکہ کے دوران اوقات کا اکثر حصہ حافظ صاحب کے ساتھ گزرتا تھا۔ وہ بے پناہ محبت وخلوص سے پیش آتے۔ وہ نادر الوجود شخصیت اس جہاں سے اٹھ چکی ہے۔ اب اس نے اپنا بسیرا جنت المعلیٰ میں کر لیا ہے۔

سبیل الموت غایۃ کل حی
وما نیل الخلود بمستطاع

بقیہ :- بے تیغ سپاہی ....

وقت مل رہے تھے، وہ چاند جو سرزمین پاک سے طلوع ہوا، ارضِ مقدس پر اپنی کرنیں بکھیرتا ہوا ہمیشہ کے لیے وادیٔ طیبہ میں ڈوب گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اصحابِ رسولؐ کے جلو میں، شہداءِ صحابہؓ کی صف میں اور استاذ المحدثین عاشقِ مدینہ امام مالکؒ کے پہلو میں اس مایہ ناز سپوت کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کر دیا گیا ؎

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

آہ! علامہ احسان الٰہی ظہیر

جماعت اہلحدیث کے اجلاس لاہور میں جو بم دھماکہ ہوا تھا جس میں آٹھ آدمی ہلاک اور ایک صد زخمی ہوئے۔ ان زخمی ہونے والوں میں علامہ احسان الٰہی بھی تھے۔ ابتدائی طور پر علامہ کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں، ان سے اندازہ ہوا تھا کہ ان کے پیر میں چوٹ آئی ہے جو خطرناک نہیں ہے۔ اور وہ جلد اچھے ہو جائیں گے، مگر صورتِ حال اس سے مختلف تھی۔ وہ زیادہ زخمی تھے۔ چنانچہ خادم الحرمین شاہ فہد بن عبدالعزیز حفظہ اللہ نے انھیں خصوصی علاج کے لئے سعودی عربیہ بلوا لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔ اور داعیٔ اجل کو لبیک فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

موت ہر جاندار کا مقدر ہے۔ مگر ہماری جماعت کے ساتھ یہ دوسرا المناک حادثہ ہے جس میں ایک جواں سال مردِ مجاہد کی شہادت ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے، ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ اور انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

اسی طرح کا المناک حادثہ لندن کے ایک کار ایکسیڈنٹ میں جناب مولانا ابوبکر غزنوی صاحب کی شہادت تھی، جو بھری جوان سالی میں جماعت کو داغِ مفارقت دے گئے۔ اور اس دوسرے حادثہ نے گویا کمر توڑ دی ہے۔

علامہ مرحوم کا آبائی وطن سیالکوٹ تھا۔ مگر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد وہ لاہور میں مقیم تھے۔ جہاں وہ متعدد جماعتی ذمہ داریوں پر فائز رہے۔ عرصہ تک جمعیت اہلحدیث پاکستان کے سابق آرگن "الاعتصام" کے مدیر اور اب "ترجمان الحدیث" کے ایڈیٹر تھے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث کی زیرِ قیادت والی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیتے رہتے۔ ادارہ اشاعت السنہ سے انھوں نے متعدد انگریزی، عربی، اردو کتابیں شائع کیں۔ جو صیہونیت، قادیانیت، بہائیت، بریلویت شیعیت اور دوسرے گمراہ فرقوں کے ردّ میں لکھی گئی تھیں۔

وہ پاکستان کے مانے ہوئے خطیب و مقرر تھے۔ جہاں بھی جاتے لوگ جوق در جوق انھیں سننے آتے تھے۔ وہ گمراہ فرقوں کا ردّ بڑی سختی سے کرتے تھے اس لئے مخالفین ان سے بہت خوفزدہ تھے۔ اور اپنے دلوں میں حسد، جلن اور غبار کھائے رہتے تھے۔ اسی کا وہ شکار بھی ہوگئے۔ وہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور کارکردگی کی وجہ سے

بین الاقوامی شخصیت کے مالک بن گئے تھے۔ دنیا بھر کے اجتماعات اور دینی جلسوں سے انھیں بلاوے آتے تھے جن میں وہ برابر شرکت کرتے اور سامعین کو محظوظ فرماتے۔

۱۹۸۲ء میں موصوف سے میری آخری ملاقات ہوئی تھی۔ جس میں انھوں نے دین و مسلک کے لئے بڑے ہی حوصلہ افزا جذبات و خیالات کا اظہار فرمایا۔ ان کے عقیدتمندوں کی تعداد بھی خوب تھی۔ جو اصل میں ان کے جوش عمل اور کارکردگی کی علامت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں مخالفت صاحب عمل لوگوں کی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ غلطیاں بھی انھیں سے زیادہ سرزد ہوتی ہیں۔ اور کمزوریوں سے کوئی بھی مبرا نہیں۔ دین و مسلک کی حمایت میں کھل کر بولنا اور باطل کا شدت سے رد کرنا ان کا خاصہ تھا۔ ان کی اس خوبی سے پاکستان اور عالمی سطح پر مسلک اہلحدیث یا جماعت اہل حدیث کے تعارف کو بہت تقویت ملی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائے۔ اور ان کی خدمات کو قبول کرے

اس المناک حادثے میں تو دوسرے علمائے کرام اور احباب جماعت شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور جو حضرات زخمی ہوئے ہیں ان کو جلد از جلد شفائے کامل عطا کرے۔ اور ان کو صبر و عزیمت اور استقامت بخشے۔ ان کی نیکیاں قبول فرمائے۔ جس شقی القلب شخص یا اشخاص نے یہ سازش اور شقاوت قلبی کی ہے اس کے جرم کو جلد آشکارا فرمائے۔ اور ارباب حکومت کو صحیح طور پر حکومت اور شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کرنے کی توفیق بخشے۔ اس واقعہ پر جس قدر افسوس کیا جائے وہ کم ہے ہم اپنے رنج و افسوس کے لئے ایسے الفاظ بھی اس وقت نہیں پا رہے ہیں جن کے ذریعہ اس کا اظہار کر سکیں جماعت اہل حدیث کا ہر فرد چاہے وہ دنیا کے کسی کونے میں ہے اس المناک حادثہ پر گہرے رنج و غم کا اظہار کر رہا ہے۔ اور یہ جاننے کے لئے بیتاب ہے کہ آخر کس شقی القلب نے یہ درندگی کی ہے؟ اور حکومت نے اس کی کھوج لگانے کے لئے کیا اقدام کیا ہے؟ ہفت روزہ اہلحدیث (بھارت)

بقیہ آہ! میرا قائد

اکثر کہا کرتے تھے کہ ؎

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح

آخر ش وہ سانحہ جو تیئیس مارچ کو ہوا اس کے سات روز بعد ۳۰ مارچ کا سورج اس عالم میں طلوع ہوا کہ ریاض سے ملٹری ہسپتال میں علم و فضل کا پیکر اور خطابت کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا اور ہمیں یہ پیغام دے گیا کہ ؎

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی۔

مجلۃ شہریۃ۔ اسلامیۃ جامعۃ تصدرہا جمعیۃ اہل الحدیث ببریطانیہ

عالمِ اسلام کی ممتاز علمی شخصیت، مایۂ ناز خطیب اور شہرۂ آفاق مصنف

علامہ احسان الٰہی ظہیر

کسی گہری سازش کے تحت شہید کر دیئے گئے

عالمِ اسلام کی عظیم متاع، پاکستان کے جواں سال سیاسی راہ نما، میدانِ خطابت کے یکتائے رُزگار، تاریخ حق گوئی و بے باکی کی بے مثال شخصیت، قافلۂ حریت و جہاد کے نڈر سپاہی اور شمعِ رسالت کے کروڑوں پروانوں کے دِلوں کی دھڑکن علامہ حافظ احسان الٰہی ظہیر کو گزشتہ دِنوں لاہور میں ایک بم کے دھماکے کے ذریعے کسی گہری سازش کے تحت شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اِس گھناؤنی واردات کے نتیجے میں علامہ مرحوم کے رفقاءِ خاص میں سے نامور خطیب اور شعلہ بیان مقرر مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی اور نمونۂ سلف اور محقق عالمِ دین مولانا عبدالخالق قدوسی نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ اِن کے علاوہ اہلِ حدیث یوتھ فورس کے راہ نما کارکن اور دعوتِ کتاب وسنت کے متعدد چراغ گُل کر دیئے گئے۔

لھفی علی بحر العلوم وغیضہ　　　یحوی الجواھر باھر زخار

افسوس کہ علوم ومعارف کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر خشک ہوگیا جس کے دامن میں چمک دار موتیوں کی ایک دُنیا آباد تھی۔

شہید ملت کی یادیں!

تحریر! جناب مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی

موصوف ایک نوجوان ممتاز عالم، مفکر و ادیب کی حیثیت سے معروف تھے پندرہ بیس برس سے مجھے ان کا تعارف حاصل ہے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی طرف سے جس سال ایشیائی کانفرنس کراچی میں منعقد ہوئی تھی علامہ صاحب اس کانفرنس میں لاہور سے تشریف لائے تھے وہ میری ملاقات کے لئے میرے کمرہ میں مجھ سے ملنے آئے۔ سوء اتفاق میں موجود نہ تھا۔ اور مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی اس کے دوسرے سال جب رابطہ عالم اسلامی کا اجلاس موسم حج میں ہوا اور ہم لوگوں کے لئے حج کا انتظام خود رابطہ نے بڑے اہتمام سے کیا جب ہم لوگ واپس ہو کر مزدلفہ پہنچے تو علامہ احسان الٰہی ظہیر سے مزدلفہ کے میدان میں عشاء کے بعد ملاقات ہوئی۔

اس کے بعد دوسری تفصیلی ملاقات دوسرے سال کے سفر پہ رابطہ کے مہمان خانہ منیٰ میں ہوئی اس وقت آپ نے بتایا کہ جب میں مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو اس زمانہ میں پاکستان میں فتنۂ قادیانیت کا بڑا زور تھا اسی ماحول سے متاثر ہو کر میں نے القادیانیہ ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں ختم نبوت کے قطعی دلائل اور براہین میں نے کتاب و سنت سے پیش کیئے تھے میں جب یہ کتاب مدینہ منورہ میں لکھ رہا تھا اور اس کا تتمہ شب قدر کی ستائیسویں رات کو میز کرسی پہ بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا کہ مجھے سحری کے وقت نیند آ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں۔ اور شیخین ابوبکرؓ و عمرؓ آپ کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں۔ لوگ جوق در جوق سلام و مصافحہ کے لئے حاضر ہو رہے ہیں میں بھی سراپا شوق ملاقات کے لئے حاضر ہو گیا۔ دیدار و زیارت تو ہو گئی۔ اتنے میں میری اہلیہ محترمہ نے مجھے جگا دیا کہ سحری کھا لیجئے۔ میں نے کہا کہ تم نے مجھے ناحق جگا دیا ایک بڑا اچھا خواب دیکھ رہا تھا پھر سارا خواب بیوی سے بیان کیا تو انہوں نے کہا مبارک ہو تمہاری کتاب بارگاہ نبوت میں مقبول ہو گئی علامہ مرحوم کا بیان ہے کہ جب میں صبح آٹھ بجے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پڑھنے گیا اس وقت

شیخ عبدالعزیز بن باز جامعہ اسلامیہ کے وائس چانسلر تھے ان سے میں نے اپنا پورا خواب پچھلے پہر کا دیکھا ہوا بیان کیا تو شیخ ابن باز فرط مسرت سے اٹھ پڑے اور گلے لگا لیا اور کہا کہ مبروک مبروک یعنی تمہارا خواب بڑا مبارک ہے تمہاری کتاب القادیانیہ کے مقبول ہونے کی یہ ایک بڑی دلیل ہے

ایک اور مبارک واقعہ علامہ مرحوم جس طرح علم و فضل میں ممتاز عالم تھے اسی طرح بفضل خدا حافظ قرآن بھی تھے انہوں نے اپنا ایک دردناک و بصیرت افروز واقعہ مجھ سے بیان فرمایا کہ جن دنوں فتنہ قادیانیت زوروں پہ تھا ان ایام میں میرا شہب قلم بھی اس فتنہ کی تردید میں رواں دواں تھا الاعتصام لاہور میں میرے مضامین ایک سے بڑھ کر ایک شائع ہو رہے تھے حکومت وقت کو میرے مضامین ناگوار گزرے تو انہوں نے ایک الزام لگا کر مجھے جیل کی سلاخوں میں بند کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ جب میں نے مدینہ یونیورسٹی کی بڑی سے بڑی ملازمت کی پیشکش سے انکار کر دیا اور اپنے مادر وطن پاکستان میں دینی خدمت کرنے کی آرزو لے کر آیا اور الاعتصام کی ادارت سنبھالی اور اس میں زوردار مضامین لکھے اور حمایت حق کے سبب مجھے جیل میں جانا پڑا اور معاشی طور پہ بھی پریشانی ہوئی۔ تو ایک روز ختم قرآن کر کے جب میں سو گیا تو صبح کے وقت بیدار ہوا تو دیکھا کہ میرے چھوٹے بھائی فضل الٰہی رہائی کا پروانہ لیکر جیلر کے پاس پہنچے اور جیلر صاحب نے آکر مجھ کو رہائی کی خبر دی اور جیل سے باہر کیا باہر سینکڑوں آدمی زندہ باد و مبارکباد کہنے کے لئے موجود تھے۔ جب میری کار آگے بڑھی تو مجھ کو میرے چھوٹے بھائی فضل الٰہی نے ایک لفافہ دیا جو جلالۃ الملک فیصل کی طرف سے ریاض سے آیا تھا اس میں فیصل شہیدؒ نے لکھا تھا کہ مجھ کو خوشی ہے کہ تم ہمارے ادارے میں پڑھے ہوئے قابل قدر طلبہ میں سے ہو۔ تمہیں خداداد صلاحیت ملی ہے تم نے جو کتاب "القادیانیہ" لکھی ہے اس کے بارے میں یوگنڈا کے سفیر نے مجھکو لکھا ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر سینکڑوں قادیانی قادیانیت سے تائب ہو کر پکے محمدی بن گئے اور اس کتاب کے سینکڑوں نسخوں کو مزید طلب کیا ہے اس کے لئے ایک لاکھ کا ڈرافٹ روانہ ہے تم اس سے ساٹھ ہزار نسخے طبع کرا کے ہمارے پاس بھیج دو ہم اس کو یوگنڈا روانہ کر دیں گے علامہ احسان الٰہی ظہیر کہتے تھے کہ

ہم نے رات بھر قرآن شریف ختم کر کے دعا کی تھی پھر یہ دعا کتنی جلد مقبول ہوئی فوراً بارگاہ الٰہی کی مشیت سے جیل سے نجات ملی اور میرے معاش کا بھی پردۂ غیب سے انتظام ہوگیا۔ علامہ مرحوم یہ بھی فرماتے تھے کہ اس کتاب کے ساٹھ ہزار نسخے چھپوا کر بھیج دیئے اور ہمیں کافی مالی منفعت بھی حاصل ہوئی۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر یہ بھی کہتے تھے کہ خدا کا فضل و انعام رہا کہ شاہ فیصل شہید سے میری ملاقات ہوتی رہی اور وہ بھی اپنی قیمتی مشوروں اور نصائح سے مجھ کو نوازا کرتے تھے علامہ مرحوم پہ مشائخ عرب میں سب سے زیادہ مہربان میرے علم و دانش میں شیخ ابن باز حفظہ اللہ تھے جو علامہ کے نشاطات اور پاکستان میں ان کی بے باک دعوت حق سے بہت زیادہ خوش اور مطمئن تھے ان کو پاکستان میں اسلام کی قوت اور حرکت سے تعبیر کرتے تھے ان کے روابط بہت سارے اہل علم و اہل فضل اور عرب کے مشائخ سے قائم تھے اسی طرح خادم الحرمین شریفین فہد المعظم سے بھی گہرے تعلقات تھے انہیں غالب، اقبال اور حافظ شیرازی وغیرہ کے بہت سے اشعار ازبر تھے۔

کبھی کبھی کوئی شعر سناتے تھے تو اس بحر کے سارے اشعار سنا ڈالتے تھے مرحوم کی بہت سی باتیں۔ اور بہت سی یادیں ابھی باقی ہیں ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ اللہ تعالیٰ شہید مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے اور جماعت و ملت کے لئے ان کا بدل بلکہ نعم البدل عطاء کرے آمین ثم آمین۔

ع آسماں انکی لحد پہ شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بقیہ آہ! شہید ملت

نشانِ مردِ مومن با تو گویم چو مرگ آید تبسم برلب اوست

علامہ صاحب کو رب ارض و سما نے آپ کی دعا کے نتیجے میں خاکِ حرم نبوی اور شہادت کی موت نصیب فرمائی۔ خادم الحرمین شاہ فہد کی دعوت پر علاج کی غرض سے آپ سرزمین حجاز میں تشریف لے گئے۔ اور وہیں پہ عالم فنا کو خیرباد کہہ دیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

تحریر
جناب علیم ناصری مدیر اعلیٰ " الاعتصام "

سوئے گردوں رفت ازاں راہے کہ پیغمبر گزشت

خطیب خوش نوا، مقرر شعلہ بیاں علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ بھی ۳۰ / اپریل کی سحر کی نمود سے پہلے ریاض (سعودی عرب) ہسپتال میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

۲۳ / مارچ ۱۹۸۷ء کو رات گئے قلعہ لچھمن سنگھ میں سیرت النبیؐ کے جلسے میں بم کا دھماکہ عین علامہ مرحوم کی تقریر کے دوران ہوا جس سے بہت سے سلفی علماء اور کارکن شہید اور زخمی ہوئے علامہ صاحب شدید زخمی ہوئے اور ۲۹ / مارچ تک میو ہسپتال کے انتہائی احتیاط کے کمرے میں زیر علاج رہے ان کی بائیں ٹانگ اور بایاں بازو شدید زخمی تھا جسم کے دیگر حصے بھی متاثر تھے ادھر بم زہر آلود تھا جس نے پورے بدن کو مفلوج کر رکھا تھا روز بروز ان کے متعلق تشویشناک اطلاعات ملتی رہیں ان کی صحت یابی کے لئے پورے عالم اسلام میں دعاؤں کے لئے ہاتھ بلند رہے پاکستان بھر کی اہلحدیث مساجد میں پنجگانہ نمازوں کے دوران آہوں اور سسکیوں سے بھرپور دعائیں جاری رہیں خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد نے بھی علامہ صاحب کے سعودی عرب میں علاج کی پیشکش کی۔ میو ہسپتال کی انتظامیہ نے جب علامہ صاحب کی تشویشناک حالت کو محسوس کیا تو ایک آخری تدبیر کے طور پر انہیں سعودی عرب (ریاض ہسپتال) منتقل کر دیا وہاں بلا تاخیر ان کے زخموں کے اندمال کی بشری تدابیر روبہ عمل لائی گئیں مگر بفحوائے ؎

تدبیر کند بندہ   تقدیر کند خندہ

ان کی اجل کا معین وقت آ پہنچا تھا۔ ریاض میں انہوں نے عالم فنا میں اپنی حیات مستعار کے چوبیس گھنٹے گزارے اور ۳۰ / اپریل بروز بدھ (یوم وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم) عالم بقاء میں پہنچ کر صبح کی۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

مسجد چینیانوالی (لاہور) کے منبر سے قال اللہ قال الرسول کے لولوئے لالا بکھیرنے والی زبان رک گئی۔ سیرت النبیؐ کی کانفرنسوں میں کتاب و سنت کے لعل و جواہر لٹانے والی نطق و نوا ساکت ہو گئی۔ سیاسی میدانوں میں گونجنے گرجنے والا شہسوار اپنے مرکب سے

اٹھ گیا۔ ملک اور بیرون ملک گونجنے والی آواز یکایک خاموش ہوگئی گلستانِ توحید کا بلبل ہزار داستان چہکتا چہکتا ہمیشہ کے لئے چپ ہوگیا ہمارے اردگرد اس سانحے نے ہُو کا عالم پیدا کردیا ہے دلوں اور ذہنوں کے آفاق میں ایک سناٹا چھاگیا ہے ؎

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیئے
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

علامہ مرحوم کے اٹھ جانے سے جماعت اہلحدیث خلا میں معلق ہوکر رہ گئی ہے۔ قلم و قرطاس کی محفل سونی ہوگئی نطق و نوا کی بساط الٹ گئی بزم سیاست کا ہنگامہ تھم گیا خاندان کا چمکتا دمکتا آفتاب عین نصف النہار پہ غروب ہوگیا والدین کی ضعیفی کا سہارا اور بیوی بچوں کا شفقت و محبت کا سائبان سروں سے ہٹ گیا قافلۂ حق کا گرز باطل شکن ٹوٹ گیا ع

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے ؟

مگر یہ قدرت کردگار کا فیصلہ ازلی تھا جو پورا ہوا اس میں کسی کو مجال سخن نہیں ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کیوں ہوا۔ اسے ہونا تھا۔ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ اب ہمیں اس سانحہ کو برداشت کرنا پڑا ہے اور رضا بقضا کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا۔ ہمارے امام اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی سکھایا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق ارزانی فرمائے علامہ مرحوم کی حسنات کو شرف قبولیت بخشے اور بشری لغزشوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے انہیں فردوس بریں میں شہداء و صالحین کی مصاحبت نصیب فرمائے۔

علامہؒ کے جسدِ خاکی کا جوارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آسودۂ خاک ہونا مقدر تھا اور یہ بہت بڑی سعادت ہے جس کے اسباب خود مسبب الاسباب نے مہیا فرمائے۔ معالج تو انہیں زندگی کی طلب میں بہتر علاج گاہ کی طرف لے جارہے تھے جبکہ مشیت ایزدی انہیں مرحوم کی ابدی آرام گاہ کی طرف رہنمائی کررہی تھی۔ یہ فیصلے گھروں کے دیوان خانوں، ہسپتالوں کے وارڈوں یا حکومت کے ایوانوں میں نہیں عرش بریں پہ ہوتے ہیں۔ لَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ـــ یوں بھی علامہ مرحوم نے بقولِ اقبال یہ تمنا کی تھی ع

میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں

اس لئے ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا ! !

مجھے یاد پڑتا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر مرحوم ۱۹۳۱ء میں لندن گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے وہاں شہنشاہ برطانیہ کے روبرو تقریر کرتے ہوئے انہوں نے ایک آزاد ملک میں مرنے کی تمنا کی تھی اور حسن اتفاق سے واپسی میں بیت المقدس میں ٹھہرے وہیں وفات ہوگئی اور وہیں مدفن نصیب ہوا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ۔ علامہ اقبال نے اس واقعے پہ ایک نظم فارسی میں لکھی جس کا آخری شعر تھا ؎

خاکِ قدس او را بآغوشِ تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت ازاں راہے کہ پیغمبر گزشت

یونہی علامہ کی بھی حجاز میں دو سال پیشتر کی ہوئی دعا قبول ہوئی اور وہ مدینہ طیبہ میں جنت البقیع کے چمن زار رحمت میں راحت گزیں ہوگئے۔ فالحمد للّٰہ علی ذلک۔ ہم علامہ اقبال کے متذکرہ شعر کے پہلے مصرعے میں تصرف کے ساتھ اسے یوں دہرانے کا شرف حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کو رحلت کا بھی وہی یوم نصیب ہوا جو یوم رحلت سرور عالمؐ تھا ؎

ارضِ طیبہ کرد را آغوشِ خود بہر ظہیر
سوئے گردوں رفت ازاں راہے کہ پیغمبر گزشت

ہم اس سانحۂ عظیم پہ علامہ شہید کے والد گرامی محترم شیخ ظہور الٰہی اور ان کے دیگر تمام لواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کرتے ہیں۔

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ الجنۃ الفردوس

بقیہ: ایک انٹرویو

آخر میں شیخ صاحب سے درخواست کی کہ وہ پاکستان میں اپنے دینی بھائیوں کے نام کوئی پیغام دیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہمارے تعلقات حق وصداقت اور دین پر قائم ہیں۔ اور کتاب وسنت معیار حق ہے۔ پاکستان، اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔ وہاں اسلام کی فرمانروائی سے تمام اہل اسلام خوشی محسوس کریں گے۔ ——— تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی اس نشست میں بہت سے دیگر مسائل بھی زیر بحث آئے مگر یہاں ان کا تذکرہ ضروری نہیں۔ فضیلۃ الشیخ نے ہمیں نہایت گرمجوشی کے ساتھ الوداع کہا۔ جب ہم موصوف کے بنگلے سے باہر نکلے تو ظہر کی اذان ہو رہی تھی ———

۲۲ مارچ کے سانحہ نے جہاں ہماری متاع گرانمایہ چھین لی ہے وہاں اس نے ہمیں ایسے زخم دیئے ہیں جو مدتوں مندمل نہ ہو سکیں گے۔ یہ سانحہ ہماری تاریخ کا ایسا سانحہ ہے جو المناکی میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ ستم یہ بھی ہے کہ اس سانحہ کو ایک سال کا عرصہ ہوا چاہتا ہے۔ مگر قاتل ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکے۔ ادھر ملک میں احتجاجی تحریک زوروں پر تھی اُدھر رمضان کی آمد آمد تھی۔

ظاہر ہے رمضان المبارک میں احتجاجی تحریک کو اسی بھرپور انداز سے جاری رکھنا مشکل تھا۔ تاہم احتجاج کا انداز بدل گیا۔ تبلیغی جلسے، احتجاجی جلسوں کی صورت اختیار کر گئے۔ انہیں دنوں شہدائے اہلحدیث پر عموماً اور شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ پر خصوصاً دو چیزیں زیر ترتیب تھیں۔ اولاً ہماری کتاب علامہ ظہیر — ایک عہد — ایک تحریک، جسے ہم اپنے فاضل دوست جناب قاضی محمد اسلم صاحب سیف فیروزپوری مدیر اعلیٰ مجلہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے اشتراک عمل سے مرتب کر رہے ہیں۔

ثانیاً، ترجمان الحدیث کا یہ شہدائے اہلحدیث نمبر۔ انکی تکمیل کیلئے سعودی عرب اور کویت کا سفر ضروری تھا تاکہ شہید ملت کے علمی نقوش سے خصوصی اشاعتوں کو مزین کیا جائے۔

چنانچہ ہم نے جناب قاضی صاحب اور مولانا محمد یوسف ضیاء، صاحب امیر جمعیت اہلحدیث ضلع گوجرانوالہ سے ادائیگی عمرہ کا پروگرام بنایا۔ قاضی صاحب تو سیدھے جدہ پہنچ گئے، راقم الحروف اور مولانا محمد یوسف صاحب ضیاء نے براستہ

کویت ، سعودی عرب جانے کا فیصلہ کیا چنانچہ ہم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں کویت پہنچے۔ حاجی عبدالغنی صاحب کے ہاں قیام رہا ۔ البتہ مولانا عارف جاوید صاحب محمدی ، قاری نعیم صادق صاحب ملک ، مولانا محمد بشیر صاحب الطیب ، جناب یوسف توفیق ، جناب محمد یوسف ، محمد اسلم صاحب اور دیگر احباب کی رفاقت اور مسافر نوازی نے موسم کی شدت کے باوجود روزے کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ یہاں پانچ روز قیام رہا ۔ مختلف شیوخ سے ملاقاتیں ہوئیں ۔ یہاں کے احباب نے بھی حضرت علامہ کی شہادت کو بیحد محسوس کیا ۔ اور ہر حساس شخص کو اس سانحہ پر غمگین پایا ۔

کویت کے علمی حلقوں میں حضرت علامہ شہید کی تحقیقی کتابوں اور عربی تقاریر کا بڑا شہرہ تھا ۔ گھر گھر تقاریر کی کیسٹیں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سنی جاتی ہیں۔ کویت کے سلفی نوجوان حضرت علامہ کی دینی و ملی خدمات کے دلدادہ و شیدا ہیں ۔ کویت کے اخبارات اور علمی جرائد میں علامہ شہید پر بہت سے مضامین لکھے گئے ہیں ۔ اور لکھے جائیں گے ۔

ہم عیدالفطر سے تین روز قبل کویت سے جدہ پہنچے ۔ اپنے پروگرام کی اطلاع بذریعہ فون دے دی تھی ۔ چنانچہ عزیزی شاھد بشیر ، حافظ عبدالکریم صاحب رئیس کلیۃ البنات ڈیرہ غازیخاں اور مولانا محمد شریف صاحب چنگوانی مدیر مرکز ابن القاسم الاسلامی ملتان ہوائی اڈا پر موجود تھے ۔ امیگریشن وغیرہ سے فارغ ہو کر احرام باندھا اور شیخ عبدالکریم کی کار پر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے ۔ نماز ظہر حرم شریف میں ادا کر کے عمرہ کیا ۔ اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا جس نے اپنے گھر کی بار بار زیارت کی توفیق بخشی ہے ۔ پھر احباب سے ملاقات کر کے سفر کا احساس بھی باقی نہ رہا ۔ طائف سے حاجی عبدالحق صاحب ، ابہا سے میاں منظور احمد صاحب طاہر ، ریاض سے عبدالقادر گوندل صاحب اور حافظ عبدالغفور صاحب تشریف لائے ہوئے تھے ۔ مکہ مکرمہ میں حاجی سراج دین صاحب ، مولانا محمد ابراہیم صاحب خادم قصوری ، قاری محمد شفیع صاحب نجم قصوری ، مولانا عبدالغفار صاحب ریحان ، شیخ محمد لقمان صاحب سلفی ، مولانا صدیق الحسن صاحب ہزاروی ، مولانا محمد حنیف ملتانی صاحب ، شیخ عبدالوکیل صاحب ہاشمی اور مولانا عبدالرب صاحب سے خوب ملاقاتیں رہیں ۔ اور شیخ عبدالکریم صاحب کے ہاں قیام رہا ۔ ہر مجلس میں سانحۂ لاہور اور شہدائے اہلحدیث کا تذکرہ ہوتا رہا ۔ احباب ، تفتیش کی صورتحال

پر گہری تشویش کا اظہار کرتے رہے۔

عید الفطر، مدینہ منورہ میں ادا کرنے کا پروگرام تھا چنانچہ شیخ عبدالکریم صاحب ہمیں اپنی کار میں مدینہ منورہ لے گئے۔ عزیزی شاہد بشیر بھی پانچ چھ روز ہمارے ساتھ ہی رہے اور عبدالسلام یعقوب صاحب کے ہاں قیام کیا۔

شیخ عبدالقادر حبیب اللہ السندھی، الشیخ ابو معاذ، ڈاکٹر ربیع صاحب، مولانا فضل الرحمٰن ہزاروی، مولانا شمس الدین صاحب افغانی، مولانا محمد اسلم صاحب حنیف، حافظ محمد اکرام صاحب سندھی، شیخ عبدالرحمٰن صاحب سندھی اور دیگر احباب سے خوب ملاقاتیں رہیں یہاں کے احباب بھی سانحۂ لاہور کے بارے میں بیحد متفکر تھے ——— مدینہ یونیورسٹی کے طلبہ اور متعدد احباب نے بتایا کہ حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کے جنازہ سے بڑا جنازہ اس سے قبل ہم نے نہیں دیکھا۔ پھر جنت البقیع میں امام مالکؒ کے پہلو میں تدفین بڑے نصیب کی بات ہے ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں؟

مدینہ منورہ واپسی پر ایئر کنڈیشنڈ بس پر سفر کیا۔ اس بار مولانا محمد اسمٰعیل صاحب علیم (ساہیوال) بھی شریک سفر تھے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر مختلف شیوخ سے ملاقاتوں کا پروگرام تھا۔ فی الحال امام کعبہ الدکتور صالح ابن حمید استاذ جامعہ ام القریٰ سے ملاقات کے تاثرات پیش کرتے ہیں ——— الدکتور صالح ابن حمید حفظہ اللہ سے ہماری دیرینہ یاد اللہ ہے۔ اسلیئے کہ ان کے والد مرحوم سماحۃ الشیخ عبداللہ ابن حمیدؒ ہمارے نہایت مہربان بزرگ تھے ان کی شفقتوں اور اللہ کے فضل وکرم سے ہمیں متعدد بار حج وعمرہ کی سعادتیں نصیب ہوئیں۔ مرحوم کی متعدد عربی کتابوں کو ہم نے اُردو اور انگریزی میں شائع کیا۔ اور انہوں نے ہماری بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مرحوم مجلس قضاء الاعلیٰ کے رئیس، ھیئۃ کبار العلماء، مجلس فقہی اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن تھے۔ آپ اشراف الدینی کے بھی رئیس رہے۔ آپ کا صدر دفتر ریاض میں تھا۔ قیام مکہ مکرمہ کے دوران آپ حرم میں درس دیتے۔ آپ بڑے محقق، ماہر قانون اور جید عالم تھے۔ ۱۹۸۲ء میں انکا انتقال ہوا۔

انہیں کے نامور فرزند الدکتور صالح ابن حمید حفظہ اللہ بھی بڑی فاضل شخصیت بہترین خطیب، اور ماہر استاذ ہیں۔ ایک روز صبح دس بجے ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے۔ عبدالکریم صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب ضیاء، مولانا عبدالغفار

صاحب ریحان اور عزیزی کاشف بشیر ہمراہ تھے۔ جناب عبدالغفار صاحب ریحان، ترجمانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ علیک سلیک اور مشروبات وغیرہ سے فارغ ہو کر اصل مدعا بیان کیا کہ حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شیخ صاحب نے بتایا کہ حضرت علامہ شہید سے ایک بار ہی ملاقات کا موقع ملا ہے۔ وہ جامعہ ام القریٰ میں تشریف لائے اور اساتذہ کی محفل میں ان کی گفتگو سے محظوظ ہوا تھا البتہ ان کی دو تین کتابیں پڑھنے کا ضرور موقع ملا ہے۔ میرے استفسار پر شیخ صاحب نے فرمایا کہ حضرت علامہ عربی میں اپنے الگ حکیمانہ اسلوب تحریر کے موجد تھے۔ انہوں نے کسی کا اسلوب نہیں اپنایا۔ ان کی تحریر میں عجیب قسم کا بانکپن تھا۔ زبان پر کمال قدرت، اظہار خیال پر مکمل قابو، انداز میں خود اعتمادی، اسلوب میں شگفتگی اور پیرایہ اظہار میں تازگی تھی۔ عجمی ہونے کے باوصف ان کے لہجہ سے عربیت ٹپکتی تھی۔ انہوں نے فرق پر جتنی کتابیں لکھی ہیں ان کے حوالوں پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے جو کچھ انہوں نے لکھا ہے انہی کی کتابوں کے حوالوں سے لکھا ہے۔ اور حوالے نہایت دیانتداری کے ساتھ پیش کیے ہیں علامہ مرحوم بنیادی طور پر خطیب تھے اسلئے ان کی تحریر میں خطابت کا رنگ نمایاں ہے ان کے انداز گفتگو، طریق استدلال پر تو گفتگو ہو سکتی ہے مگر ان کے حوالوں، مصادر اور مراجع کو جھٹلایا نہیں جا سکتا

میرے ایک ضمنی سوال پر شیخ صاحب نے فرمایا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی سے علامہ مرحوم کی عربی تحریریں زیادہ چاشنی ہے۔ جسطرح ان کی خطابت میں آبشار کا بہاؤ اور پہاڑوں کا جلال تھا۔ اسیطرح انکی تحریر میں جلال بھی ہے اور جمال بھی۔ شیخ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ علامہ مرحوم کی کتابوں پر دکتورہ ہونا چاہیے۔ تاکہ انکی اہمیت و معنویت مزید اجاگر ہو سکے۔

جب میں نے مولانا مودودیؒ اور علامہ مرحوم پر اظہار خیال کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ مولانا مودودیؒ نے خاصی عمر پائی ہے۔ وہ ایک جماعت کے بانی تھے۔ ان کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس علامہ مرحوم نے بہت تھوڑی عمر پائی ہے اور براہ راست عربی میں کتابیں لکھی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تھوڑی عمر میں بہت زیادہ کام کیا ہے۔ اور انہوں نے حقائق کو خلوص اور سچائی کے ساتھ اہل علم کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنی کتابوں میں معلومات کا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ باقی ص ۱۴۷ پر

تحریر
جناب بشیر انصاری ایم اے

شہید ملت علامہ ظہیر کی حق گوئی و بیباکی۔ ایک چشم دید واقعہ

یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے جب ملک دولخت ہونے کے بعد "نئے پاکستان میں" فکر و نظر پر پہرے بٹھا دیئے گئے تھے شرفاء پر نااہل مسلط ہو چکے تھے۔ ملک میں ہر طرف سناٹا تھا۔ حق بات کہنا سینکڑوں مصائب کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن اس وقت بھی اہل حدیث کے نامور فرزند شہید ملت حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر حق گوئی کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے اسی پاداش میں "عوامی حکومت" نے ان پر متعدد مقدمات قائم کر رکھے تھے۔ جب وہ ساہیوال، ملتان، بہاولپور اور رحیم یار خاں کے سیاسی تبلیغی دورہ سے واپس لاہور پہنچے تو عارفوالہ میں کی گئی تقریر کے سلسلہ میں لاہور کے ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر نے آپ کو اپنی عدالت میں طلب کر لیا۔ راقم السطور ان دنوں ہفت روزہ اہل حدیث کی ادارت سے وابستہ تھا۔ علامہ مرحوم دفتر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ آؤ ذرا کچہری تک چلیں وہاں اسے ڈی سی نے مجھے بلایا ہے

جب ہم عدالت میں پہنچے تو اے ڈی سی نے علامہ صاحب کو عارفوالہ کی تقریر کی رپورٹنگ دکھانے کے بعد کہا کہ میں آپکو اپنی تقریر میں آئندہ محتاط رویہ اختیار کرنے کی وارننگ دیتا ہوں علامہ صاحب نے فوراً کہا کہ میں اس وارننگ کو تسلیم نہیں کرتا اور آپ نے اس وقت اپنے تحریری بیان میں لکھا کہ "میں نے اس تقریر کو پڑھا ہے میں بنیادی طور پر اس رپورٹنگ کو غلط سمجھتا ہوں اور فقرات کو سیاق و سباق سے الگ کرکے لکھا گیا ہے باقی جو کچھ میں نے کہا تھا اسے حق و صداقت کے طور پر پیش کیا تھا اور حق و صداقت سے اعراض، گریز اور پسپائی اختیار نہیں کی جا سکتی۔" ۷۳/۳/۸

جب ہم دفتر واپس پہنچے تو جناب علیم ناصری مدیر اعلیٰ ہفت روزہ الاعتصام

باقی صفحہ ۳۲ پر

۲۳ مارچ کو قلعہ لچھمن سنگھ فوارہ چوک لاہور میں جو سانحہ رونما ہوا اور قیامت صغریٰ بپا ہوئی اس سے پورا عالم اسلام رنجیدہ ہے۔ اور پوری ملت اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ اس حادثہ میں علم وخطابت، صحافت، ذہانت، فراست، شرافت، دیانت اور لیاقت کا آفتاب غروب ہو گیا۔ یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسی حادثہ میں مسلک اہلحدیث کے شیدائی اور قرآن وسنت کے فدائی مولانا حبیب الرحمٰن یزدانیؒ بھی جام شہادت نوش کر گئے اور یوتھ فورس پاکستان کے بے باک اور نڈر لیڈر جناب محمد خان نجیبؒ بھی ہمیشہ کی نیند سو گئے اور محقق عالم دین مولانا عبدالخالق قدوسیؒ اور ان کے دیگر رفقا ہم سے جدا ہو گئے یہ قیامت خیز بم کا دھماکہ انگریزوں اور سکھوں کے دور میں نہیں بلکہ یہ اسلام کی دعویدار حکومت کے دورِ اقتدار میں رونما ہوا۔ یہ ایک المناک اور شرمناک عمل ہے جو موجودہ حکومت کے دامن پر بدنما داغ ہے۔

موت ہر ذی روح کا مقدر ہے۔ بعض موتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے دامن میں ایک دل خراش داستانِ غم لیکر آتی ہیں جس کے درد کی ٹیس کسی پل آرام نہیں کرنے دیتی لیکن گوناگوں خوبیوں کی مالک جمعیت اہلحدیث پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کی پسندیدہ شخصیت، شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ اور انکے رفقا کرام کی موتیں بھلائی نہیں جا سکیں گی۔ اور ان شہداء اسلام کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔ علامہ صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں وہ ایک ممتاز عالم دین، شعلہ نوا خطیب، مشہور سکالر، محقق اور بہت بڑے مصنف تھے ہر عام وخاص انکی خطابت، صحافت، اور ذہانت کا معترف ہے۔ اپنے اور بیگانے انکی تعلیمی قابلیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ انھوں نے جمعیت اہلحدیث کو صدیوں کا سفر چند سالوں میں طے کروایا۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی دین اسلام اور اپنی عقائد ونظریات کی خدمت اور تبلیغ واشاعت کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ وہ ایک نابغۂ عصر شخصیت تھے۔ وہ حالات کی ناسازگی کے باوجود کلمۂ حق کو ببانگ دہل کہتے رہے اور آمریت کا جنازہ ملک سے نکالتے رہے اور ہر آمر کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔

علامہ صاحبؒ نے ملک وقوم کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کیا وہ حالیہ سالوں میں اسلام کے ساتھ ساتھ جمہوریت کا پرچم بڑی جرأت وبہادری، شجاعت اور جوانمردی سے تھامے ہوئے تھے۔ علامہ صاحب کی پکار انکی للکار یہ تھی کہ جس تصور اسلام میں اسلام کے عطاکردہ جمہوری وسیاسی حقوق کا احترام نہیں اہنیں وہ تصور اسلام قابل قبول ہنیں۔

جمہوری آزادیوں کے ساتھ انکی وابستگی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اور مزید بڑھتی جارہی تھی۔ انہوں نے اپنی تمام تقاریر اسی کے تذکرہ ومطالبہ کیلئے وقف کر رکھی تھیں وہ اپنے موقف کو برسر منبر برسر میدان اور پاکستان کے طول وعرض میں منعقد ہونے والے سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں علی الاعلان پیش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ علمی اور سیاسی دونوں میدانوں کے مردِ جری تھے۔ اسلام کی خدمت اپنے لئے فرض عین سمجھتے اور اسلام کی تبلیغ واشاعت ان کی روح کی غذا تھی۔ اسلامی اقدار کا احیاء ان کی زندگی کا مشن تھا۔ جس کیلئے انہوں نے اپنی تمام تر کوششوں اور کاوشوں کو بروئے کار لایا حق گوئی وبے باکی میں ان کا کوئی شریک ہنیں تھا۔ منہ پر ہمیشہ سچ بات کہنے میں ان کا کوئی ثانی ہنیں تھا۔

جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا ان کا وطیرہ تھا۔ ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے اور بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

علامہ صاحب اس دور کے جابر حکمرانوں کے سامنے بھی ایک سیسہ پلائی دیوار بنے رہے اور انکے خلاف ہر طریقے سے جہاد کرتے رہے۔ اسلام کے خلاف مذموم ارادے رکھنے والوں کے ارادوں کو مسمار کرتے رہے۔ کسی بھی مسئلہ پر بحث کرتے تو اپنے مدمقابل کا دلائل کے ساتھ ناک میں دم کر دیتے۔

الادیان والفرق کو پوری طرح عیاں کرنے کا سہرا اُنہی کے سر ہے۔

حکمرانو! میں سوال کرتا ہوں کہ علامہ صاحبؒ کا جرم کیا تھا؟ اس کا جواب دو کس جرم کی پاداش میں انہیں شہید کیا گیا کیا حق گوئی کی یہی سزا ہے؟ مگر یاد رکھو۔ ؎

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رُخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

باتیں اُنکی یاد رہیں !

تحریر ! جناب عطاء الرحمٰن ثاقب

..... اور جناب خلیل حامدی صاحب لاجواب ہو گئے

قائدمرحوم مسلکی وجماعتی حمیت کے سلسلے میں نہایت ہی حساس طبع واقع ہوئے تھے۔ آغاز شباب کا واقعہ ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے منعقدہ کسی تقریب میں بہت سے شیوخ جمع تھے۔ گفتگو شروع ہوئی جناب خلیل حامدی صاحب بھی موجود تھے۔ انہیں آپ کی حساس طبعی کا اندازہ نہ تھا۔ حامدی صاحب نے جوش میں آکر کہہ دیا کہ جماعت اسلامی ہی پاکستان میں امام محمد بن عبدالوہاب ؒ کی دعوت کا علم بلند کئے ہوئے ہے۔ قائدمرحوم سے ضبط نہ ہو سکا گرجدار آواز میں تمام شیوخ کو مخاطب کیا اور فرمانے لگے، مجھے حامدی صاحب کی بات سے اختلاف ہے۔ جماعت اسلامی اتنے بڑے مرکز کی مالک ہے۔ وسائل کی فراوانی ہے۔ حامدی صاحب بتلائیں کہ کیا ان کے مرکز کی طرف سے کوئی چھوٹا سا بھی کتابچہ ابن عبدالوہاب ؒ یا ان کی دعوت کے متعلق شائع ہوا ہے؟ یہ جماعت تو پاکستان میں توحید وسنت کی طرف دعوت دینے کو "فرقہ واریت" سے تعبیر کرتی ہے۔ انہیں دعوٰی کس طرح زیب دیتا ہے؟ ابن عبدالوہاب ؒ کی دعوت کی نشرواشاعت کا بیڑہ ان لوگوں نے اٹھا رکھا ہے جنہیں پاکستان میں "وہابی" کہا جاتا ہے اور وہ اہل حدیث ہیں۔ ابن عبدالوہاب اور توحید باری تعالٰی پر جتنا لٹریچر بھی پاکستان میں دستیاب ہے وہ اہلِ حدیث حضرات ہی کی کوشش و کاوش کا مرہون منت ہے۔

اتنا سننا تھا کہ حامدی صاحب کھسیانے ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

علامہ صاحب ! تسبیں سچ کہندے او

قائدمرحوم فرصت کے اوقات میں جناب نواب زادہ نصراللہ خاں صاحب کی "محفل سیاست" کو رونق بخشنے کے لئے اکثر اوقات تشریف لے جاتے تھے۔ آپ اس خالص سیاسی ماحول میں بھی مسلک اہل حدیث کی حقانیت وصداقت اور تاریخ وہابیت کے کارہائے

نمایاں بیان کرنے کے لئے موقعہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایسی ہی ایک مجلس میں دوسرے بہت سے سیاسی زعماء کے علاوہ مشہور سیاسی راہنما ملک معراج خالد بھی موجود تھے۔ قائد مرحوم نے سلسلۂ گفتگو وہابی تاریخ کی طرف موڑتے ہوئے چند تاریخی واقعات کا ذکر کیا تو ملک معراج خالد صاحب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے کن الفاظ میں آپ کی تائید کی۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ملک صاحب کہنے لگے۔

"علامہ صاحب! تسیں بالکل سچ کہندے او، جے برصغیر دی تاریخ چوں وہابیت نوں کڈھ دتا جائے۔ تے سوائے بت پرستی دے ساڈے کول ہور کجھ نئیں رہ جاندا۔"

آپ بالکل سچ کہتے ہیں۔ اگر برصغیر کی تاریخ میں سے وہابیت کو خارج کر دیا جائے تو سوائے بت پرستی کے ہمارے پاس کچھ باقی نہیں رہتا۔

پھر تو میں بھی اہل حدیث ہوں

قائد مرحوم کا حلقۂ احباب نہایت وسیع تھا یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد آپ کے معتقدین اور مداحین کی صف میں شامل ہیں۔ آپ موقعہ بہ موقعہ اپنے احباب کو مختلف تقاریب کا اہتمام کر کے دعوت پر بلاتے رہتے تھے۔ ایسی ہی کسی دعوت میں چوہدری اعتزاز احسن صاحب نے آپ سے اہل حدیث اور ان کے عقائد و افکار کے متعلق سوال کیا اور جواب سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ نے تقریباً پون گھنٹہ اس موضوع پر گفتگو فرمائی۔ گفتگو سادہ و دلنشیں تھی۔ فوراً دل میں اتر گئی چوہدری صاحب کہنے لگے۔ علامہ صاحب! اگر مسلک اہل حدیث اسی کا نام ہے تو پھر میں بھی اہلِ حدیث ہوں۔

بعض ناعاقبت اندیش علمائے سوء نے اسلامی تعلیمات کو اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ نوجوان اور دنیوی علوم یافتہ طبقے کے اذہان میں اسلام کی تصویر مجموعہ خرافات و ترہات کی شکل بن کر ابھرتی ہے ہمارے علمائے کرام کا چونکہ اس طبقے سے رابطہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے اسلئے وہ حقیقی اسلام سے ناآشنا ہی رہتے ہیں ان کے نزدیک نت نئی بدعات ڈھول کی تھاپ پر رقص و استہزاء، قوالی کی محفلیں، جمعرات کے روز "ملاؤں" کی تواضع، مرنے کے بعد چنوں اور کھجوروں کی گٹھلیوں کی گنتی، "اللہ ہو" کی صدا پر سر کے جھٹکے، پیری مریدی کے نام پہ سادہ لوح افراد کے ایمان اور عزت و آبرو پہ ڈاکے، کرامات کے نام پہ عقل دشمن حکایات اور الف لیلوی افسانے، مرنے کے بعد پیٹ پوجا کے بہانے اور غلاظت و نجاست بھرے مجذوبوں کی تقدیس و

توقیر کا نام ہی معاذ اللہ اسلام ہے۔ وہ اسلام کے حقیقی تصور سے بے خبر رہتے ہیں مگر قائد مرحوم کا اسی طبقے کے افراد سے گہرا رابطہ تھا اور پھر وہ بعض مولویوں کی طرح احساس کمتری کا شکار نہ تھے خود اعتمادی اور احساس خودداری نے انہیں نہایت پُراثر زبان بخش دی تھی۔ آپؒ جب گفتگو کا آغاز فرماتے تو بڑے بڑے سکالر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔ آپ علم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھے جس کی طوفانی لہریں شرک و بدعت کے بچاریوں کے خس و خاشاک کو بہالے جاتی تھیں۔

چنانچہ آپ نے اسی طبقے کے درمیان مسلک اہل حدیث کی صداقت کا علم بلند کیا اور توحید و رسالت کے صحیح تصور سے انہیں آشنا کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

اور ہم فاتح کی حیثیت سے نکلے

ایک دفعہ مجھے اپنے استاذ و مربی قائد مرحوم کے ہمراہ ریاض میں ندوۃ الشباب کی کسی میٹنگ میں جانے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے برادر اصغر ڈاکٹر فضل الٰہی جو ریاض یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں بھی ساتھ تھے۔ مذکورہ ادارے کے سربراہ سے پہلی دفعہ ملاقات ہوئی۔ حال احوال دریافت کرنے کے بعد سلسلہ کلام کا آغاز ہوا۔ بات سے بات نکلی۔ ادارے کے رئیس نے آپؒ کے اسلوب تحریر پر کوئی اعتراض کر دیا آپؒ جلال میں آ گئے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ فصیح عربی میں علوم و معارف کے موتی بکھیرتے رہے۔ میزبان کی یہ کیفیت تھی کہ ہاتھ کا سہارا لیکر سر کو ایک طرف جھکائے قائدؒ کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا اور "نعم، طیب" جیسے کلمات سے اپنی غلطی کا اعتراف اور آپ کے مؤقف کی تائید کرتا رہا۔ میزبان نے اور بھی کئی مواقف میں آپ سے اختلاف کیا مگر گفتگو کے اختتام پر وہ قائد عالم اسلام کی عظمت کا معترف اور اپنی "اخوانی" سوچ سے تائب ہو چکا تھا۔ اور جب ہم اس دکتور کے کمرے سے باہر نکلے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ایک عظیم فاتح کی سربراہی میں کسی دوسرے علمی و نظریاتی محاذ پر کسی اور مخالف کو فکری شکست دینے جا رہے ہیں۔

میری تمام پریشانیاں دور ہو گئیں

قائد مرحوم کے اساتذہ "فرق" کے موضوع پر اپنے اس ہونہار تلمیذ کو اپنا استاذ مانتے تھے چنانچہ ایک دفعہ مدینہ یونیورسٹی میں آپ کی معیت میں آپ کے اساتذہ کرام سے ملاقات کا اتفاق ہوا گفتگو شروع ہوئی۔ آپ کے ایک استاد نے آپ کی آخری تصنیف کے بارہ میں دریافت کیا۔ قائد نے مجھے اشارہ کیا میں نے "التصوف" کے چاروں نسخے جو میرے پاس تھے ان کو ایک ایک کر کے دے دیئے۔ ان میں سے ایک نے ۔ مجھے ان کا نام یاد نہیں رہا۔ کتاب کا ٹائٹل دیکھتے ہی اللہ اکبر کا

نعرہ لگایا۔ خوشی سے ان کا چہرہ تمتما اٹھا مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی اور کہنے لگے واللہ! مجھے اس موضوع پر کسی مستند کتاب کی تلاش تھی۔ اللہ کا شکر ہے آپ کی اس تصنیف کو دیکھ کر میری تمام پریشانیاں دور ہو گئی ہیں اس کتاب کے بعد مجھے اس موضوع میں کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں ضرور باقی تصانیف کی طرح یہ بھی ہر پہلو پر محیط ہو گی۔ اب میں کوئی تشنگی محسوس نہیں کروں گا ۔۔۔ یہ کہا اور کتاب کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئے۔

واللہ انک لمجاھد الاسلام

مدینہ یونیورسٹی میں جب بھی آپ تشریف لے جاتے عرب و غیر عرب تمام طلبہ اپنے قائد کی زیارت اور ملاقات کو اپنی تمام مصروفیات پر ترجیح دیتے اور آپ کے گرد ہمہ وقت پوری دنیا کی نمائندگی کرنے والے ہونہار طلباء کا تانتا لگا رہتا۔ یہ منظر ہر اہل حدیث کے لئے بے حد خوشی کا باعث ہوتا۔ عرب طلبہ ایک عجمی کے سامنے بیٹھے ہوئے علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔ کوئی تشیع کے متعلق آپ سے سوال کر رہا ہے اور کوئی بابیت و بہائیت کے متعلق آپ سے پوچھ رہا ہے۔ کوئی تصوف کی گمراہیوں سے آگاہی حاصل کر رہا ہے اور کوئی بریلویت کی خرافات سن سن کر لاحول پڑھ رہا ہے۔ کوئی قادیانیت کی سازشوں سے نقاب اٹھتے ہوئے دیکھ رہا ہے اور کوئی اسماعیلیوں کے مکروہ عزائم سے مطلع ہو رہا ہے غرضیکہ ایک شمع روشن ہے اور ہر ایک اپنی بساط و استعداد کے مطابق روشنی حاصل کئے جا رہا ہے۔

ایک دفعہ آپ کسی بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک شخص (جنہوں نے بعد میں بتایا کہ وہ کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں) نے آپ کو روک لیا اور پوچھا: لعلک احسان الٰہی ظہیر؟ شاید آپ ہی کا نام احسان الٰہی ظہیر ہے؟ تصدیق ہو جانے پر بڑی عزت و احترام سے آپ کا ہاتھ دبایا اور کہنے لگے واللہ! انک لمجاھد الاسلام تجاھد شرّ اعداء اللہ فی الارض، واللہ! آپ مجاہد اسلام ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے بدترین دشمنوں سے جہاد کر رہے ہیں اور پھر ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ اور رخصت ہو گیا۔ اس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ قائد سے مل کر گویا اس کی زندگی کی بہت بڑی آرزو پوری ہو گئی ہو۔ اور اپنے آپ کو خوش نصیب محسوس کر رہا ہو۔

ماشاء اللہ! شابّ

قائد مرحوم غیر ممالک میں بڑے علمی و تحقیقی سکالر کی حیثیت سے معروف تھے۔ آپؒ کے اسلوب تحریر کی پختگی اور کثرت تصانیف کی بنا پر اکثر معتقدین یہ تصور کرتے تھے کہ استاذ احسان الٰہی ظہیر کوئی معمر شخصیت ہیں۔ کسی کے تصور میں بھی نہ ہوتا کہ یہ علمی و فکری ورثہ کسی جواں سال شخص کی محنت و کاوش کا ثمرہ ہے۔

ایک دفعہ آپ ریاض کے ایک ہوٹل فندق قصر الریاض میں ٹھہرے ہوئے تھے چند کویتی طلبہ نے آپ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اور ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ قائد مرحوم نے فرمایا کہ ۵ بجے شام ہوٹل کی لابی LOBBY میں آجائیں۔ میں بھی وہاں ہوں گا۔ ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ مقررہ وقت پر چند کویتی اور امریکی طلبہ ہوٹل پہنچ گئے۔ انہوں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ قائد مرحوم اپنے کمرے سے نیچے اترے۔ لابی میں پہنچے۔ اور ان طلبہ کے سامنے سے گذر گئے۔ قائد مرحوم کو شک گذرا کہ یہی وہ طلبہ ہیں جن سے فون پر بات ہوئی تھی۔ مگر خود انہیں مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اُدھر کیفیت یہ تھی کہ وہ کسی سفید ریش معمر شخصیت کا خاکہ ذہن میں تصور کئے اپنے آئیڈیل کی انتظار میں تھے۔ اسی تردد میں کچھ وقت گزر گیا۔ قائد مرحوم دو تین بار ان کے سامنے سے گزرے۔ بالآخر ان میں سے ایک نے ہمت کی اور آپ سے پوچھا۔ تعرف الشیخ احسان الٰہی ظہیر هو ایضا باکستانی، مقیم فی هذا الفندق۔ کیا آپ شیخ احسان الٰہی ظہیر کو جانتے ہیں وہ بھی (آپ کی طرح) پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ؟ یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمانے لگے: انا هو میرا نام ہی احسان الٰہی ظہیر ہے۔ یہ سننا ہی تھا کہ کورس کی شکل میں فضا ماشاء اللہ کی آواز سے گونج اٹھی پھر عالم یہ تھا کہ وہ طلبہ آپ سے مصافحہ کرتے جاتے اور ماشاء اللہ شابٌ کہہ کر حیرت و استعجاب کا اظہار کئے جاتے۔

قاہرہ میں انصار السنہ کی دعوت پر

مصر کی اہل حدیث تنظیم "انصار السنۃ المحمدیۃ" کی طرف سے آپ کو تشیع اور بہائیت کے خلاف لیکچرز دینے کی دعوت دی گئی۔ مصر میں پہلی دفعہ آپ نے کسی عوامی اجتماع کو خطاب کرنا تھا۔ مصر کے لوگ اگرچہ آپ کی تصانیف کے حوالے سے تو آپ کی عظمت کے معترف تھے مگر یہ نہ جانتے تھے کہ آپ بہت بے باک اور فصیح و بلیغ خطیب بھی ہیں۔ چنانچہ حاضرین کی تعداد کم رہی۔ آپ نے خطاب کیا۔ سامعین حیرت زدہ رہ گئے۔ سوالات کا دور چلا اور دو گھنٹے بعد یہ اجتماع ختم ہو گیا۔ اگلے دن آپ کی شہرت پورے قاہرہ میں پھیل چکی تھی۔ دو دن بعد پھر آپ کے لیکچر کا اہتمام کیا گیا۔ اور اس دن عالم یہ تھا کہ پورا ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ بہت سے افراد کو جگہ نہ مل سکی۔ فوری طور پر ہال سے باہر آواز پہنچانے کے لئے سپیکرز کا بندوبست کیا گیا اور ایک بڑی تعداد نے آپکا خطاب ہال سے باہر کھڑے ہو کر سنا۔ اشتیاق کی یہ کیفیت تھی کہ پروگرام عصر کے بعد شروع ہوا اور رات گیارہ بجے تک جاری رہا اور پھر تشنگی کے عالم میں ہی حاضرین اپنے دلوں میں مزید سننے کی حسرت لئے واپس چلے گئے۔

عالمی شہرت یافتہ مفکر علامہ شہید رح

پروفیسر عبداللہ کلیم صاحب

دنیا میں ازل سے دو طرح کے انسان جنم لیتے ہیں ایک وہ جو ہوا کا رخ دیکھ کر چلتے اور پانی کا بہاؤ دیکھ کر تیرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اپنی عقل اور ضمیر کی روشنی میں اپنا راستہ خود متعین کرتے ہیں اور حق و صداقت، عدل و انصاف اور انسانی اعلیٰ اقدار کی بالادستی اور حکمرانی کیلئے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں۔ یہی دوسرے لوگ اپنے معاشرہ کو نئی قدروں سے آشنا کرتے ہیں۔ اور انہی کی بدولت زندگی کی نبض زیادہ تیز اسکے امکانات زیادہ روشن اور اسکی معنویت زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔ آج میں ایسی ایک تابدار، عظیم اور نابغہ روزگار شخصیت کے رخ روشن سے پردہ سرکا رہا ہوں جن کو دنیا علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ کے نام سے یاد کر کے خراج تحسین پیش کرتی ہے۔

اصول پرست انسان

علامہ مرحوم ایک اصول پرست انسان تھے جب صداقت کے اصولوں پر اڑ جاتے تو کوہ گراں کی طرح ڈٹ جاتے۔ علامہ مرحوم اس وادیٔ خار دار میں رہ کر بھی دنیاوی تحریصوں اور آلائشوں، مخالفوں کی چالوں اور ریشہ دوانیوں کو توڑ کر نسیم بہار کی سبک روی کے ساتھ اپنے وقار اور عفت کو بچاتے ہوئے کوہ و دریا سے یوں سلامت گزر گئے کہ سر دامن بھی تر نہ ہوا۔ اللہ وحدہٗ لاشریک پر انکے مضبوط اور مستحکم ایمان و یقین ہی کا ایک کرشمہ تھا کہ وہ باطل اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف چٹان بن کر ڈٹے رہے اور اپنی اعلیٰ دانش ورانہ صلاحیتوں سے کام لے کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے پیکر مجسم، حق گوئی و بے باکی کے علمبردار، فکر و نظر کی حبل المتین کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ اپنی اسی اصول پرستی کی بنا پر بعض اوقات انہیں مصائب و آلام اور گھمبیر حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ان کے اصول بھرے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ جو فیصلہ کیا اٹل کیا۔ زبان سے جو بات نکلی پتھر کی لکیر بن گئی انہوں نے وقتی مصلحتوں کو اپنے عروج کا زینہ نہیں بنایا۔ وہ ایسی بیساکھیوں کے قائل ہی نہ تھے۔ وہ صرف حق و صداقت کی تاثیر اور قوت و طاقت کے قائل تھے۔

اولوالعزم انسان

دنیا کی روشن آنکھ نے نظارہ کیا کہ علامہ مرحوم کی فکری اصابت، کردار کی پختگی اور تدبر و فراست کے اعجاز اور

علامہ مرحوم کی گرجدار آواز صدیوں کانوں اور فضاؤں میں گونجتی رہے گی۔ علامہ مرحوم کا اپنا ایک انوکھا انداز، الگ ڈھنگ اور ایک بے مثال طرز تقریر تھا۔ دلوں کو گرما دینے والا سوتے والوں کو چونکا دینے والا، مایوس دلوں کا سہارا، ہمت ہارنے والے کیلئے حوصلہ افزا، بھولے بھٹکے کیلئے روشن آفتاب، خون جگر رکھنے والوں کیلئے روح پھونکنے والا رہنما اور بہت بڑا محب وطن مقرر تھا۔

تحریکی رہنما

ایک صحت مند اور خود مختار معاشرہ کی بقا کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے ہر فرد میں زندہ رہنے اور اپنی تہذیب معاشرت کو پھیلتا پھولتا دیکھنے کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہو اور وہ اپنی تہذیبی اقدار کی بقا اور قومی ناموس کے تحفظ کیلئے اپنے تمام وسائل بروئے کار لانے کا عزم جواں اپنے سینے کے اندر رکھتا ہو لیکن اگر معاشرے کے افراد اس احساس و شعور سے عاری ہوں کہ وہ کس نظام تہذیب و تمدن کے علمبردار ہیں اور اپنے قومی نظریہ کے تحفظ کے سلسلے میں ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں تو پھر معاشرہ قسم قسم کی برائیوں اور خرابیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اسی لئے علامہ مرحوم نے اسلامی معاشرہ کے ہر فرد کے تہذیبی و تمدنی، ملی و سیاسی اور قومی نظریہ کے احساس و شعور کو بیدار کرنے کا بیڑا اٹھایا اور ملک و قوم کو اپنی صحیح نظریاتی سوچ و فکر سے روشناس کرایا۔

علامہ مرحوم ایک عظیم مفکر، متحرک لیڈر، ملک کے وفادار، قوم کے مصلح اور پرجوش تحریکی رہنما تھے۔ مرحوم توحید ربانی کے علمبردار بن کر اٹھے۔ سنت رسول ؐ کے داعی بن کر نکلے اور دین اسلام کے ترجمان بن کر ابھرے، قوم کو توحید کی دعوت دی، سنت رسول ؐ کا پرچار کیا اور مسلمانوں کو یکجہتی، اخوت، محبت اور ایمان و یقین کی تبلیغ کی۔

مرحوم مسلمانوں کیلئے علامہ اقبال مرحوم کے شعر کی عملی تصویر بن کر نمودار ہوئے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

علامہ مرحوم نے مسلمانوں کو خودداری، خود اعتمادی، جوانمردی، خود آشنائی اور جرأت و بے باکی کی تلقین کی اور یہ سوچ دی کہ مسلمان صحیح معنوں میں مومن بن جائیں سب ذوالجلال پر یقین پختہ کر لیں اور بقول علامہ اقبال رح ۔۔۔۔۔ ؎

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

مسلمان قوم ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کی مدمقابل کھڑی نہیں ہو سکتی۔ مرحوم کی الوداعی تقریر میں بھی یہی روح کارفرما تھی۔ مرحوم عملی طور پر دیکھنا چاہتے تھے کہ "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" کہ اگر تم ایماندار ہو تو یقیناً غالب ہو۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

علامہ شہیدؒ نے اپنی آخری تقریر میں جو آخری شعر پڑھا جسے وہ مکمل نہ کر سکے اسی فلسفہ کا درس تھا کہ ۔۔۔ ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

مگر افسوس صد افسوس مرحوم اس کو پڑھتے ہوئے ابھی "لڑ" تک پہنچے تھے کہ بم کے دھماکہ سے اڑ گئے اور اپنی کرسی سے دور جا گرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بے باک سیاستدان

علامہ شہیدؒ نے جب سیاست کی خاردار وادی میں قدم رکھا تو ملک میں آمریت کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ لوگوں کی صبح پر پہرے لگے ہوئے تھے۔ تحریر و تقریر پابندیوں کا شکار تھی۔ لیکن مرحوم بطل حریت، شیر دل سینہ تان کر آگے بڑھا، مخالف صنادیدوں کے قفل توڑ کر اور پابندیوں کی باد مخالف کا سینہ چیر کر آگے بڑھا۔ اور للکارا ؎

اِدھر آ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

لوگوں کو پلیٹ فارم پر مجتمع کیا اور اپنی خطابت کے تمام جوہر شہری آزادیوں کیلئے وقف کر دیئے۔ اور صبر و استقلال سے اپنے مشن کی تکمیل کیلئے سرگرم عمل ہوا اور کہا۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

تحریک نظام مصطفےٰ میں بھرپور حصہ لیا۔ حکومت وقت کے مصائب و آلام کا مردانہ وار اور خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ اور تحریک میں جو کردار ادا کیا وہ تاریخ اور میں ہمیشہ محفوظ رہیگا جب تحریک نظامِ مصطفےٰ کے تمام بڑے بڑے لیڈر پس دیوار زنداں چلے گئے تو مسجد شہداء لاہور میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے بطل حریت، جری اور بے باک مجاہد نے اپنی شعلہ نوا تقریر سے تحریک کا رخ بدل دیا یعنی سرے سے روح پھونک دی۔ اپنے جوش خطابت کا حق ادا کرتے ہوئے خطیب ملت کا لقب حاصل کیا۔ اور سیاستدانوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ مرحوم کی شہادت کے موقع پر ہر سیاستدانوں نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ آج ملک ایک عظیم بے باک سیاستدان اور ایک سیاسی مدبر سے محروم ہو گیا ہے۔

نوابزادہ نصراللہ خاں صاحب سے مرحوم کا کافی لگاؤ تھا۔ علامہ مرحوم کی وفات پر نوابزادہ نصراللہ خاں کو اسقدر صدمہ پہنچا کہ وہ پہروں بند دروازوں کے پیچھے روتے رہے علامہ شہیدؒ کی ملک و قوم کیلئے کی جانے والی سیاسی، سماجی اور مذہبی جدوجہد کبھی نظر انداز نہیں کی جا سکے گی وہ ہمیشہ جمہوریت اور عوام کے حقوق کی سربلندی کیلئے کوشاں رہے۔ مرحوم اسلامی روایات کے علمبردار اور ایک متحرک سیاسی شخصیت کے مالک تھے۔

بلند پایہ مصنف اور صحافی

کسی تحریک یا مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے اسکے داعی کا تحریر و تقریر کا دھنی ہونا لازمی چیز ہے

علامہ شہیدؒ ایک بلند پایہ مصنف اور کامیاب صحافی تھے۔ پہلے پہل ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور اور پھر ہفت روزہ "اہلحدیث" کے ایڈیٹر رہے۔ ماہنامہ "ترجمان الحدیث" کی آخر دم تک ادارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ ان کی صحافت کرشمہ کو اکب تھی۔ علامہ مرحوم نے اپنے مشن کی تکمیل کیلئے تصنیفی پلیٹ فارم پسند کیا۔ اور مصنفین کی صفِ اول میں شمولیت اختیار کی۔ انہوں نے کم و بیش ۱۵ کتابیں زیور تصنیف سے آراستہ کیں۔ جو عربی، اردو اور انگلش زبانوں میں آج بھی موجود ہیں۔ ان کی کتابوں کا کئی دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان کی عربی زبان میں تصانیف نے عرب دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ انہوں نے ملکی اخبارات و جرائد میں اپنی صحافت کے شاندار نقوش ثبت کئے علامہ مرحوم کی شہادت پر ملک کے ادیبوں صحافیوں اور مصنفوں نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ اخبارات میں جلی سرخیوں سے خبریں شائع کیں

بعض اخبارات نے ایڈیشن نکالے۔ ملک کے نامور صحافیوں کے ساتھ ساتھ ملک کے نامور اہل قلم اور معروف صحافی جناب میاں محمد شفیع (م ش) نے بھی بہترین انداز میں خراج تحسین پیش کیا

جمعیت اہلحدیث کیلئے تحریکی جدوجہد

علامہ مرحوم جمعیت اہلحدیث کی زبان، دل اور دماغ تھے۔ وہ قلم کے دھنی، ادیب باز دئیے شمشیر زن تھے۔ انہوں نے جب جمعیت اہلحدیث کے بحر موجزن میں مکمل سکوت اور بے حسی دیکھی تو ان کی رگ حمیت نے جوش مارا۔ مرحوم جمعیت اور مسلک اہلحدیث کی رگوں میں خون دوڑانے اور نیم بسمل تڑپنے والی لاش میں روح پھونکنے کیلئے دیوانہ وار کمربستہ ہو گئے۔ لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی تحریک، نظریہ اور مشن کی ترویج واشاعت اور اس کا پرچار پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔ بڑا جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔ اپنے اور بیگانوں کی مخالفتوں کے پہاڑوں سے ٹکرانا پڑتا ہے۔ محنت ومشقت، ایثار وخلوص، جہد مسلسل اور سعی پیہم کی سنگلاخ وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسکے باوجود علامہ مرحوم نے فیصلہ کرلیا کہ ہرچہ باداباد، کشتی در دریا انداختیم۔ یہ عظیم جذبہ اگرچہ کافی عرصہ پہلے ان کے سینے میں موجزن تھا۔ لیکن جمعیت کے اکابرین کی قانونی موشگافیوں کی بندشیں اور رکاوٹیں سد راہ تھیں لیکن بالآخر حقیقی جذبہ غالب آ ہی گیا۔

مجھے ان کا دیرینہ رفیق کار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مرحوم مجھ سے بہت لگاؤ رکھتے تھے کیونکہ ہماری فکر اور سوچ ایک ہی تھی۔ ہماری بنیادی فکر اور سوچ یہ تھی کہ اہلحدیث ایک تحریک موج اور جوش ہے جس کو ختم نہیں ہونا چاہئے۔ اسکی طغیانی، تموج اور حرکت میں برکت ہونی چاہئے۔ مسلمان قوم کو، خوددار، پروقار اور سیر پا وربن کر صفحہ ہستی پر زندہ رہنا چاہئے۔ مسلمان نور ایمان سے منور اور اتفاق واتحاد کے شجر سے پیوستہ ہونا چاہئے کیونکہ بقول علامہ اقبال مرحوم نے

ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔

مسلک اہلحدیث کے سلسلے میں غالباً ۱۹۷۱ء کی بات ہے کہ میں نے علامہ مرحوم کے بھرپور تعاون سے لاہور شہر میں مسلکی سوچ وفکر کے سلسلہ میں کام کیا۔ نوجوانوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا اور شبان اسلام اور شبان اہلحدیث انجمنوں کے نام سے نوجوانوں

کو یکجا کر کے مسلکی نوجوان شیدائیوں کو علامہ مرحوم کی سرپرستی میں فکری و تحریکی جذبہ سے سرشار کر دیا۔ اس موقع پہ علامہ مرحوم کی بھرپور سرپرستی سے لاہور شہر میں بہت تحریکی کام ہوا۔

علامہ مرحوم جمعیت اور مسلک کی حالت زار دیکھ کر ابتدائی رکاوٹوں اور بندھنوں کی زنجیریں توڑ کر، جمود کے پردے چاک کر کے اور اختلافات کے قلعے مسمار کر کے تحریک کا علم لیکر میدانِ عمل میں اترے اور ندا دی کہ مسلک اہلحدیث کے متوالو! شیدائیو! اٹھو۔

اب کے اس طور چلو جذبہ بیدار کے ساتھ
رستے کانپ اٹھیں گرمی رفتار کے ساتھ

علامہ مرحوم مستقل مزاجی، بلند حوصلگی، انتھک کوشش، غیر معمولی ذہانت، محنت، لگن اور جذبہ سے سرشار ہو کر کاروان جمعیت کو لیکر منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہوئے کامیابی نے قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ جمعیت ملک میں ایک قوت بن کر ابھری، ملکی سیاست میں ایک فعال اور موثر طاقت بن کر چمکی اور ملکی و ملی فضاؤں میں تہلکہ مچا دیا۔ جمعیت کی تحریک اور فعالیت میں علامہ مرحوم نے اہم کردار ادا کیا۔ مرحوم نے اپنی دعوت کو ہر خاص و عام تک پہنچانے کے لئے جلسوں اور پروگراموں کا جال بچھا دیا۔ اور ملک میں طوفانی دورے کئے۔ اپنی دعوت کا دائرہ وسیع کر کے پاکستان کی سرزمین سے نکل کر چین، جاپان، عراق، شام، سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کی فضاؤں میں اور افریقہ کے صحراؤں میں توحید و سنت، اتحاد و اتفاق اور اپنی سوچ و فکر کا ڈنکا بجا دیا۔ اور پکار سنائی کہ مسلمانو! دین اسلام کی سربلندی کیلئے مجاہدانہ وار آگے بڑھو کر!

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

ہر ملک اور ہر مکتب فکر کے لوگوں نے دیدہ و دل فرش راہ کئے۔ اہل اسلام نے کھلے ہاتھوں استقبال کیا اور مرحوم کے گرویدہ ہو گئے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا بقول مولانا ظفر علیخان مرحوم سے

مجھے دین و دنیا کی دولت ملی ہے۔
کہ ہے میرے ہاتھوں میں دامانِ احمدؐ
میری مدح کرتی ہے ساری خدائی
ہوا ہوں میں جب سے ثنا خوانِ احمدؐ

طوفانی دوروں اور تنظیمی پروگراموں کے تحت علامہ مرحوم اوکاڑہ شہر میں جلوہ فروز ہوئے مجھے اپنی دیرینہ رفاقت، فکری یکجہتی اور تحریکی ہم آہنگی کی بدولت ہمرکابی کا حکم دیا۔ میں نے سر تسلیم خم کیا۔ اور ہم راہی کا یقین دلایا۔ اوکاڑہ ضلع کے محرک احباب نے علامہ مرحوم کی تحریک کے ساتھ بھرپور تعاون کرنے اور تنظیمی امور کو سرخروئی سے ہمکنار کرتے کیلئے ضلعی نظامت علیا کیلئے اپنی نظر انتخاب مجھ پر مرکوز کی۔ لیکن میں نے بعض مجبوریوں کے پیش نظر اس عہدہ کا بار اٹھانے سے معذرت کر لی اور ایک کارکن کی حیثیت سے مسلک کیلئے سرگرم عمل رہنے کی یقین دہانی کرائی۔ اسطرح جمعیت اہلحدیث ضلع اوکاڑہ کی نظامت علیا کی ذمہ داری علامہ مرحوم کے سرگرم کارکن ساتھی حکیم عبدالواحد یزدانی کو سونپ دی گئی اور ضلع اوکاڑہ کا تحریکی کارواں رواں دواں ہوا۔

علم پرور شخصیت

علم ایک ایسا نور ہے جس سے انسان، باضمیر، خودشناس وسیع النظر، روشن خیال، با اخلاق، باکردار، باحیا اور اپنے خالق کا فرماں بردار اور اپنے رسول ؐ کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔

العلم نورٌ من اللہ — و — نور اللہ لا یعطی لعاصی

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

بے علم چوں شمع باید گداخت — کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

علامہ مرحوم علم ... دوست اور اہل علم کے بہت قدردان تھے خصوصاً دین اسلام کی تعلیم سے آراستہ شخصیات انکی روح رواں تھی۔ علمائے دین کا بہت احترام کرتے۔ بڑی نرمی، شفقت اور ادب سے پیش آتے۔ میں نے دیکھا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل علیمؒ جو بہت سادہ منش اور منکسر المزاج عالم دین ہیں ان کا مرحوم بہت احترام کیا کرتے۔ علامہ مرحوم نے مولانا صاحب سے الغنیہ، کافیہ، شرح تہذیب اور دیگر تفاسیر و احادیث میں استفادہ کیا تھا۔ جب مولانا موصوف علامہ مرحوم کے آبائی محلہ احمد پورہ سیالکوٹ کی جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب تھے۔ اور غالباً یہ ۱۹۵۹ء یا ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔

علامہ مرحوم نے علماء کے وقار اور بلندی مرتبت کیلئے دن رات کام کیا۔ ان کی علمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے، تبلیغی سرگرمیوں کو تیز کرنے، فکری اوصاف کو جلا بخشنے اور اپنی خودشناسی کیلئے انتھک محنت کی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان اور خطیب

پاکستان حضرت مولانا محمد حسین شیخوپوری سابق ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث پاکستان کو علماء و فضلاء کی تربیت، راہنمائی اور سرپرستی کیلئے منتخب فرمایا۔ مرحوم ان دونوں شخصیات کے بدل و جان گرویدہ تھے۔ نوجوان علماء میں سے مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی شہیدؒ، مولانا حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری اور مولانا محمد مدنی پر خصوصی شفقت اور نظر التفات تھی۔

طلباء کے ساتھ خاص لگاؤ تھا۔ طلباء کو سربلند دیکھنا ان کی بہت بڑی آرزو تھی تعمیری کام میں ان کے بہت حامی تھے۔ ۱۹۷۰ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم اے کے دوران تعلیم بعض دوستوں کے اصرار پر میں نے پنجاب یونیورسٹی کی یونین کے صدارتی عہدہ کیلئے اپنی آمادگی کا اظہار کیا اور میرے دوستوں نے یہ خبر اخبارات میں لگوادی۔ علامہ مرحوم کی نظروں سے بھی یہ خبر گزری۔ پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔ لیکن بعد میں جب اسلامی جمعیت طلباء اور ڈاکٹر خالد علوی پروفیسر اسلامیات ڈیپارٹمنٹ کے اصرار پر میں حافظ محمد ادریس کے حق میں دست بردار ہوگیا۔ تو علامہ مرحوم نے بہت افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر آپ دستبردار نہ ہوتے تو پورے الیکشن کا خرچ میں خود برداشت کرتا۔" غالباً اس وقت علامہ مرحوم اخبار "اہلحدیث" کے ایڈیٹر تھے۔

دینی مدارس کی سالانہ کانفرنسوں اور اجتماعات میں شرکت فرماتے تو اپنی جیب سے ہزاروں روپے کی رقم سے مدارس کا تعاون فرماتے۔ ہمارے گاؤں چک ۲۴/۲ جی ڈی پراستہ رینالہ خورد ضلع اوکاڑہ میں جامعہ اسلامیہ للبنات کے سالانہ جلسہ تقریب بخاری و تقسیم اسناد کے موقع پر اہل دہ کو شرف زیارت سے نوازا۔ پہلے تو مجھے فرمانے لگے کہ بھئی! قریہ قریہ اور بستی بستی جانا میرے لئے ممکن نہیں لیکن آپ کو اور محترم مولانا محمد اسماعیل علیم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ وعدہ فرمایا اور تشریف لے گئے۔ پروفیسر عبدالجبار صاحب علامہ صاحبؒ کو لینے کیلئے لاہور آئے تھے۔ مرحوم گاؤں میں ایک عظیم اجتماع دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ علامہ مرحوم نے جامعہ اسلامیہ للبنات چک نمبر ۲/۴ جی ڈی کی ۱۵ فارغ التحصیل طالبات کو سندات فراغت اپنے دست مبارک سے تقسیم فرمائیں۔ انجمن جامعہ اسلامیہ للبنات کی کارکردگی سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی ذاتی جیب سے ہر سال دو ہزار روپے جامعہ اسلامیہ للبنات چک نمبر ۲/۴ جی ڈی کو دینے کا وعدہ فرمایا۔ اسکے بعد علامہ مرحوم دو سال بقید حیات رہے اور ہر سال رمضان المبارک میں اپنا وعدہ پورا فرماتے رہے۔ اللہ

باقی صـ ۱۶۹ پر

علامہ شہید کی کچھ یادیں کچھ باتیں

تحریر
جناب شیخ محمد نعیم بادشاہ لاہور

یوں تو شہید ملت حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر سے بے شمار ملاقاتوں کا شرف حاصل ہے لیکن آج میں حضرت علامہ سے متعلق محبت کا ایک منفرد واقعہ سپرد قلم کر رہا ہوں میری عمر تقریباً آٹھ دس سال کی تھی جب سے میں جامع مسجد چینیانوالی میں رمضان المبارک میں حضرت علامہ صاحب کی اقتداء میں قرآن کریم اور اس کا خلاصہ سنتا رہا نیز رمضان المبارک حضرت کی خصوصی دعا میں بھی شرکت کرتا اور جامع مسجد چینیانوالی میں مستقل جمعۃ المبارک کی ادائیگی کا بھی شرف حاصل رہا اور حضرت قائد سے عقیدت بھی پروان چڑھتی رہی ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفےٰ میں قائد محترم سے خصوصی تعلق رہا تقریباً ہر دوران سے ملاقات ہوتی اس کے بعد بھی ان سے مسلسل رابطہ رہا، ۲۷ فروری ۱۹۸۱ء کو میری شادی کا دن مقرر تھا۔ میں شادی کا دعوت نامہ لے کر حضرت علامہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور تقریب میں تشریف لاکر اپنی عزت افزائی کی درخواست کی حضرت نے وعدہ فرمایا کہ میں انشاءاللہ ضرور آؤں گا۔ میری بدقسمتی ہی سمجھیے کہ ۲۷ فروری کو ضروری کام کی وجہ سے وہ میری شادی میں تشریف نہ لا سکے میرا چونکہ حضرت علامہ سے خصوصی تعلق تھا اس لئے مجھے رنج ہوا اور چینیانوالی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جانا چھوڑ دیا دو ہفتے ہی گزرے ہونگے کہ علامہ صاحب کا پیغام (بذریعہ حاجی بشیر عتیق صاحب جو کہ میرے اور علامہ صاحب کے مشترکہ دوست ہیں) ملا کہ مجھے ملیں، لیکن میں کم عقلی اور کم عمری کی وجہ سے ملاقات کے لئے حاضر نہ ہوا اگلے جمعۃ المبارک کو علامہ صاحب کا پھر پیغام ملا کہ مجھے فوری طور پر ملو میرے والد محترم حاجی شیخ عبدالرحمن صاحب نے مجھے فرمایا کہ بیٹا تم بھی کیسے کارکن ہو کہ اپنے عظیم قائد اور رہنما کی مجبوریوں اور مصروفیتوں کو نہیں دیکھتے اور ان سے شکوہ کناں ہو فوراً حضرت علامہ صاحب کے گھر مٹھائی لے کر جاؤ اور سب سے پہلے اپنی اس حکم عدولی پر معذرت کرنا اس دوران میں بھی اپنی غیر حاضری پر پیشان تھا اور قائد سے ملنے کو دل بھی تڑپ رہا تھا میں اپنے عزیز دوست شیخ منیر عالم کے ہمراہ رات کو حضرت کی رہائشگاہ پر پہنچا مجھے دیکھکر مسکرائے

اور گلے سے لگا لیا اور فرمانے لگے کہ میں کسی مجبوری کی وجہ سے شادی پہ نہیں آسکا شادی بیاہ کے موقع پہ مٹھائی ہوتی ہے اور پلاؤ زردہ مٹھائی لے آئے ہو کھانا میں کسی وقت گھر آکر کھالوں گا میری خوشی کی انتہا نہ رہی میں نے عرض کیا علامہ صاحب کھانے کے لئے مجھے کوئی وقت عنایت فرمادیں؟ انہوں نے فرمایا میں جس دن بھی فارغ ہوا چلا آؤں گا پھر ایک دن میں نے فون پہ بات کی تو فرمانے لگے میں آج رات ہی تمہارے ہاں آؤں گا تو میں نے عرض کیا کہ میں لینے کے لئے آؤں تو فرمانے لگے (میاں محمد جمیل صاحب ایم اے سیکرٹری جنرل جمعیت اہلحدیث لاہور) میرے پاس بیٹھے ہوتے ہیں اور میاں صاحب کو آپ کے گھر کا علم ہے ہم خود ہی آجاتے ہیں (یاد رہے کہ میاں محمد جمیل صاحب ان دنوں میرے گھر کے قریب جامع مسجد مقدس اہلحدیث مکھن پورہ میں خطیب تھے)

نماز عشاء کے قریب حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب اور حافظ میاں محمد جمیل صاحب میرے گھر تشریف لائے ہم سب نے مل کر کھانا کھایا، کھانے سے فراغت کے بعد مجھے گلے لگا کر فرمانے لگے کہ اب تو کوئی شکوہ نہیں ہے تو میری آنکھوں سے فرط محبت سے آنسو نکل آئے کہ کہاں قائد عالم اسلام اور کہاں میں معمولی کارکن۔

بقیہ :- عالمی شہرت یافتہ مفکر

تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے آمین۔

شخصیت

علامہ مرحوم علم و عمل کے پیکر، صبر و تحمل کے کوہ گراں، انسانی عظمت کے نشان حق و صداقت کی آواز، توحید و سنت کے داعی، جمہوریت کے علمبردار، دین اسلام کے مبلغ، عاشق رسول ؐ اور نابغہ روزگار انسان تھے۔

علامہ مرحوم علم و عمل میں سربلند، حسن و جمال میں ممتاز، دولت و ثروت میں غنی، تقریر و تحریر میں روشن اور سیاست میں بے مثال تھے۔ دنیاوی و دینی ہر خوبی سے آراستہ وجیہہ اور بارعب شخصیت اور ایک لاثانی انسان تھے۔

اللہ تعالیٰ ان پر کروٹ کروٹ اپنی رحمتیں نازل فرمائے آمین۔

شہید سلفیت

تحریر!
مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی
ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث ہند

خالی ہیں جام وسبو تیرے بعد

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو رستگاری نہیں، اور وہ ہر متنفس کے لئے مقدر ہے۔ اس کے آہنی پنجہ سے نہ کوئی شاہ بچ سکا نہ کوئی فقیر، اس نے نہ کسی عالم و فاضل کو چھوڑا، اور نہ ہی متقی و پرہیزگار کو، اور موت ہی ہر انسان کا آخری انجام ہے۔

مگر بعض لوگوں کی موت صرف تنہا ان کی موت نہیں بلکہ ایک زمانے کی موت تصور کی جاتی ہے علامہ حافظ احسان الٰہی ظہیر کی موت صرف ایک زمانے کی نہیں بلکہ کئی زمانوں کی موت ہے اور پھر ایسی سعید و خوش بخت موت جس پر جس قدر بھی رشک کیا جائے کم ہے۔ ان کی موت سے دینی، دعوتی، تبلیغی، علمی، تحقیقی، فکری، سیاسی، سماجی، رفاہی، ملی اور قومی انجمن سونی ہوگئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ تحریک اہل حدیث کا ایک اہم باب ختم ہوگیا۔

علامہ نے اپنے تعلیمی میدان ہی سے عملی کردار شروع کر دیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے موصوف کو علم و فضل سے جس قدر مالا مال کیا اور نوازا تھا آپ نے اپنی مختصر حیات مستعار میں اس کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے ایک طرف قرآن و حدیث کی دعوت و تبلیغ اور سلفی افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت شروع کی، تو دوسری طرف علم و تحقیق کا کام شروع کیا۔ ایک جانب جماعت اہل حدیث کی صفوں کی تنظیم و تعمیر کا بیڑا اٹھایا، دوسری جانب باطل و گمراہ کن جماعتوں کو للکارا۔ قلم اٹھایا تو باطل پرستوں اور گمراہ کن نظریات کے داعیوں کے ایوانوں میں زلزلے آگئے۔ شخصیت پرستی، پیر پرستی، قبر پرستی، تقلیدی ذہن، قادیانیت، مرزائیت، بہائیت، بابیت، بریلویت، صوفیت اور شیعیت کے وہ پردے چاک کئے کہ باطل کے پروردہ انگشت بدنداں رہ گئے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟

آج سے کم و بیش تیرہ سال پہلے پاکستان کے عظیم ناقد و صحافی اور صف اول کے انشاء پرداز آغا شورش کاشمیری نے لکھا تھا۔

"علامہ احسان الٰہی ظہیر مدینہ یونیورسٹی سے فراغت پاکر لاہور آگئے تو جمعیۃ اہل حدیث نے اپنی

تاریخی مسجد چینیانوالی لاہور کی امامت آپ کے سپرد کی۔ علامہ صاحب ایک فاضل اجل نوجوان ہیں انہیں عربی میں مہارتِ تامہ حاصل ہے۔ آپ نے جماعت اہلِ حدیث کے ہفتہ وار اخبار کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دینا شروع کئے۔ اس کے بعد اپنا ماہنامہ ترجمان الحدیث نکالا۔ اور اس سے بُری طرح قادیانیت کی خبر لی کہ اس کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ علامہ صاحب ایک شعلہ بیان خطیب، معجز رقم ادیب، بالغ نظر صحافی اور بہت سی زبانوں میں مہارتِ تامہ رکھنے کے باوجود درس نگاہ کے عالم متبحر ہیں۔

علامہ صاحب فنِ خطابت کی نزاکتوں سے کما حقہٗ واقف ہیں اور ایک بلند پایہ خطیب ہیں۔"

(تحریکِ ختمِ نبوت، از: شورش کاشمیری ص۱۷۱، بحوالہ الاسلام لاہور)

یہ ہیں وہ الفاظ اس ناقد و مبصر دالنشور اور صحافی کے جس کی نوکِ قلم سے بڑے بڑے خوفزدہ اور ہراساں رہتے تھے۔

ان تمام خوبیوں کے باوصف علامہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی بھی جگہ رواداری و مداہنت سے کام نہ لیتے تھے اور ہر بات ببانگِ دہل اپنے پلیٹ فارم سے کہتے اور تقریر و تحریر پر ہر جگہ اپنے سلفی عقیدہ اور اہلِ حدیث مسلک کی چھاپ بظاہر نظر آتی۔

مسلک کی سربلندی، عقیدے کی نشر و اشاعت، جماعت کی سرفروشی، کتاب و سنت کی بالادستی ان کا ہدفِ حیات تھا۔ اور اس مقصد کیلئے تاحیات جدوجہد کرتے رہے۔

اہلِ حدیث کا تعارف مسلک کی شناخت کے لئے موصوف نے اپنے آپ کو صرف جماعتی حلقوں مجلسوں اور کانفرنسوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس کی حقانیت و صداقت کی وضاحت کے لئے ہر وسیلہ اختیار کر کے سیاسی جلسوں، عالمی کانفرنسوں اور شاہی اور جمہوری ایوانوں میں پورے زور و شور سے ترجمانی اور اپنی آواز بلند کی جو صرف انہیں کی جرأت و جسارت کا حصہ تھا۔

سیاسی معاملات میں بھی انھوں نے اپنا دامن مسلک و جماعت سے چھوٹنے نہیں دیا۔ اور ہر خاص و عام اجتماع میں یہ صدا بلند کی کہ دنیا میں امن و سلامتی، خوش حالی و خوشحالی اور حفظ و امان کے لئے کتاب و سنت کی حکمرانی ضروری ہے۔ فقہیات اور مخصوص مسالک کی دوڑ اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور تحریری و تقریری قوتیں جس عظیم مقصد اور تاریخی مشن کے لئے صرف کیں اور اسی کی تکمیل کے لئے اپنے خون کا نذرانہ تک پیش کر دیا۔ جس نے مشہد بالاکوٹ کی یاد تازہ

کردی اور ثابت کر دیا کہ یہ تحریک زندہ وجاوداں ہے اسے نہ کوئی دبا سکا اور نہ دبا سکے گا۔ اسی تحریک کی ثابت قدم، جرأت مند اور حیرت انگیز تاریخ بیان کرتے ہوئے جب فردوس بریں کی جانب رواں ہوئے تو ان کی زبان پر یہ شعر تھا ۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس شعر کے آخری الفاظ بے تیغ بھی ...... زباں پر تھے کہ بس ' ع

خاموش ہو گیا چمن بولتا ہوا

علامہ رخصت ہو گئے وہ ہزاروں نہیں لاکھوں کو سسکتا ہوا چھوڑ گئے۔ ان کی بے وقت موت نہ صرف برصغیر کی جماعت اہلِ حدیث کا زبردست نقصان ہوا بلکہ اس سے عالمی تحریک اہلِ حدیث کو غیر معمولی دھچکا لگا ہے اور پوری اسلامی دنیا ایک نڈر، بے باک داعی اسلام سے محروم ہو گئی ہے۔

چاندنی افسردہ ہے گل بے رنگ و بو، نغمے اداس
اک ترے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہو گیا

بلاشبہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی زندگی امام احمد بن حنبل، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم الجوزیہ، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، شاہ اسماعیل شہید، مولانا ثناء اللہ امرتسری، سید داؤد غزنوی، امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور علامہ محمد اسماعیل گوجرانوالہ کی تحریک سلفیت کی آئینہ دار تھی۔ ان کی تقریروں کی گھن گرج اور قلم کی جولانیاں اسی سلسلۃ الذہب کی ایک مضبوط کڑی تھی جس سے عمل وحرکت اور جد وجہد کا زریں باب مانا جائیگا۔

جماعت و مسلک سے تعلق، لگاؤ اور دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وُہ ہمہ وقت کوشاں تھے کہ جماعت اہلِ حدیث کسی طرح بھی کسی سے پیچھے نہ رہے اور اس کے افراد میں احساسِ کمتری پیدا نہ ہو۔ یہ جماعت اپنی دعوت و مشن کے ساتھ ساتھ ظاہری محاسن سے بھی بہرہ ور ہو۔ اسی غرض سے آپ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے لاہور میں ستر لاکھ روپے میں وسیع و عریض اراضی خریدی تھی جس سے جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی ایجادات پر مشتمل ہر طرح کی سہولیات سے مہیا ایک عظیم الشان اہلِ حدیث مرکز کی تعمیر کا ارادہ تھا اور اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے بیس کروڑ روپے کی لاگت کا اندازہ تھا۔

جس مقصد کی تکمیل، جس مسلک کی سربلندی، جس نظام کی بالادستی، جس دعوت کی نشر واشاعت

جس مشن کے تحفظ کے لئے علامہ نے اپنی حیات مستعار وقف کی ـــــ یہ آپ کی سعادت مندی اور خوش قسمتی تھی کہ آپ کا انجام بھی اس سرزمین میں ہوا جہاں سے اس مشن کا آغاز ہوا۔ جہاں اس مشن کے سرِ دستۂ اوّل کے جانباز، رفقائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حافظینِ سنّت، مجاہدینِ سلفیت، اولیاء و اتقیاء، واصفیاء وا ذکیاء اور صلحاء، اسی عقیدہ و مسلک اور دعوت کے شیدائی و متوالے خوابیدہ ہیں علامہ بھی انہیں کے پہلو میں جا سوئے۔ جس طرح دنیا میں مال و دولت، عزت و شہرت اور ہر قسم کی عیش کوشی سے سرفراز ہوئے اسی طرح ان کی آخری آرامگاہ **جوارِ صحابہ کرام** بنی ـــــ

سب میسّر کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں میں
اس خاکِ راہِ عشق کا اعزاز تو دیکھو

علامہ رخصت ہوتے، وہ اور ان کے رفقاء جامِ شہادت نوش کر گئے۔ مگر ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو خالص مذہبی "سیرت النبیؐ کانفرنس" کے موقع پر آگ و خون کی جو ہولی کھیلی گئی اور جس بربریت و وحشی پن کا مظاہرہ ہوا ان ضمیر فروشوں چنگیزی ذہنوں کے ایجنٹوں اور دعوتِ دین کے دشمنوں نے جس بزدلی اور بے غیرتی کا مظاہرہ کیا ہے وہ خود ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

یہ کون ہیں؟ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟ ان کا مقصد و ارادہ کیا ہے اور وہ کیا چاہتے ہیں؟

اگرچہ یہ المناک واقعہ بذاتِ خود حکومتِ پاکستان کے لئے عار کا باعث ہے اور اسلام کے نام پر بدنما داغ ہے مگر یہ بھی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان بزدلوں چنگیزوں، سفاکوں اور قاتلوں کا پتہ لگائے اور پہلی فرصت میں گرفتار کر کے ان کو کیفرِ کردار تک پہنچائے۔ تاکہ آئندہ کسی کو ایسی حرکتِ بزدلانہ کی جرأت نہ ہو۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر اور رفقائے کرام مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی، مولانا عبدالخالق قدوسی، محمد خان نجیب کی شہادت سے پوری دنیا میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ وقت کی تنگ دامنی اور جریدہ کے صفحات کی قلت کے پیش نظر ہم صرف ان تمام حضرات کی دینی، مسلکی، علمی اور دعوتی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے بارالہ العالمین میں دست بدعا ہیں کہ وہ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی لغزشوں کو نیکیوں سے بدل کر فردوس بریں میں ان کا ٹھکانہ بنائے اور جماعت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین

تحریر: الشیخ عبدالعزیز تمیمی

ترجمہ: مولانا سیف الرحمٰن الفلاح صاحب

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کے بعد ان کا پرچم کون اٹھائیگا؟

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید کی شہادت کے بعد ملک کے صحافیوں کے قلم ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر جنبش کرنے لگے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ملک کے صحافیوں نے جس قدر علامہ مرحوم کی شخصیت پر لکھا بیرونی ممالک کے صحافیوں نے اس سے کئی گنا زیادہ لکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی ممالک ان سے خوب متعارف تھے ان کی جتنی تصنیفات ہیں ان میں سے زیادہ تر عربی میں ہیں۔ آج ان کی شہادت کے سانحہ کو تقریباً ۹ ماہ ہو چکے ہیں لوگوں کی زبانوں پر ان کا ذکر جاری ہے اور صحافیوں کے قلم وقتاً فوقتاً ان کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ ادھر عوام اور خواص علامہ کے قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اور احتجاجی جلوس نکال رہے اور جلسے کر رہے ہیں۔ علامہ مرحوم کے سانحہ ارتحال سے بیشتر متعدد نامور اور جید علماء موت کا وقت آنے پر داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے نام اور کام سے ابھی تک لوگ واقف نہیں۔

اس کے برعکس علامہ رح کا نام قیامت تک لوگوں کی زبانوں پر رہے گا۔ ان کے مخالف اور موافق سبھی ان کو خوب پہچانتے تھے۔ مخالفین بھی ان کی خطابت کا لوہا تسلیم کر چکے تھے اور ان کے سامنے آنے سے گریز کرتے تھے۔

عربی ممالک کے صحافیوں نے ابھی تک علامہ رح کی ذات کو موضوع سخن بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز تمیمی مدرس کلیۃ العلوم کا درج ذیل مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ان کا یہ مضمون ایک عربی اخبار میں شائع ہوا تھا جس کا اردو میں مفہوم پیش خدمت ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے یہ سرخی جمائی ہے کہ "احسان الٰہی رح کے بعد ان کے پرچم کو کون اٹھائے گا؟"

آخر میں کہتا ہے کہ کسی قوم یا فرد کے افکار اور نظریات اس وقت تک زندہ نہیں رہتے جب تک اپنے افکار اور خیالات کے پودے کی اپنے خون سے آبیاری نہ کرے۔

وہ لکھتے ہیں الشیخ احسان الٰہی ظہیر جمعیت اہلحدیث کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں مینار پاکستان کے قریب (قلعہ لچھمن سنگھ کے چوک میں) عوام سے خطاب کر رہے تھے کہ اچانک بم کا دھماکہ ہوا یہ بم کسی مردود اور لعین نے

گلدستہ میں چھپا کر ان کے سامنے میز پر رکھا ہوا تھا۔ بم پھٹنے سے زہر یلا مواد ان کے جسم میں پیوست ہو گیا اور وہ خون میں لت پت ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ان کے علاوہ کافی افراد زخمی ہوئے۔ کچھ زخموں کی تاب نہ لا کر وہیں جام شہادت نوش کر گئے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ آٹھ افراد شہادت پا گئے اور کافی زخمی ہسپتال میں پڑے ہیں احسان الہٰی ظہیر بھی زخمیوں میں تھے۔ لیکن ان کے زخم نہایت خطرناک تھے۔

ان حالات کو معلوم کر کے سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ نے سپیشل طیارہ پاکستان بھیجنے کا انتظام کرایا تاکہ ان کو ریاض کے فوجی ہسپتال میں داخل کرایا جائے۔ لیکن موت ان کو اپنے آہنی پنجہ میں لے چکی تھی۔ کوئی تدبیر اور علاج معالجہ سود مند نہ ہوا۔ چنانچہ سوموار کی صبح کو مرحوم نے اپنی جان خالق حقیقی کے سپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر ظہر کی نماز کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ جس میں سعودی علماء کے علاوہ عوام نے بڑے جوش و خروش سے شرکت کی۔ پھر ان کی نعش کو بذریعہ طیارہ مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا۔ سماحۃ الشیخ ابن باز چاہتے تھے کہ مرحوم کی نعش واپس پاکستان بھیجی جائے لیکن ان کے والد کی خواہش پر مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ چھوڑا ہے، پندرہ سے زائد کتب کے مصنف تھے۔ ان کی عربی کتب کے اردو، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

ان کی خطابت کا لوہا مخالفین بھی تسلیم کر چکے تھے، میدانِ مناظرہ کے تنہا سوار تھے۔ وہ علماء سے زیادہ متاثر تھے ان میں سے ایک حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رح جنھوں نے مرزائیوں کے خلاف ۳۲ کتب لکھیں اور اسلام سے منحرف اور گمراہ فرقوں کے سامنے چٹان کی طرح جم گئے۔

دوسرے استاد محب الدین خطیب خطوط العریضۃ کے مصنف جنھوں نے اپنے مخالفین کی تردید ان کی کتب سے کی۔ ان کی کتب بے حد مقبول ہوئیں۔ لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ انہیں خریدا۔ ان کی کتب ہی کی وجہ سے کچھ لوگ ان کے ذاتی دشمن بن گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ احسان الہٰی ظہیر تو گر پڑے ہیں کیا ان کا پرچم جو انھوں نے اٹھایا ہوا تھا وہ بھی گر جائے گا؟ مسلمانوں میں ایسا کون ہوگا جو ان کا پرچم اٹھائے گا۔

سید قطب نے کیا خوب فرمایا

اہل قلم بہت کچھ کر سکتے ہیں بشرطیکہ اپنے افکار کو زندہ رکھنے کے لیے موت کو دعوت دیں۔ اپنے گوشت اور خون کے ذریعے اپنے افکار لوگوں تک پہنچائیں۔ لوگوں کو بتائیں کہ وہ جو نظریات اور خیالات رکھتے ہیں مبنی بر

باقی صفحہ ۱۳۰ پر

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید

مولانا عبدالرشید صاحب راشد ہزاروی

۲۳ مارچ کی شب بم کے دھماکہ میں شہید ہونے والے ۱۰ افراد مسلک کے عظیم سرمایہ تھے۔ دینِ حق کے علمبردار اور کتاب وسنت کے شیدائی تھے۔ بالخصوص علامہ احسان الٰہی ظہیر مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی، مولانا عبدالخالق قدوسی، مولانا محمد خاں نجیب ملک بھر میں مسلک حقہ کے لیے جس طرح وقف ہو چکے تھے اس کا ہر فرد اہلحدیث نہ صرف معترف تھا۔ بلکہ ان چاروں کی مساعی پر شکرگزار تھا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید نے بہت مختصر وقت میں اپنی خداداد صلاحیتوں سے جو مقام حاصل کیا یہ ہر فرد کے بس کی بات نہیں۔ علمی دنیا میں ایم اے کی چھ ڈگریاں اور مدینہ یونیورسٹی سے طلبہ میں اول پوزیشن اور امتیازی مقام ہرکس وناکس کو نہیں ملتا خطابت صحافت۔ شجاعت۔ تجارت، سخاوت، سیاحت، قیادت سیاست غرض کسی بھی میدان میں کسی حریف کو بھی آگے نہ جانے دیا۔ بلکہ جب بھی گفتگو کا کوئی موقع ملتا تو خطابت کے وہ جوہر دکھاتے کہ مخالف بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکتے۔ وہ کون سا سٹیج تھا جس پر علامہ کی شمولیت ہونی متوقع ہو تو اپنے اور بیگانے سبھی جوق درجوق نہ آتے ہوں اور علامہ شہید کے خطاب سننے کے شیدائی اُمڈ کر نہ چلے آئے ہوں۔ مسجد کی خطابت ہو یا جلسہ عام کا خطاب، میدانِ سیاست کی جولانی ہو یا جماعتی نظم کے لیے خواص سے خطاب، ہر مقام پر نہ صرف داد دیتے بلکہ ان کے مدلل خطاب سے مکمل طور پر مطمئن ہو جاتے۔ علمی اور تحقیقی انداز کے طور پر علامہ کے خطاب نہایت قیمتی ہوتے۔ بعض اوقات تو مخالف بھی قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔

صحافت

علامہ مرحوم مدینہ منورہ سے واپسی پر جماعتی اخبار "الاعتصام" کی مجلسِ ادارت سے وابستہ ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ترقی کی منازل بڑی تیزی سے طے کرتے چلے گئے لاہور میں ان کا تعارف اہلِ علم سے جوں ہی ہوا بس آج کل مزید ترقی کرتے گئے حتیٰ کہ آپ بہترین لکھنے والے مانے گئے ذالک فضل اللہ

یوتیہ من یشا علمی دنیا میں مرحوم کی تصانیف عربی، اردو اور انگریزی ہر تینوں زبانوں میں تادیر دادِ تحسین حاصل کرتی رہیں گی۔عرب ممالک میں کتنی ہی یونیورسٹیاں ایسی ہیں جن میں علامہ مرحوم کی کتب داخلِ نصاب ہیں اسلام اور مذاہبِ عالم پر مرحوم کی وسیع نظر تھی۔ فتنۂ قادیانیت، بریلویت اور بہائیت پر جو کام علامہ موصوف نے مختصر سی عمر میں کر دکھایا یہ صرف انہی کا حصہ تھا۔

شجاعت

علامہ مرحوم کو جرأت اور دلیری رب العالمین نے خصوصیت سے عطا کر رکھی تھی۔ کلمۂ حق کہنا اور اس پر مخالفت کو قائل کرنا یہ علامہ شہید کا ہی حصہ تھا۔کتنی بار ہی علامہ اقبال کا شعر سنایا کرتے ہے

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ھلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

ایک مرتبہ اپنی حق گوئی پر توجہ دلاتے ہوئے متنبی کا شعر یوں سنایا

انا صخرۃ الوادی اذا ما روحمت   واذ نطقت فان فی الجوزا"

جب قصر شاہی میں علامہ مرحوم کی حق گوئی کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی تو صدرِ پاکستان نے حرم پاک مکۃ المکرمہ میں آپ سے کہا آپ میری مخالفت کیوں کرتے ہیں میں ہی تو پاکستان کا پہلا صدر ہوں جو اسلام کا نام لیتا ہوں اس کے جواب میں علامہ صاحب نے فوراً فرمایا کہ جناب اسی لیے آپ کی مخالفت کرتا ہوں کہ آپ اسلام کا نام لیتے ہیں لیکن کام نہیں کرتے یا کام کریں یا پھر اسلام کا نام لینا چھوڑ دیں۔میں مخالفت کرنی چھوڑ دوں گا۔

تجارت

علامہ مرحوم پیدائشی طور پر تاجر برادری سے تعلق رکھتے تھے دینی اور دنیاوی تعلیم میں امتیازی مقام حاصل کرنے کے بعد تجارت میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے اس میدان میں بھی علامہ صاحب بہت بلند پائے کے تاجر تھے اور تجارت میں بھی ایک مثال قائم کر رکھی تھی۔

سخاوت

شہیدِ اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر کاروباری ہونے کے ناطے سے سخاوت میں بھی اپنی مثال آپ رکھتے بلکہ شائد ہی کوئی موقعہ ہو جس میں علامہ موصوف نے اپنا نام سب سے پہلے پیش نہ کیا ہو۔جماعتی ومسلکی کاموں کے علاوہ بھی مرحوم کی سخاوت ہر مستحق اور ملنے والے کو ضرور متاثر کرتی۔سخاوت کا جو انداز عید کے موقع

پر ہوتا تھا اس کی تفصیلات اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں ۔ جماعتی مراکز مساجد اور مدارس میں علامہ کا جو حصہ مالی تعاون کی صورت میں سب کو ملا کرتا تھا وہ کسی سے مخفی نہیں ۔

سیاحت

علامہ مرحوم نے سیاحت میں بھی اپنا مقام نمایاں ہی رکھا دنیا کا شائد ہی کوئی اسلامی ملک ہوگا جہاں علامہ مرحوم نہ تشریف لے گئے ہوں ۔ اکثر ممالک میں تو آپ بیسیوں بار جاتے اور دینی اجتماعات سے خطاب فرماتے عرب ممالک میں تو آپ یوں جاتے جیسے وہاں آپ کا اپنا مسکن ہو ۔ عرب ممالک کے حکمران اور عوام بھی آپ کے لیے منتظر رہتے ۔

قیادت

قائدانہ صلاحتیں بھی علامہ مرحوم میں بدرجۂ اتم موجود تھیں جماعت کی قیادت کے بارے میں جب کوئی مسئلہ حل ہوتا نظر نہ آیا تو علامہ مرحوم نے جماعت کی نشاۃ ثانیہ کا فیصلہ کر لیا جس پر اکابرین جماعت نے نہ صرف دادِ تحسین پیش کی بلکہ علامہ مرحوم کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے ملک بھر سے ہزاروں کی تعداد میں احباب جماعت علامہ صاحب کے گرد جمع ہو گئے اور ان کی قیادت میں جماعت کو منظم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمدللہ مثالی نظم سے مربوط ہو گئی ۔ علامہ مرحوم جماعت کی قیادت کے اعزاز سمیت مقام شہادت تک جا پہنچے مگر آپ کے نظم سے وابستہ احباب جمعیت اہل حدیث اور اہل حدیث یوتھ فورس اس کے ہر دو سٹیج کو اسی عزم سے مستقل باقی رکھے ہوئے ہیں اللہ کرے یہ نظم مزید مستحکم ہو ! آمین

سیاست

علامہ مرحوم سیاسی زندگی میں بھی تمام سیاسی جماعتوں کو نہ صرف خوب جانتے تھے بلکہ جب مرحوم کسی سیاسی جلسہ میں جاتے تو اس جلسہ کو جو رونق ملتی وہ انہی کی مرہون منت ہوتی ۔ تحریک استقلال میں کچھ وقت گزارا مگر جماعتی سٹیج کو خالی دیکھنا گوارا نہ کیا اور اس سے الگ ہو گئے ۔ قومی اتحاد میں شامل ہو کر عوامی جلسوں میں کتنے ہی موثر خطاب کئے ملک پر ظالم حکمران کے ظالمانہ تسلط کو گوارا نہ کیا ۔ نام نہاد عوامی حکومت کو ختم کر کے دم لیا ۔

ملک میں طویل ترین مارشل لا جاری رہا اس دوران بھی سیاسی سٹیج کے لیے جمعیت اہل حدیث کو از سر نو منظم کیا اور ہر اہم مرحلہ کے لیے احباب جماعت کو تیار رکھا ۔ جمہوری اقدار کی بحالی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم مغربی

جمہوریت نہیں بلکہ اسلامی جمہوریت کو صحیح طور پر ملک میں نافذ کرانے کی بھرپور کوشش کرتے رہیں گے اور ملک کے آئین میں خالص کتاب و سنت کے نفاذ کے لیے بہر صورت ضمانت لے کر رہیں گے سیاسی میدان میں جب بھی مشکلات آئیں تو مرحوم نے خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ حق کہتے رہے حق بتاتے رہے، حق سکھاتے رہے حق ہی کے لیے جیتے رہے اور حق پر ہی شہادت پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وحسن اولٰئک رفیقا

شہدائے اہلحدیث لاہور کی زندگی اور رحلت ہر دو نہ ہی قابلِ رشک تھیں علامہ احسان الٰہی ظہیر تو اس دو، رب العالمین کے نڈر سپاہی تھے کتاب و سنت کے عظیم داعی ہونے کی بنا پر اس امت سے خاص محبت رکھتے بالخصوص صحابہ کرامؓ سے نہ صرف عقیدت تھی بلکہ بے محبت تھی ہمارے ضلع ساہیوال سے معروف شہر عارفوالہ میں ایک مرتبہ کسی بے ذاکر نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہرزہ سرائی کی تمام شہر بلکہ علاقہ بھ میں اس ذاکر کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی تمام شہر کے باشندوں نے بلا امتیاز مل کر جمعہ مشترکہ ایک جگہ پڑھنے کا فیصلہ کیا اس موقعہ پر مسلک اہلحدیث کی نمائندگی کے لیے علامہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کا نام تجویز ہوا۔ مرحوم سے رابطہ ہوا۔ معاملہ کی نزاکت کا جب ذکر آیا تو علامہ شہید رحمہ اللہ نے اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر عارفوالہ تشریف لائے۔ جمعہ کے عظیم اجتماع میں علامہ صاحب کا خطاب مثالی خطاب تھا اور خاص کر تمام حوالہ جات شیعہ کتب کے صفحات سے بتائے یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ بیگم کوٹ لاہور میں فضائلِ صحابہ کے موضوع پر جو کانفرنس چند سال سے علامہ صاحب کی زیرِ نگرانی ہوا کرتی تھی اس کے اثرات کیا ہوئے اور گزشتہ سال محرم میں وہاں حکومت نے جو کچھ دیکھا یہ کسی سے مخفی نہیں۔

قرآن مجید سے

علامہ احسان الٰہی ظہیر اور مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی ہر دو کو قرآن مجید سے جو محبت اور پیار تھا اس کا ثبوت ہر دور کی تقاریر اور خطابات ہیں۔ ہمیشہ قرآن مجید ماہ رمضان میں علامہ صاحب خود سنایا کرتے اور تراویح میں تلاوت کردہ قرآن مجید کا مختصر خلاصہ بیان کے انداز میں ارشاد فرماتے مولانا یزدانی

صاحب جب قرآن مجید کی آیات کے ساتھ احادیث بیان کرتے اور پھر اپنے انداز میں فرماتے یہ ہے مسلک اہلحدیث یہاں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سنایا جائے گا آیات پر آیات سناتے جاتے اور احادیثِ رسول بتاتے جاتے تو سننے والا خود سوچتا کہ میں کس بات کو اختیار کروں ہر دو کی اختتامی حالت بتاتی ہے کہ ان کو کس سے تعلق تھا۔

المرأ مع من احب

علامہ احسان الٰہی ظہیر کو ربِ قدیر نے لاہور سے ریاض بلایا شہادت کے بعد ریاض سے جنت البقیع پہنچایا اور یوں پرانا قبرستان صحابہ والے مقام میں امہات المومنینؓ کے جوار میں حضرت عثمان غنیؓ کے قریب تر مقام میں قبر کی جگہ دے کر ثبوت فراہم کیا کہ جن سے ان کی محبت تھی انہی میں جا پہنچے۔ مدینہ کی گلیوں سے محبت وہاں لے جا کر صحابہ کرامؓ سے پیار صحابہ کرام کے قبرستان میں قبر بنوائی۔ حشر کو صحابہؓ کی معیت میں ربِ قدیر کے سامنے حاضری دیں گے ادھر مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی قرآن مجید سے ہر لمحہ پیار رکھتے اور ہمیشہ حمائل کی صورت میں قرآن مجید اپنے پاس رکھتے شہادت کے وقت وہی نسخہ پاس تھا۔ مرحوم کی مظلومانہ شہادت پر یہ قرآن پاک عظیم گواہ ہوگا اور حشر میں ثابت ہوگا کہ المرأ مع من احب جس سے محبت ہو گی اسی کے ہمراہ حشر ہوگا۔

نیز پتہ چلے گا کہ من یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقاً احب الصالحین ولست منھم: لعل اللہ یرزقنی صلاحاً ۔ (النساء ۶۹)

بقیہ چاند بھی ڈوب گیا

سے متاثر ہونے والے تمام اہل وطن کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور انہیں نوید سناتے ہیں کہ :۔
ارباب ظلم کے دن گنے جا چکے ہیں۔ صبح امید طلوع ہونے والی ہے۔ شہیدوں کے خون کی سرخی اس بات کا پتہ دے رہی ہے :۔ ؎

ظلم کی بنیاد پر نہ ٹھہرا، کسی بھی اقتدار کا گھروندا
چلی ذرا سی ہوا مخالف غبار بن کر بکھر گیا وہ

آہ! شہیدِ ملّت علّامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

تحریر! جناب مولانا عبد الصمد صاحب (دریالہ)

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم صلاحیتوں اور بہترین خوبیوں کا حامل بنایا تھا اگر تمام علوم قدیمہ و جدیدہ کی لازوال دولت سے مالامال تھے تو اعلیٰ ذہانت و فطانت کی خداداد نعمت کے بھی مالک تھے۔ اگر سیاسی بصیرت اور تمدنی و عمرانی شعور میں کمال حاصل تھا تو جرأت اور خود اعتمادی جیسی بلند صفات میں بھی آپ کا ثانی دنیائے اسلام میں ڈھونڈھے سے نہیں ملے گا۔ اگر ایمان و تقویٰ کے مراتب اعلیٰ پر کامیاب و کامران تھے تو استقامت اور پامردی میں بھی وہ مقام حاصل تھا کہ بادشاہوں کے خزانے اور فرعونوں کے مظالم بھی آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کرسکتے تھے اگر آپ کے دل میں افتراق و انتشار امت اور اندھی تقلید کے خلاف کمال نفرت تھی تو اتحادِ امتِ مسلمہ کی دعوت اور جماعت حقہ کی خدمت کا بے لوث جذبہ بھی بدرجۂ اتم موجود تھا۔ اگر آپ عرب و عجم کے عظیم ترین اور بے مثل خطیب و مقرر تھے۔ تو تصنیفی اور تالیفی میدان میں بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ کمالِ علمی کی دولت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی مال و ثروت سے بھی نوازا تھا۔

پیکرِ دیانت و تقویٰ

اللہ تعالیٰ نے علامہؒ کو دل و نگاہ مسلمان عطا کئے تھے یقیناً آپ کا دل ایک کامل مومن کا دل تھا اور آپ کی نگاہ ایک کامل مومن کی نگاہ تھی۔ آپ نے ہمیشہ ان دونوں کو پاک رکھا اور پاک رکھنے کی تلقین کی۔ آپ جس وقت گوجرانوالہ میں زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے تھے۔ انہیں دنوں ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کے ایک رکن سید محمد جعفر شاہ پھلواری صاحب نے موسیقی کے جواز میں ایک کتاب لکھ ڈالی تو آپ نے انہی دنوں موسیقی کے رد میں "موسیقی اور اسلام" کے عنوان سے مختلف رسالوں میں ایک قسط وار مضمون شائع کروایا۔ پھر آپ نے اسی موضوع پر ترجمان الحدیث لاہور شمارہ جون ۱۹۷۰ء سے مسلسل سارا سال "موسیقی اور اسلام" کے نام سے قسط وار مضامین شائع کئے آپ نے موسیقی کے رد میں وہ دلائل پیش کئے کہ تا قیامت نام نہاد رنگین مزاج علماء ان کا رد نہیں کرسکتے۔

آپ کو بچپن ہی سے گانے بجانے اور دیگر لغویات سے بیحد نفرت تھی آپ نے کبھی طالب علمی کے دور میں بھی تماشہ گاہوں کا رخ نہیں کیا بلکہ علمی تحقیقی مجالس اور ادبی اجتماعوں میں شریک ہوتے تھے،

گوجرانوالہ کی ادبی وعلمی محافل کے باقاعدہ ممبر تھے۔ ماڈل ہائی سکول میں ایک ہفت وار محفل منعقد ہوتی تھی جس میں اس مجلس کے ممبر اپنے اپنے مضامین وغیرہ پیش کرتے ایک دفعہ آپ نے اسلام اور شاعری پر مضمون اور ایک دفعہ ایک نظم سنائی۔ اسی طرح اکثر نئی تخلیقات پیش کرتے۔

عام طور پہ لوگ کھوکھلی تقاریر جھاڑتے رہتے ہیں یہ لوگ" اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت" کا مصداق بنتے ہیں۔ مگر حضرت علامہ رحمہ جس چیز کو حق سمجھتے اس پر خود بھی عمل کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت فرماتے۔ آپ سودی کاروبار کی تمام شقوں کو حرام گردانتے تھے اور ایک پیسہ بھی مشکوک مال کا اپنے حساب میں نہیں آنے دیتے تھے۔ جب آپ نے ماہنامہ ترجمان الحدیث اور ادارہ ترجمان السنہ کی بنیاد رکھی تو اس وقت سے تین چار سال تک ان دونوں اداروں کا انتظام میرے ہی سپرد تھا۔ میں نے یہ دیکھا کہ آپ کاروباری امور میں خواہ ان کا تعلق بنکوں سے ہو یا دوسرے اداروں سے نہایت محتاط تھے۔ بلکہ آپ بنکوں کے کھاتہ شراکت کو بھی سود ہی قرار دیتے ہوئے اس سے دور ہی رہتے تھے۔ رقوم کی ادائیگی میں ایک لمحہ بھی تاخیر کو روا نہ رکھتے تھے اس کے برعکس اگر خود کسی سے لینا ہوتا تو انتہائی بردباری کو کام میں لاتے تھے۔۔۔ مجھے یاد ہے کہ کھٹا دلیسٹ اینڈ نلی کالرینہ خوشاب کے کوئلے کا اشتہار ماہنامہ ترجمان الحدیث ۱۹۶۹ء/۱۹۷۰ء کے چند شماروں میں اشاعت کے لئے دیا گیا جو ان شماروں میں پورے صفحہ میں اشتہار چھپتا رہا۔ مگر جب بل لے کر میں اس فیکٹری کے مالک کے پاس گیا تو انہوں نے ایک دو دفعہ تو بل دینے کا وعدہ کیا مگر آخر میں یہ کہہ کر ادائیگی سے انکار ہی کر دیا کہ اس اشتہار سے ہمیں نقصان ہوا ہے۔ کیونکہ مانگ کے مطابق ہم کوئلہ مہیا نہ کر سکے۔ اس طرح ہمیں اشتہار کا کوئی فائدہ نہیں ہوا لہٰذا یہ بل ہم ادا نہیں کریں گے۔ میں نے علامہ رحمہ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے آئندہ کیلئے اشتہار کی طباعت رکوا دی اور واجب الادا رقم کا مطالبہ ترک کر دیا۔ جو اب تک اس فیکٹری کے نام بقایا ہے۔ دوسرے اداروں سے بھی آپ اسی طرح معاملہ فرماتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی کا حق دبایا اور نہ کبھی کا اپنے نام پر بقایا رکھا ہے۔ آپ انتہائی خدا ترس انسان تھے۔

خدمت دین کا جذبہ اور کامل خود اعتمادی

اللہ تعالیٰ نے علامہ مرحوم کو خدمت دین حق کے

بے باک اور بے لوث جذبہ سے مالا مال فرمایا تھا۔ اور آپ کامل خود اعتمادی اور استقامت کا پیکر تھے آپ نے کبھی لالچ اور طمع کو قریب تک نہ آنے دیا کیونکہ آپ کے والدِ محترم نے آپ کی تربیت ہی اسی طرح فرمائی تھی۔ جتنا عرصہ آپ دینی مدارس میں زیرِ تعلیم رہے آپ کے تمام اخراجات و انتظامات اپنے والد کے ذمہ تھے جب آپ گوجرانوالہ جامعہ اسلامیہ میں پڑھتے تھے تو آپ کے والد صاحب آپ کا کھانا ایک ملازم کے ذریعہ صبح و شام مسجد میں پہنچا دیتے تھے۔ پھر جب آپ جامعہ سلفیہ میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی آپ نے اپنے اخراجات پر تعلیم حاصل کی۔ زکوٰۃ کی رقم جو مدارس میں طلبہ پر استعمال کی جاتی ہے۔ آپ اس سے مکمل اجتناب کرتے تھے۔

آپ نے اپنی ساری زندگی خدمتِ دین میں صرف کی اور اسی عظیم کام کی انجام دہی اور دین کی سربلندی میں اپنی جان کا نذرانہ رب کائنات کے حضور پیش کر دیا۔ آپ نے دین حق کی خدمت تقریر و تحریر دونوں طرح سے کی۔ آپ ہر شہر و قریہ میں تقریر کے لئے جاتے تھے پاکستان کے علاوہ دیگر ملکوں کی دعوتوں اور تبلیغی پروگرام میں شریک ہوتے تھے۔ بلکہ جس جلسہ میں آپ شریک نہ ہو سکتے وہ جلسہ اتنا کامیاب تصور نہ کیا جاتا تھا۔ ہر جگہ آپ کا تشریف لے جانا مشکل تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس مردِ آہن کو بہت بڑی ہمت اور طاقت عطا کر رکھی تھی۔ ہمارے چھوٹے سے گاؤں ریالہ میں بھی آپ کئی دفعہ تشریف لائے۔ پہلی مرتبہ تو آپ نے آکر ایک دن میں ہماری بیس سالہ تفریق اور ناراضگی کو مٹا کر سب کو باہم شیر و شکر کر دیا تھا حالانکہ بیس سال تک ہم ایک دوسرے کے جنازوں تک میں شریک نہ ہوتے تھے۔ آپ جہاں تقریر کیلئے جاتے اور اپنے اخراجات پر جاتے اور کسی سے کچھ بھی قبول نہ کرتے۔ آپ خود بے مثل اور بے بدل خطیب تھے اور اس کے ساتھ ساتھ علماء کی ایک ایسی ٹیم بنا دی تھی جو یہ کام مفت کرتی جہاں بھی ضرورت ہوتی یہ جماعت پاکستان کے کونے کونے میں تبلیغ حق کیلئے اپنے اخراجات پر جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو درجہ اول کا فصیح و بلیغ اور جہیر الصوت خطیب بنایا تھا۔ آپ کو عربی فارسی اور اردو پر مکمل عبور تھا۔ جب آپ عربی میں تقریر فرماتے تو عرب علماء و خطباء بھی دنگ رہ جاتے اور وہ آپ کو عرب کے بھی عظیم ترین اور مؤثر ترین خطیب قرار دیتے تھے۔ شاذ ہی کوئی ایسا مہینہ گزرتا ہو کہ جس میں آپ بیرونی ممالک کے دورے پر نہ جاتے ہوں اور یہ دورے اکثر تبلیغی ہی ہوتے تھے۔ اس طرح دنیا کے تمام ممالک میں ہر ایک فرد آپ سے ایک عظیم مذہبی و سیاسی قائد کی حیثیت سے متعارف تھا۔

آپ ستمبر ۱۹۶۷ء سے لے کر ساری زندگی مستقل طور پر چینیانوالی مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ کچھ عرصہ آپ نے صبح کا روزانہ درس بھی چینیانوالی مسجد میں شروع کیا تھا مگر کثرتِ مشاغل اور آئے روز کی تبلیغی دوروں کی وجہ سے اس کا تسلسل قائم نہ رکھ سکے۔

آپ ساری زندگی چینیانوالی مسجد میں رمضان المبارک کی تراویح میں قرآن مجید سناتے رہے اور ہر روز تراویح میں پڑھے ہوئے قرآن مجید کا خلاصہ بیان کرتے رہے۔ آپ کا زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ دلوں کو تڑپا کر ان میں جوش اور ولولہ بھر دیتا تھا اور مرے ہوئے دلوں کو زندگی اور جلا بخشتا تھا۔

آپ کے تمام خطبے، تقاریر اور دروس کو لوگ ریکارڈ کر کے لے جاتے تھے اور ان سے خود بھی استفادہ کرتے اور دیگر لوگوں کو بھی فائدہ پہنچاتے۔

آپ یکم ستمبر ۱۹۶۷ء کو چینیانوالی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔ اس سے دو ماہ قبل مولانا محمد اسحٰق صاحب رحمانی یہاں سے منتقل ہو کر سرگودھا میں چلے گئے تھے مگر آپ کو وہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی اس لئے کچھ بیمار رہنے لگے آخر دو ماہ بعد ۴ ستمبر ۱۹۶۷ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

چینیانوالی مسجد چونکہ فارغ تھی تو مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر جمعیت اہلحدیث کے فرمانے پر آپ وہاں خطبۂ جمعہ ارشاد فرمانے لگے۔

جب سے آپ میدان عمل میں آئے بسلسلہ خطبات، تقاریر اور دروس کے علاوہ تحریر کے ذریعہ بھی دین حق کی خدمت بطریق احسن انجام دیتے رہے۔ چنانچہ گوجرانوالہ میں طالبعلمی کے دور میں بھی مختلف اخبارات میں مضامین لکھتے رہے۔ پھر جب آپ سعودی عرب اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں بھی یہ کام نہ چھوڑا اور مختلف عربی رسائل میں آپ کے عربی مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس دوران آپ کے کئی مضامین پاکستانی اخبارات میں چھپتے رہے۔ اور اسی دوران آپ نے "القادیانیہ" تحریر فرمائی۔ جس میں مرزائیت کے چہرے سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔

پھر جب آپ پاکستان تشریف لائے تو حضرت الامیر مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ نے جماعتی اخبار الاعتصام کی ادارت آپ کے حوالے کر دی۔ حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ ہی آپ کے پاکستان آنے کے لئے محرک اور رغبت دلانے والے تھے۔ جب آپ چھٹیوں میں پاکستان

آتے تھے تو گاہے گاہے چوک نیائیں میں آپ کی مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تھے۔ سعودی حکومت آپ کو تبلیغی امور پر اپنی تنخواہ اور اخراجات پر متعین کرنا چاہتی تھی مگر آپ نے یہ پیشکش قبول نہ کی اور اپنے وطن میں جماعت اور قوم کی خدمت کو ترجیح دی۔ یہاں بھی علامہ علاؤ الدین صدیقی وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے آپ کو پروفیسری کی پیشکش کی مگر آپ نے آزاد رہ کر خدمت کرنے کو ترجیح دی۔

آپ نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو اخبار الاعتصام میں باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ آپ کے دلیر اور بے باک قلم نے اس اخبار کو فوراً ترقی دے کر کمال تک پہنچا دیا۔ جب آپ نے پاکستان میں صحافت میں قدم رکھا تو آپ کے حق گو اور حق نویس قلم سے کسی کی کج روی نہ بچ سکی۔ آپ ہمیشہ باطل کے سامنے سینہ سپر رہے۔ اور حق کی آواز کو بلند رکھا۔ اس ضمن میں کبھی تو آپ حکومت کو اسکی غلط پالیسیوں اور غلط روشوں پر ٹوکتے تھے۔ اور کبھی سیاسی جماعتوں یا مذہبی فرقوں کو آپ حق کی طرف موڑنے کی کوشش کرتے۔ آپ کو حق کے معاملے میں مداہنت یا ڈھیلا پن برداشت نہیں تھا۔ آپ کے راستے میں مشکلات بھی آئیں مصائب سے بھی دوچار ہونا پڑا مگر آپ اپنی منزل مقصود کی طرف نہایت ثابت قدمی اور عزم و استقلال سے گامزن رہے۔

آپ نے اپنا ذاتی مجلہ "ترجمان الحدیث" نومبر ۱۹۶۹ء کو شائع کیا۔ جس کے ذریعے آپ نے آخری دم تک قلمی جہاد جاری رکھا۔ حکومت کی طرف کئی دفعہ نوٹس موصول ہوئے۔ مگر آپ حق گوئی سے باز نہ آئے۔ جب بھی کسی فتنہ نے سر اٹھایا تو آپ کا حقیقت نگار قلم فوراً حرکت میں آ گیا۔ ماہنامہ فتنہ سوشلزم، انکار حدیث، مرزائیت وغیرہ کے خلاف خصوصیت سے برسرِ پیکار رہا۔ علمی، ادبی، تحقیقی اور سیاسی لحاظ سے اس رسالہ کے تمام پرچے ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ آپ کا قلم کبھی بھی باطل اور طاغوت سے دبایا یا جھکایا نہ جا سکا۔ بسا اوقات پریس کے مالک شیخ محمد اشرف مرحوم نے پرچہ چھاپنے سے انکار کر دیا۔ مگر علامہ صاحب کے تسلی دینے اور ہر قسم کی ذمہ داری اپنے سر لینے کی یقین دہانی سے وہ پرچہ چھاپ دیتے تھے۔

آپ کے قلمی جہاد کا ایک عظیم اور بین الاقوامی سلسلہ آپ کی کتب بھی ہیں۔

آپ کی اکثر کتب کے مختلف زبانوں میں تراجم کئے گئے اور کئی کتب کے بیس سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہر ایک ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ آپ کی یہ کتب اپنے مطالب و

مفاہیم میں مکمل اور کافی ہیں۔ ان کتب میں ان فرقوں کی اکاذیب اور دجلیات کی نقاب کشائی کی گئی ہے اور ان کی تعلیمات باطلہ انہیں کی کتب سے واضح کی گئی ہیں آپ کی ان کتب کی اہمیت دنیا کے تمام ممالک حکومتی اور عوامی سطح پر مسلمہ ہے اور یہ کتب ان کے مدارس وجامعات کے نصاب میں شامل اور لائبریریوں کی زینت ہیں۔

اتحادِ امت مسلمہ کا داعی

علامہؒ افتراق وانتشار سے بے حد متنفر تھے اسی لئے آپ کی اکثر تقاریر صرف اتحادِ امت مسلمہ سے متعلق ہیں اسی لئے آپ مختلف فرقوں پر کتب تصنیف فرمائیں تاکہ وہ لوگ جو بھولے پن سے ان فرقوں سے منسلک ہیں وہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر حق کی طرف رجوع کریں۔ اس سلسلہ میں آپ نے اصل مرض کی تشخیص فرما کر شخصیت پرستی اور اندھی تقلید کو اس کا اصل الاصول قرار دیا اور علاج کے لئے یہ آیت بیان فرمائی۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

یعنی تمام عقائد واعمال، اقوال وافعال کو بوقتِ تنازع خدا اور رسولؐ کی طرف موڑو اور قرآن وحدیث پر پرکھو۔

ایک عظیم سیاستدان اور مدبر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند فکر اعلیٰ ذہانت کے ساتھ ساتھ طاقت گفتار اور عزم واستقلال نے آپ کو کمال تک پہنچا دیا تھا۔

آپ سیاستِ شرعیہ کے قائل تھے ایسی سیاست جس میں سیاست داں ہر روز نیا پینترا بدل کر مداری کی طرح نیا کرتب دکھاتے ہیں اس کے آپ قائل نہیں تھے جس بات کو حق سمجھا ڈنکے کی چوٹ ... اس کا اظہار کیا اور دلائل کے زور سے اس کو ثابت بھی کر دکھایا۔ جو بات غلط دیکھی بے خوف وخطر اس کے خلاف سینہ سپر ہوگئے اور یہ نہ دیکھا کہ تاج وتخت والے کہیں ناراض نہ ہو جائیں یا جبہ ودستار والے روٹھ نہ جائیں۔

آئینِ جواں مردان حق گوئی وبے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کا عصا

عرض مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پرواہ تجھے

بندۂ مومن کا دل بیم وریا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

آپ ملک و وطن اور دین کے مخلص اور سچے خادم تھے۔ پاکستان کے حکمرانوں اور عوام کی ہر ہر نقل و حرکت اور سوچ و فکر پر آپ کڑی نظر رکھے ہوئے تھے اور ہر بات کا پس منظر اور پیش منظر جانتے تھے۔ آپ کی سیاسی خدمات بڑی وسیع ہیں۔ آپ ایک عظیم آزمودہ کار سیاست دان تھے۔ آپ کے خطبات، تقاریر اور مضامین آپکی سیاسی خدمات کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ آپ نے کٹنا تو سیکھا تھا مگر جھکنا نہیں سیکھا آپ اصولوں پر کٹ مرنا تو جانتے تھے مگر سودے بازی نہ کر سکتے تھے۔ ہر قسم کی تحریص و ترغیب کے دلفریب دام میں پھنسانے کی کوشش کی گئیں مگر آپ نے اپنا مقدس دامن ہر قسم کی تحریص سے بالکل پاک رکھا۔ آپ کو ڈرا دھمکا کر راستے سے ہٹانے کی بھی کوشش کی گئیں مگر چونکہ آپ کے دل میں غیر اللہ کے خوف کی جگہ ہی نہ تھی اس لئے آپ عزم و استقلال کا پہاڑ بن کر اپنے اس مطلوب و مقصود پر ثابت قدم رہے کہ اس اسلام کے نام پر لئے ہوئے ملک میں اسلامی قانون فوراً نافذ کیا جائے۔ ورنہ اسلام کی خاطر جان دے دینا ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

آخر کار آپ نے اپنے اکابر و اسلاف کی سنت زندہ کرتے ہوئے جماعت الحدیث کی قربانیوں کے تمام ریکارڈ توڑ کر نیا ریکارڈ قائم کر دیا۔ آپ کو بم کا نشانہ بنایا گیا مگر آپ کے عزم میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔ آپ کا آخری پیغام یہ ہے بموں کے دھماکے ہمیں کتاب وسنت کی دعوت سے نہیں روک سکتے۔

آپ کو اور آپ کے ہم سفروں کو ان کے اپنے شہر میں بم سے اس لئے اڑا دیا گیا کہ وہ اسلام کے نفاذ کا نام کیوں لیتے تھے۔ ؎

رقیبوں نے لکھائی ہے رپٹ جا جا کے تھانے میں کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

جب مجھے ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے دھماکے کی خبر پہنچی ہے تو اس وقت میں اپنے گاؤں ریالہ میں تھا فوراً ایبٹ آباد جا کر آپ کے گھر فون کر کے خیریت معلوم کی پھر اسی وقت لاہور روانہ ہو گیا رات بارہ بجے میو ہسپتال جا پہنچا۔ تو اس وقت آپ اپریشن روم میں تھے۔ دو بجے تک باہر انتظار کرتا رہا۔ فراغت کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی اور چار بجے تک آپ کی خدمت میں کھڑا رہا۔ آپ نہایت پر عزم اور باحوصلہ تھے۔ آپ کا روشن اور بارونق چہرہ اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے ؎

باقی صد ۱۹۳ پر

بجلیاں کڑکتی، بادل گرجتے اور کوندے لپکتے ہوں گے ۔۔۔ مگر ۲۳ مارچ کی ظلمت بھری شب کا منظر سامنے آتے ہی جو شور اس وقت میرے سینے میں اٹھتا، جو درد میرے دل میں ہوتا اور جو آہ و فغاں میرے جگر میں برپا ہوتی ہے اس کے سامنے یہ گرج، کڑک اور لپک کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔۔ کہ اس رات چراغوں کی آبرو لٹی۔ مینارِ پاکستان کے عین پہلو میں ۔۔ اللہ والوں کا قافلہ لٹ گیا۔ چاند بے نور اور چاندنی بے ثمر ہوئی۔ سہاگ اجڑے آنچل پھٹے۔ دامن تار تار اور ماؤں کے جگر لخت لخت ہوئے۔ معصوم سایۂ پدری سے محروم اور سہاگنیں بے تاج ہوگئیں۔ معصوم خون سے وہ ہولی کھیلی گئی۔ قزاقی، شب خون اور سفاکی کا وہ مظاہرہ ہوا کہ تاریخ کو اس کی مثال تلاش کرنے میں دقت پیش آگئی۔

جب کہ رہروانِ قافلۂ عزیمت و اصحابِ استقامت کے حدی خوانوں میں علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ حبیب الرحمٰن یزدانی، عبد الخالق قدوسی اور محمد خاں نجیب علیہ شامل ہوئے ۔۔۔ وہ خوش قسمت ۔۔ کہ انہیں شہادت کی سعادت ملی بالخصوص میر کارواں ۔۔۔ علامہ ظہیرؒ ۔۔ جنہیں روضہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا جوار، اور پندرہ ہزار صحابہؓ اور ان گنت اولیاء اللہ کی رفاقت نصیب ہوئی ۔۔۔ ع

پہنچی وہیں پہ خاک، جہاں کا خمیر تھا

ہمارے حصے میں افسوس، حسرت، ندامت، رشک اور آنسوؤں کی برکھا آئی ۔۔۔ اور ان کے قاتلوں کے حصہ میں کمینگی، بزدلی، رزالت، ضلالت، پھٹکار، درندگی، شقاوت ۔۔۔ اور خدا کی ساری مخلوق کی تا قیامت لعنت آئی ۔۔۔ من قتل مؤمنا متعمدًا فجزاءه جهنم خالدًا فيها وغضب الله عليه ولعنه واعدله عذابًا عظيمًا۔

سفاکی کا نشانہ کون بنے؟ وہ لوگ جنہیں فلک نے ہزاروں برس کی خاک چھان کر ۔۔۔ نرگس نے صدیوں اپنی بے نوری پہ ماتم کر کے حاصل کیا تھا ۔۔۔ کسی کمینے، وحشی، درندے، سفاک، ملعون، مردود، بدبخت روسیاہ، ابلیس دشتی کی ایک ہی شوخی نے ہم سے جدا کر دیا۔ ان ادھ کھلے پھولوں کی پامالی سے صحن چمن اداس ہے وہ دن تو بڑا روشن تھا اور رات روشن تر مگر جب رت بدلی تو ۔۔

کھلی جو آنکھ تو کچھ اور ہی سماں دیکھا
نہ وہ لوگ تھے، نہ وہ جلسے، نہ شہر نہ رعنائی
وہ تاب درد، وہ سودائے انتظار کہاں
ان ہی کے ساتھ گئی طاقتِ شکیبائی

ظالمو! بدبختو، درندو — اور ان کو تحفظ فراہم کرنے والو! سن لو۔ احسانؒ کے یہ معصوم ابتسام معتصم، ہشام کے آنسو، اس کی صبر و رضا کی پیکر رفیقہ حیات کا صبر، یزدانی کی ننھی عفیفہ عالیہ اور — یتیم پیدا ہونے والا انعام، اس کی صابر و شاکر بیوہ — جس کی زندگی ابتلاؤ سے عبارت ہے کہ پہلے اس کا لختِ جگر چھنا۔ پھر اس کا سہاگ لٹا۔
قدوسی کے نوخیز ابوبکر و عمر — اور بیٹی — جس کا عروسی جوڑا — پیا کے دیس سدھانے سے ٹھیک ٹھیک ایک ماہ پہلے — اپنے باپ کے بے گناہ خون سے سرخ ہو گیا تھا — اور یہ محمد خاں نجیب جس کی بوڑھی ماں بیٹے کے چہرے پہ دلھوی رنگ دیکھنے کے لئے جی رہی تھی — اب آسمان کی طرف برستی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر کہتی ہے:۔

داورِ محشر گواہ رہنا میں نے اپنے بیٹے کی شادی عروسِ شہادت سے کر دی ہے

یہ سب — اور ان کے ساتھ جامِ شہادت نوش کرنیوالوں کے پسماندگان کی آہیں ربّ کے عرش کو ہلا دیں گی۔ ان مظلوموں کی آہوں سسکیوں اور آنکھوں سے بہنے والے خون ملے اشک — ظالموں کی زندگی کی ناؤ کو ڈبونے اور بڑے بڑے ظالم و جابر حکمرانوں کے سنگھاسنِ اقتدار کو ڈولا دینے کی کئی بار صلاحیت رکھتے ہیں۔

بات صرف اتنی ہی نہیں کہ یہ مظلوم ہیں۔ اس سے بھی اہم — کہ یہ اہلِ توحید بھی ہیں — جن کے مانگنے کا در صرف ایک، کھٹکھٹانے کو دروازہ صرف ایک، سر جھکانے کی چوکھٹ صرف ایک، ہاتھ اٹھیں تو اسی کی طرف، دل دھڑکے تو اسی کے نام پر، پاؤں چلیں تو اسی کے آستانے کی طرف، آنکھیں برسیں تو صرف اسی کی رحمت کی امید پر — اور یہ در — ربّ ذوالجلال کا در — ان لوگوں پر کبھی بند نہیں ہوتا۔
درندو! جو تم نے کرنا تھا کر لیا — اب اس کی باری ہے جس کی گرفت بڑی سخت ہے۔
اے ساکنانِ فرشی و منسوبانِ عرشی — ذرا یہ تو بتاؤ — آخر اس برقِ وحشت کے گرنے کا جواز کیا ہے

اس حادثے کا ایک المناک پہلو، حکومت کی بے حسی، بے خبری و بے نظری اور احساس زیاں کا مفقود ہونا بھی ہے جو نہ مجرموں کو پکڑ سکی۔ نہ زخمی دلوں پر مرہم رکھ سکی۔ احتجاج ہوا۔ اور خوب ہوا۔ مگر حکومت کے ماتھے پر جوں بھی نہ رینگ سکی۔ بیان بازی البتہ خوب ہوئی۔ اوپر سے نیچے تک آہ و واہ ہوئی۔ مگر عملی قدم اٹھایا گیا نہ اٹھانے دیا گیا۔

ارباب اقتدار ــــ سن لو۔ اب دو کاموں سے ایک کرنا ہوگا۔ یا مجرم پیش کرو۔ یا خود کو قانون مکافات کے لئے پیش کرنے کی تیاری کرو۔ ظلم بہت ہو گیا ہے اور خون شہداء تمہارے ہاتھوں پہ اچھی طرح جم گیا ہے ؎

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔
خون پھر خون ہے گرتا ہے تو جم جاتا ہے۔

قلعہ لچھمن سنگھ کے اس حادثے پر مگرمچھ کے آنسو بہانے کی بجائے کسی مثبت کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو یہ روز ہائے سیاہ ـــ جو زلف یار کی طرح دراز ہوتے جا رہے ہیں دل عاشق کی طرح سمٹ سمٹ جاتے۔ راولپنڈی۔ لاہور، کراچی، پشاور اور دیگر بدنصیب شہروں میں دھماکے ہوتے نہ زندگی گم ہوتی۔ اعلانات بس ایسے ہی ہوئے کہ حکومت مجرموں کی گردنوں تک پہنچ گئی ہے مگر یوں کہیئے کہ پاؤں تک پہنچ چکی ہے بلکہ پاؤں پڑ چکی ہے کیونکہ ہمارے نظر بد دور۔ صدر صاحب کہہ چکے ہیں کہ ہمارے پاس الہ دین کا چراغ ہے نہ گیدڑ سنگھی۔ اور پیش گوئی فرما چکے ہیں کہ چار دھماکے تو نقطۂ آغاز ہیں ابھی تو ۴۵ اور ہوں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جناب صدر کا یہ ارشاد ان کی ذاتی مسکراہٹوں، دلیمہ خوریوں اور دعوتوں میں شمولیت کے باعث "لیگاڑیات" کے قبیل میں سے ہیں لیکن وہ اگر اپنے اس بیان میں تھوڑے سے سنجیدہ ہیں تو پھر ہمیں اپنی حفاظت کی خاطر جزیہ ادا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ مگر ایک سوال نہایت ادب سے کہ جناب اگر آپ کے پاس الہ دین کا چراغ یا گیدڑ سنگھی نہیں تو آپ کا اقتدار سے چمٹے رہنے کا کیا جواز ہے؟ ہمارا مشورہ ہے کہ آپ کی طبعی عمر اور اقتدار کی عمر بھی اس قابل ہو چکی ہے کہ کچھ بگڑی ہوئی عاقبت کی فکر بھی کرنی چاہیئے قوم کی تقدیر سے کب تک یہ کھیل جاری رہے گا۔

اے اللہ! تو مظلوموں کی آہوں پر لبیک کہنے والا کوئی محمد بن قاسم اور اسلام کی آبرو صلاح الدین ایوبی عنایت فرما۔ اور ہمیں بے مروت اور مردانگی سے محروم جنرلوں سے نجات عطا فرما۔ ہم تھا کون

باقی صفحہ ۱۸۰ پر

سعودی عرب کے مؤقر جریدہ
ہفت روزہ الدعوہ
سے

شہید ملت کا آخری انٹرویو

ترجمہ!
حافظ عبدالغفار ریحان صاحب
فاضل مدینہ یونیورسٹی

علمی سفر

الدعوۃ : فضیلۃ الشیخ. تعلیم وتعلم کے سلسلہ میں آپ کا سفر بہت طویل ہے، تو کیا آپ ہمیں اپنی زندگی کے مختصر خلاصہ کے ساتھ اپنی ان علمی اسناد کے بارے میں بتائیں گے جو آپ نے حاصل کیں۔

الشیخ احسان :۔ میرا نام احسان الٰہی ظہیر ہے۔ میری پیدائش ۱۹۴۵ء میں پاکستان کے صوبہ پنجاب میں ہوئی۔ ابتدائی اور ثانوی سکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جو کہ ایک دینی مدرسہ ہے میں داخلہ لیا۔ وہاں سے ۱۹۵۹ء میں فارغ ہوا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ وہاں سے عربی زبان اور اس کی تاریخ وادب میں بی اے کیا۔ ۱۹۶۰ء میں جامعہ پنجاب سے ہی فارسی زبان اور اس کی تاریخ و تمدن میں بی اے کیا۔ ۱۹۶۱ء میں اسی یونیورسٹی سے اردو زبان اور اس کی تاریخ وادب میں بی اے کیا۔ جب میں نے قرآن کریم حفظ کیا تو میری عمر نو برس تھی۔ جب مدینہ منورہ اسلامک یونیورسٹی کھلی تو ۱۹۶۳ء میں وہاں میں نے داخلہ لیا اور ۱۹۶۷ء میں وہاں لاء کالج سے اول پوزیشن لے کر ممتاز ڈویژن میں کامیاب ہوا۔ پھر میں وطن واپس آ گیا۔ وہاں اہل حدیث کے ہفتہ وار اخبار کے ایڈیٹر اور لاہور میں اہل حدیث کی سب سے قدیم مسجد میں خطیب کی حیثیت میں میری تقرری ہوئی۔ پھر میں نے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور عربی زبان اور اس کی تاریخ وادب میں ممتاز ڈویژن میں ایم اے کیا۔ پھر دوسرا ایم اے فارسی زبان اور اس کی تاریخ وادب میں کیا۔ پھر اردو اور اس کی تاریخ وادب میں ایم اے کیا پھر سیاسیات میں ایم اے کیا۔ ۱۹۷۲ء میں کراچی یونیورسٹی سے لاء کیا۔ اس دوران پاکستان میں دعوت وتبلیغ کا کام بھی کرتا رہا۔ یہ تعلیمی اسناد حاصل کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ ایک اسلامی طالب علم کو جو علوم حاصل کرنے چاہئیں وہ حاصل کر سکے۔

کتب ومؤلفات

الدعوۃ :۔ آپ کی بہت ساری تالیفات ہیں جو کہ مختلف زبانوں میں ہیں۔ وہ کتنی ہیں اور عربی میں کتنی کتابیں ہیں؟

الشیخ احسان :۔ اسی سوال کی مناسبت سے میں ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ عربی

میں لکھا ہے پھر اسے اردو انگریزی اور انڈونیشی زبان میں منتقل کیا۔ پھر میں نے ایک پرچہ جاری کیا جس میں اردو زبان میں تحریریں ہوتی ہیں لیکن تصنیفات ابھی تک عربی میں لکھ رہا ہوں۔

پاکستان میں دعوت کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ افریقہ، ایشیا، جنوب مشرق ایشیا، یورپ اور اسی طرح امریکہ کے بہت سارے بیرونی ممالک کے تبلیغی سلسلے میں سفر کئے ہیں جو مختلف ملکوں اور ان ملکوں کی اسلامی تنظیموں کی دعوت پر کئے۔ اس کے باوجود میں نے اپنی تمام ترجدوجہد صرف خطبات پر ہی صرف نہیں کردی بلکہ کتابوں کی تصنیف کی طرف توجہ دینے کے ساتھ ساتھ پاکستانی سیاست میں بھی کام کیا۔ اور کئی بار تفتیش کے مراحل سے گذرا۔

میری تالیفات درج ذیل ہیں۔

۵ کتابیں شیعہ کے موضوع پر ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ الشیعۃ والسنۃ۔ ۲۔ الشیعۃ والقرآن ۳۔ الشیعۃ واہل البیت ۴۔ الشیعۃ والتشیع فرق وتاریخ

۵۔ بین الشیعۃ واہل السنۃ

الشیعۃ والسنۃ:۔ پہلی کتاب ہے جو ۳۳ بار طبع ہوئی جس کا ایک ملین نسخہ صرف عربی زبان میں ہے۔ یہ کتاب انگریزی۔ فارسی۔ ترکی۔ انڈونیشی۔ تھائی اور اُردو زبان میں ترجمہ ہوئی۔

الشیعۃ واہل البیت:۔ دوسری کتاب ہے جو انگریزی۔ اردو اور دیگر کئی زبانوں مثلاً ترکی زبان میں بارہ مرتبہ طبع ہوئی۔

الشیعۃ والتشیع: اس کتاب کے دس ایڈیشن عربی زبان اور پانچ ایڈیشن انگریزی اور دوسری زبانوں میں چھپے۔

پہلی کتاب ۱۹۷۳ء میں اور آخری کتاب ۱۹۸۵ء میں اس موضوع پر لکھی۔

القادیانیۃ میری مشہور کتاب ہے جس کے تیس ایڈیشن عربی زبان میں اور بیس ایڈیشن انگریزی میں طبع ہوئے۔ یہ کتاب میں نے اس وقت لکھی جب میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے آخری سال میں تھا۔ اور سلطان محمد مرحوم کے مکہ عالمی پریس کی طرف سے پہلی بار طبع ہوئی۔

دیگر کتابیں جو میں نے لکھی ہیں ان میں سے البابیہ ہے جس کے بارہ ایڈیشن عربی زبان میں چھپے۔ البہائیۃ ہے جو عربی اور انگریزی میں بارہ مرتبہ شائع ہوئی۔

فارسی زبان کی معرفت رکھنے کی وجہ سے میں اس مذہب کے ایسے خفیہ گوشوں پر مطلع ہوا ہوں جن پر عرب اور دوسرے باحیثیت فارسی زبان کی معرفت اور اس کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے اطلاع نہیں پا

سکے ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ میرے فارسی زبان کو جاننے کی وجہ سے یہ کتاب اس موضوع پر ایک بہت بڑی دستاویز ثابت ہوئی ۔ اور اسے اس موضوع پر لکھنے والوں کے لئے ایک اساسی مصدر کی حیثیت حاصل ہوئی حتیٰ کہ جب مصری دوستوں کو بہائیت کا علم ہوا تو دینی غیرت رکھنے والے مصری احباب بہائیت کے درپے ہوگئے ۔ انہوں نے اپنی بحوث اور مقالات میں میری کتاب البھائیۃ اور البابیۃ پر بہت زیادہ اعتماد کیا ۔ اور بعض لوگوں نے حقیقی طور پر بہائیت کا رد لکھا جن میں سے ڈاکٹر بنت الشاطی نے سب سے زیادہ لکھا اور اس نے تشکریہ کے ساتھ ذکر کیا کہ اس نے میری کتاب پر اعتماد کیا ۔

قصہ مختصر یہ ایک سرراہ خیال تھا جو آگیا ۔

اسی طرح خرافی گروہ پر بھی لکھا ہے جس کا نام بریلوی گروہ ہے ان کے بارے میں مستقل کتاب ہے یہ کہ وہ برصغیر میں پایا جاتا ہے لیکن اس کے عقائد و نظریات وہی ہیں جو عرب و عجم کی اسلامی دنیا میں بہت سے خرافیوں کے ہوتے ہیں ۔ اسی لئے ان کے بارے میں کتاب لکھی ہے جو الحمدللہ دس ایڈیشن سے زائد چھپ چکی ہے ۔ ایک کائنات نے اس سے استفادہ کیا ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو حق راستے کی ہدایت عطا فرمائی ہے ۔ یہ کتاب انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ ہوئی انگریزی میں اس کے چھ، سات سے زائد ایڈیشن نکل چکے ہیں ۔

فرق کے موضوع پر میں نے ایک اور کتاب لکھی ہے جو میری اب تک کی کتابوں میں سب سے بڑی ہے ۔ وہ اپنے موضوع پر اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس موضوع پر زیادہ لوگوں نے نہیں لکھا بلکہ بہت کم مسلمان باحثین نے اس طرف توجہ دی ہے اگرچہ بعض مستشرقین نے اس موضوع پر لکھا ہے مگر صرف ذاتی مقاصد کے لئے ۔ بعض مصری دوستوں نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ قومی میلان ان پر غالب رہا ۔ اسی لئے انہوں نے اس گروہ کے عقیدہ و فکر پر بحث نہیں کی بلکہ تاریخی وجذباتی بحث کی ہے جس گروہ کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں وہ اسماعیلی گروہ ہے اسماعیلی فرقے پر بہت کم لکھا گیا ہے ۔ اور بہت کم اس طرف توجہ دی گئی ہے ۔ کیونکہ ان کی کتابیں مخفی اور پوشیدہ ہیں ۔ ان کا شمار باطنیوں میں ہوتا ہے ۔ بلکہ وہی باطنی ہیں وہ دوسروں سے اپنی کتابیں اور دستاویزات بھی چھپا کر رکھتے ہیں ۔

اسی لئے اس فرقے کے متعلق جستجو کرنے میں میں نے بہت محنت کی ہے ۔ یہ کتاب اس گروہ کے عقائد اور ایک معین وقت کی تاریخ پر مشتمل ہے ۔ یہی عرصہ اسماعیلیہ کی نشوونما، پھر مغربی ممالک پران کے تسلط

مصر کی طرف ان کی منتقلی، مشرقی اسلامی دنیا میں ان کا پھیلنا۔ اسلامی دارالحکومت بغداد پر ایک سال کے لئے ان کا قبضہ۔ پھر صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ان کے انجام کا عرصہ ہے۔ یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے۔ جو آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ ایک مستقل کتاب ہے مگر یہ میری اس کتاب کی ایک جلد ہے جو مستقبل قریب میں ان شاء اللہ موجودہ اسماعیلی فرقے کے متعلق لکھنے کا میرا ارادہ ہے۔ اس بنا پر یہ کتاب پرانے اسماعیلیوں پر ہے جبکہ آئندہ کتاب نئے اسماعیلیوں پر بحث کرے گی۔ حاصل یہ کہ اس کتاب میں بفضلہ تعالےٰ بعض ایسی معلومات ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نے ذکر نہیں کیں۔

فرق کے موضوع پر میری ایک اور کتاب صادر ہوئی ہے جو "التصوف" المنشاء والمصادر" کے نام سے ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر لکھا ہے اور جو بھی لکھا ہے اس پر تنقید یا اس کے دفاع میں لکھا ہے۔ لیکن بہت کم لوگوں نے اس کے منشا و مصدر کی طرف توجہ کی ہے۔ کہ تصوف نے کہاں سے اپنے اصول و قواعد اور بنیادیں حاصل کی ہیں جن پر اس کی عمارت استوار کی گئی ہے۔ اللہ کے فضل سے میں نے اس کتاب میں اس قوم کی معتبر کتابوں سے تصوف کے منشاء و مصدر پر بحث کی ہے۔ اپنی عادت کے مطابق میں اسی گروہ کی کتابوں کے حوالے ذکر کرتا ہوں جس کے متعلق میں لکھنا چاہتا ہوں۔ ان کی طرف میں ایسی چیزیں کبھی منسوب نہیں کرتا جن کو وہ قبول نہ کرتے ہوں۔ یا اپنی معتبر کتابوں میں ذکر نہ کرتے ہوں۔ اس بنا پر یہ کتاب اسی نوعیت کی ہے۔ کیونکہ میں نے تصوف کے منشا و مصدر کی بحث میں بدھ مت اور ہندومت جیسے پرانے مذاہب، اسی طرح مجوسیت و زرتشت جیسے فارسی مذاہب اور جدید افلاطونی مذاہب اور آخر میں منحرف و تحریف شدہ مسیحیت کا ذکر کیا ہے۔ جو تصوف کے سرچشمے ہیں۔ پھر اس کے بعد میں نے بیان کیا ہے کہ شیعیت نے ہی تصوف کو ایجاد کیا ہے۔ اور اس میں ایسے نظریات داخل کر دیئے ہیں جن کا مسلک اہل سنت والجماعت اور مذہب سلف صالحین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ باب (جو کہ اس کا تیسرا باب "التصوف والتشیع" کے نام سے ہے) اس کتاب میں سب سے بڑا باب ہے جو ایک سو بیتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ حالانکہ کتاب کل تین سو صفحات کی ہے۔

ایک اور کتاب "دراسات فی التصوف" کے نام سے ہے۔ پہلی کتاب میں تصوف کے منشا و مصدر کے متعلق بحث ہے جبکہ اس کتاب میں صوفیاء کے عقائد و نظریات اور ان کے آخری مراحل پر بحث ہے

اسی طرح اس کتاب میں تصوف کے سلسلہ جات اور لوگوں میں رائج مشہور طریق اور ان بنیادوں کا ذکر ہے جن پر یہ قائم ہیں جو تصوف کو سلف صالحین کے مذہب سے انتہائی دور کرتی ہیں۔ تصوف اور مشروع و مطلوب زہد میں تعلق بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح غلو و مغالات کا ذکر کیا ہے جو تصوف کی اساس ہیں۔ یہ کتاب زیر طبع ہے ان شاء اللہ جلد ہی چھپ کر آجائے گی۔

ایک اور کتاب مسیحیت پر ہے۔ میں نے اس کتاب میں اصلی مسیحیت و نصرانیت کی ابتداء پھر اس کی شاول یہودی کی مسیحیت میں تبدیلی، اس کی ترقی، حکام و رؤسا اور بادشاہوں کی مسیحی مذہب میں دخل اندازی اور ان کا اپنے اغراض و مقاصد کے مطابق اس میں تبدیلیوں پر بحث کی ہے۔ اسی طرح اس کتاب میں ان پوپوں کے متعلق ذکر کیا ہے جو مسیحیت پر مسلط ہو گئے۔ ان کی زندگی، ان کے بُرے اعمال، اس شریعت سے ان کی روگردانیاں جس پر ان کو مسیح علیہ السلام چھوڑ کر گئے تھے۔

اسی طرح حقیقی مسیحی دعوت کا ذکر کیا ہے۔ جس کی طرف حضرت عیسٰے اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو دعوت دی تھی۔ جو توحید کی دعوت تھی اور لا الٰہ الا اللہ کی دعوت تھی۔ اور میں نے بیان کیا کہ کس طرح ان کے بعد ان کے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے ان کے منہج اور اسلوب کو بدل دیا۔ توحید کو شرک اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کو بت پرستی اور خرافات میں تبدیل کر دیا۔ اس کتاب میں دیگر روگردانیاں بھی ذکر کی ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ میں نے اس کتاب میں مسیحیت کے بارے میں ایسی بہت سی چیزوں پر گفتگو کی ہے جو بفضلہ تعالیٰ عربی اور انگریزی لائبریری میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد ہوں گی۔ اس کتاب میں بھی میں نے وہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ عیسائیوں کے نظریات اور ان کی حقیقت کی نقاب کشائی کے لئے انہی کی کتابوں سے روایات نقل کی ہیں۔ میں نے ان پر رد کرنے کے لئے بہت کم مسیحیوں کے علاوہ دوسروں کی کتابوں پر اعتماد کیا ہے۔ اس کتاب کے اکثر مصادر انگریزی اور فرانسیسی اور کچھ دوسرے مصادر ہیں جن کو خود عیسائیوں نے لکھا ہے۔

یہ کتاب اللہ کے فضل و کرم سے مکمل ہو چکی ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ یہ کتاب عربی انگریزی اور اردو تینوں زبانوں میں بیک وقت شائع ہو اسی لئے اس کی اشاعت لیٹ ہو رہی ہے اس کا انگریزی اور اردو میں ترجمہ شروع کر دیا ہے۔ عربی میں اس کی کتابت ہو رہی ہے تاکہ کتاب پریس جا سکے۔ یہ سب کتابیں بفضلہ تعالیٰ ہم نے " فرق " کے موضوع پر لکھی ہیں۔ جب کہ ایک ایسی کتاب لکھنے کا بھی ہمارا ارادہ ہے جو عقیدہ اہل سنت والجماعت پر مشتمل ہو۔ کیونکہ کئی بار مجھ سے سوال کیا

گیا ہے کہ میں نے باطل فرقوں اور خطرناک نظریات کے متعلق لکھا ہے اور سب کی سب اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ بھی باطل ہے۔ یہ بھی باطل ہے تو پھر حق کیا ہے۔؟

اس کتاب کے لئے میں نے خاکہ تیار کر لیا ہے۔ اس کے لئے مصادر جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں تاکہ ان سب کتابوں کے بعد اہل سنت والجماعت، ان کے افکار ونظریات اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ان کے مبنی عقائد پر مشتمل کتاب ہو۔ اللہ تعالےٰ سے اُمید ہے کہ وہ اس کتاب کو مکمل کرنے اور اس مہم کو سر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

"دعوت واسلامی داعی"

الدعوۃ: جس طریقے پر اسلامی دعوت چل رہی ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ کی نظر میں سب سے عمدہ اسلوب کیا ہے جس پر مبلغین حضرات کو چلنا چاہیئے۔

الشیخ احسان:۔ دعوت اور اسلامی داعی کے اعتبار سے یہ بہت اہم موضوع ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم وہ امت ہیں جو بھلائی کی طرف بلاتی ہے جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو" اس کے باوجود (حق بات کہنی چاہیئے) ہم دعوت کے سلسلے میں حقیقی ذمہ داری نہیں نبھار ہے۔ اگرچہ ہم دعویٰ اور گمان کریں کہ ہم نے ہر اس ملک میں مبلغین کی وافر مقدار مہیا کر دی ہے جہاں ان کی ضرورت تھی۔ اور وہ دعوت کے نام سے کام کر رہے ہیں۔

میں داعی کے اوصاف پر گفتگو کر رہا تھا کہ اس کے باوجود کہ ہم امتِ دعوت ہیں پر انتہائی افسوس ہے کہ ہم نے دعوت کو پہچانا اور نہ اس کی حقیقی ذمہ داری اور اس کی اہمیت کا ادراک کیا۔ اسی لئے میں نے افریقہ، جنوب مشرق ایشیاء امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک میں اپنے سفروں کے دوران دیکھا ہے کہ وہاں مبلغین کی نسبت دعوت کی طرف تو ہے (اور یہ بات اگرچہ کڑوی اور افسوسناک ہے لیکن حق بات کہنی چاہیئے جیسا کہ میں نے کہا ہے) لیکن وہ دعوت کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام جو ایک سچا اور فطری دین ہے۔ جس کو وہ تمام قبائل قبول کرتے ہیں جن کی پیدائش فطرت پر ہوتی ہے۔ جو نفوس سلیم الفطرت دلوں اور پاکیزہ عقلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود وہ لوگوں کو اسلام کی طرف نہیں لا سکے بلکہ مسلمانوں کو حقیقی مسلمان نہیں بنا سکے۔ باوجود اس کے کہ میں بھی دعوت کی طرف منسوب ہوں۔ میں

اقرار کرتا ہوں کہ ہم کوتاہی کرتے ہیں ۔ اور یہ کوتاہی صرف ہماری طرف سے ہے ۔ ورنہ مسلم عوام تو اسلام کے شیدائی ہیں ۔ اس کے معانی و مفاہیم کو پسند کرتے ہیں جس چیز کا بھی اسلام ان سے مطالبہ کرتا ہے اس کو وہ چاہتے ہیں ۔ صرف ہم ہی اسلام کا درس دینے ، اسلام کو اس کی حقیقی اور اصلی صورت میں پیش کرنے کی سکت نہیں رکھتے ۔ جو دلوں کو کھینچتی ہے اور اسلام کو دلوں کے قریب کرتی ہے ۔

اپنے مختلف سفروں میں اس مشکل کے ساتھ کئی بار میرا واسطہ پڑا ہے کہ ایک ایسے شخص سے میری ملاقات ہوئی ہے جو کسی مسلمان ملک یا کسی رفاہی تنظیم یا سعودی حکومت کی طرف سے مبعوث ہے (اللہ تعالیٰ سعودی حکومت کے ذمہ داران کو جزائے خیر دے کہ وہ دعوت پر اس قدر خرچ کرتے ہیں جو ان کے سوا کوئی بھی نہیں کرتا ۔) لیکن یہ ان کا قصور نہیں ہے کہ انہوں نے مبلغین کو دعوت کے لئے بھیجا ہے ۔ اور جس شخص کو انہوں نے بھیجا ہے ۔ وہ اس ملک کے متعلق کچھ نہیں جانتا ۔ اور نہ ان اسلام مخالف نظریات کو جانتا ہے جو وہاں پائے جاتے ہیں ۔ نہ اس ملک کی زبان ، نہ طبیعت ، نہ تاریخ اور نہ اس ملک کے جغرافیے کے متعلق اسے کچھ پتہ ہے ۔ یہ آدمی اگرچہ خود دیندار ہے "کلیۃ الشریعۃ" ، کلیہ اصول الدین اور کلیۃ الدعوۃ کا فارغ ہے لیکن قابل افسوس پہلو یہ ہے کہ وہ دعوت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی اسے معلوم ہے وہاں اس کا کس نظریے سے ٹکراؤ ہوگا ۔ کون سی جماعتیں اسے ملیں گی اور کن گروہوں سے اس کا واسطہ پڑے گا ۔ اسی لئے وہ چپ چاپ ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے اپنا کردار ادا نہیں کر سکتا ۔

اس کے برعکس وہاں باطل ادیان والے ہوتے ہیں لیکن وہ اس وقت تک کسی ملک میں نہیں جاتے جب تک اس کے متعلق سٹڈی ۔ جامع سکیم اور مکمل منصوبہ بندی نہ کرلیں وہ پہلے وہاں کے معاشرے ۔ زبان ۔ تاریخ ۔ تمدن ۔ ثقافت اور ان کے بنیادی عقائد (جن کو وہ قبول کئے ہوئے ہیں) کی سٹڈی کرتے ہیں پھر اس کے بعد ان کے اصول کی سٹڈی کرتے ہیں ۔ جن پر ان کی دعوت کی بنیاد ہے ۔ کیونکہ انسان جب تک کچھ جانتا نہ ہو کچھ نہیں سکتا ۔

جس طرح باطل ادیان والے اس ملک میں جانے سے قبل ان سب چیزوں کی سٹڈی کرتے ہیں ۔ اسی طرح اس چیز کی بھی ریسرچ کرتے ہیں کہ ان کو وہاں کون سے مذاہب و ادیان ، فرقے اور گروہ ملیں گے اور جن نظریات کے ذریعے ان جماعتوں اور فرقوں کا مقابلہ کریں گے ان سے لیس ہوتے ہیں تاکہ ان کا رد کرسکیں اور (سیر کے بدلے سیر لوٹا سکیں ۔)

پھر داعی کو چاہیئے کہ وہ یہ بھی یاد رکھے کہ حقیقی مبشر وہی ہے۔ اس کا مقصد صرف مادہ و جاہ نہ ہو۔ بلکہ انسانیت کی ہدایت کا سبب بنے۔ اور یہی وہ بہت بڑا اور بلند شرف ہے جو کسی شخص کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تیرے ہاتھ پہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ ایک روایت میں ہے دنیا و جہاں سے بہتر ہے۔

اس کا بڑا مقصد لوگوں کی ہدایت، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے آپ کے صحابہ (جو اپنے زمانے میں حق کے داعی تھے جن کے ہاتھوں اسلامی دعوت حیرت انگیز طور پر پھیلی) کے سکھائے ہوئے طریقوں سے ان کے قلوب و نفوس کو دعوت کی طرف بلانا۔ اس لئے درج ذیل اشیاء ایک داعی میں وافر ہونا چاہیئں۔

داعی کو اس طرح ہونا چاہیئے۔

۱۔ جس ملک میں جانا ہے وہاں کی زبان جانتا ہو۔

۲۔ جو افکار و نظریات اور عقائد اس ملک میں موجود ہیں ان کی معرفت ہو۔

۳۔ جو مہمات اور مشکلات اس کو وہاں پیش آئیں گی ان کا ادراک ہو تاکہ اس ملک میں جانے سے پہلے ان کے لئے تیار ہو۔

۴۔ بہتر یہ ہے کہ ہر ملک سے ایسے آدمی منتخب کئے جائیں جو دعوت کے اسلوب اور اسلام کو جانتے ہوں پھر ان کو معنوی اور فکری اسلحہ سے لیس کیا جائے تاکہ وہ اپنی قوم میں واپس جا کر ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں شاید وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔

۵۔ مبلغ کو بلند اخلاق کا مالک ہونا چاہیئے۔ سنگ دل اور بدزبان نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں دعوت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اور اگر آپ سنگ دل اور بدزبان ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے۔ اور آپ کو دعوت کا اسلوب بتلایا۔ حکمت اور موعظۃ حسنۃ سے اپنے رب کی طرف بلائیے اور اچھے طریقے سے مجادلہ کریں۔ اس کا مطلب ہے داعی خوش اخلاق اور آسانی پیدا کرنے والا ہو سختی کرنیوالا نہ ہو۔

۶۔ داعی میں لچک اور نرمی ہو۔ اس کے دل میں اس دعوت کی اہمیت، اس کی راہ میں قربانی اور ایثار کا جذبہ ہو۔ (ویوثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصۃ) کیونکہ قربانی اور

اثبار کا دعوت کی نشر و اشاعت میں بہت ہاتھ ہے۔

اس لئے داعی کو ان اوصاف سے متصف ہونا چاہیئے۔ حکومتِ سعودیہ کی کوششوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پاکستان اور دوسری اسلامی دنیا میں مراکز اور اسلامی جماعتوں کے تعاون کے اعتبار سے سعودی حکومت کی کوششوں میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت دنیا میں واحد سعودی حکومت ہے جو ہر مسلمان ملک میں اسلامی دعوت پر جود و سخا سے خرچ کر رہی ہے۔ بلکہ اسلامی و غیر اسلامی دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں سعودی حکومت کے آثار اور سنہرے کارنامے نہ ہوں جو واضح طور پر نمایاں ہیں۔

میرے خیال میں ایسا کوئی ملک نہیں جہاں اسلامی مراکز اور دینی جماعتیں سعودی حکومت کے تعاون سے خالی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے عہدیداروں کو جزائے خیر دے۔ ان کی کوششوں کو بار آور کرنے اور ان کو ان لوگوں میں سے بنائے جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر سعودی حکام اور اس کے ذمہ دار اس دعوت کے لئے کھڑے نہ ہوں اور اس کے تعاون کا خیال نہ کریں تو ان کے علاوہ اور کون کریگا۔ سب سے زیادہ ذمہ داری انہی پر ہے۔ کیونکہ وہی ایسی حکومت ہے جو صراطِ مستقیم اور صحیح اسلامی عقیدہ پر قائم ہوتی ہے۔ اس لئے اسی پر اس کام کی ذمہ داری ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کو توفیق دے اور اس کی کوششوں میں برکت کرے جو دعوت کے پھیلاؤ، عالم اسلامی کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور ہر خطہ زمین میں مسلمانوں کی تعداد کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں اور اس کا ہونا ضروری ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے مزید امید کرتے ہیں کہ وہ اس حکومت کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائے جس میں امت مسلمہ کی بھلائی ہو۔

افریقہ اور یورپ میں دعوت

الدعوۃ: افریقہ اور یورپ میں دعوت بہت ترقی کر رہی ہے اس پر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟

الشیخ احسان :۔ افریقہ اور یورپ میں اسلامی دعوت کے متعلق حقیقت وہی ہے جو میں نے اپنی پہلی گفتگو میں ذکر کی ہے۔ کہ بفضلہٖ تعالیٰ دنیا کے ہر ملک میں دعوت موجود ہے۔ خصوصاً افریقہ اور یورپ میں جو لوگ دعوت سے تعاون کرتے ہیں کوتاہی ان کی طرف سے نہیں بلکہ مبلغین اور ہماری طرف سے ہوتی ہے۔ مبلغین کو چاہیئے کہ وہ ہر اس چیز سے لیس ہوں جس کی انہیں اس ملک میں دعوت کے سلسلے میں ضرورت ہو۔ جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔

گمراہ فرقے اور اُن کا خاتمہ

الدعوۃ : گمراہ فرقوں کے بارے میں آپ کا کیا نقطۂ نظر ہے۔ اور ان کے خاتمہ کا سب سے اچھا طریقہ کیا ہے ؟

الشیخ احسان :۔ گمراہ فرقوں اور ان کے خاتمہ کے طریقے کے متعلق میرا نقطۂ نظر (یہ سوال میں خود چاہتا ہوں اگرچہ اس کا جواب طویل ہے) یہ ہے کہ قادیانیت، بابیت، بہائیت، جزافیت صوفیت اور اسماعیلیت جیسے گمراہ فرقے دنیا میں موجود ہیں۔ اور عالم اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں اور قابلِ افسوس چیز یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ اور حق پرست لوگوں نے اپنے گرد وپیش کے حالات پر بہت زیادہ ندامت کا اظہار کرنا تو شروع کر دیا ہے لیکن ان گمراہ فرقوں کے عقائد کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ یہ باطل فرقے فکری۔ نظری اور عقائدی جیسے مختلف وسائل کے ذریعے اہل السنۃ والجماعۃ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور اُن کے نظریات کو ملیا میٹ کرنے کے لئے پوری تندّ ومد سے اپنی کوششوں کو میدان میں جھونک رہے ہیں۔ تاکہ امتِ مسلمہ کے وجود کو مٹا ڈالیں اور اہل السنۃ والجماعۃ اس سے غافل ہیں جو ان فرقوں کی طرف سے ان کے گرد وپیش ہو رہا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر افسوسناک بات یہ ہے کہ ان گمراہ اور ملحد لوگوں کا رد کرنے کے لئے اگر کوئی کھڑا ہوتا ہے تو اہل السنۃ والجماعۃ میں سے جاہل قسم کے لوگ اسے کہتے ہیں کہ آپ کیوں مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔ اس تفرقے اور گروہ بندی کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ ملحد اور گمراہ لوگوں کا رد، حق کو بیان اور اس کو ثابت کرنا، باطل کو مٹانا، جھوٹ کا پول کھولنا اور اس کی وضاحت کرنا گروہ بندی اور عنصریت نہیں ہے اور نہ ہی تفرقہ بازی ہے۔ بلکہ یہ مسلمان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ باطل کے سامنے ڈٹ جائے اور اس کو چیلنج کرے بت پرستی اور اس کی تمام ظاہری اشکال کو اگر اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو اسلام کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ان پر اسلام کے لیبل کا قطعی کوئی معنی نہیں۔

اس لئے جیسے کہ میں نے ذکر کیا ہے مسلمان پر ضروری ہے کہ اس کے اندر ان گمراہ اور بگڑے ہوئے فرقوں کا رد کرنے کی استعداد ہو اور ان کے خاتمہ کے لئے حقیقت پسندی سے کام لے، اور یہ کس طرح ہو ؟ تو یہ سب کچھ اس جماعت اور گروہ کے افکار کے علم اور حقیقی معرفت کے بعد ہی

ہو سکتا ہے۔

ان گروہوں کا رد کرنے کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان ان لوگوں کی کتابوں کا اہتمام رکھے کیونکہ اتمام حجت اور مخالف کو خاموش کرانے کا اس سے بڑھ کر اور کوئی طریقہ نہیں کہ اس کا رد اسی کی کلام اور انہی کی کتابوں سے ہو خصوصاً وہ کتابیں جو ان کے ہاں معتبر اور ثقہ ہوں۔ کیونکہ یہ مخالف کو خاموش کرانے، اپنی بات منوانے اور اس کے افکار و نظریات کو باطل کرنے کا سب سے طاقتور ذریعہ ہے۔ جیسا کہ عربی کا محاورہ ہے اسی کا منہ اسی کا تھپیڑ۔

اس گمراہ اور باطل فرقے کا خاتمہ صرف حجت کا حجت، دلیل کا دلیل اور برہان کا برہان کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب ان گروہوں اور جماعتوں کے متعلق کامل، شامل اور کافی، وافی ریسرچ کی جائے۔

بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتابوں میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ اسی مناسبت سے میں عرض کرتا ہوں کہ ہم نے قادیانیوں پر کتاب لکھی جس میں ہم نے قادیانیوں کا رد کرنے کے لئے ایک روائیت بھی غیر قادیانی سے نقل نہیں کی۔ بلکہ جو کچھ ہم نے لکھا وہ انہی کی کتابوں سے منقول ہے اور انہی کی عبارتوں سے ہم نے استشہاد کیا ہے۔ جو ان کے مذہب کے جھوٹا ہونے اور ان کے دعویٰ کے باطل ہونے کی گواہی دے رہی ہیں۔ اسی طرح بابیت اور بہائیت ہے اور یہی تنہا راستہ ہے امت مسلمہ کے لئے ان تباہ کن اور خطرناک فکری لہروں کے خاتمہ کا۔

اس سے پہلے جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کہ انسان کو صرف اس مذہب کے عقائد و نظریات کی معرفت ہی نہ ہو بلکہ سب سے پہلے اسے اسلامی علوم کی اطلاع۔ صحیح اسلام۔ اس کے تمام پہلوؤں اور اس کی صحیح تعلیمات کی معرفت ہونی چاہیئے۔ تاکہ جب وہ اس فرقے کا رد کرے تو اس کے پاس پیش کرنے کے لئے صحیح چیز بھی ہو۔

اور یہی طریقہ صحیح، سیدھا راستہ اور درست منہج ہے۔ ان لوگوں کا اور ان کے افکار اور باطل نظریات کا رد کرنے کے لئے ان کو پاک اور اچھے خیالات میں بدلنے کا۔ اس فرقے کے تعلیمات کی بجائے اسلامی تعلیمات کو قائم کرنے کا۔ اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے اسلامی تعلیمات اور قرآن و سنت کے علوم کی معرفت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے کی توفیق اور ہدائیت فرمائے۔

٭

جمعیۃ اہلحدیث اور علامہ صاحب کا اہم کردار

جناب مولانا عبدالستار گوندل الریاض

۱۹۷۷ء میں علامہ صاحب سے میرے تعلقات استوار ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جب ملک اور ہماری جماعت کا دیوالیہ نکل چکا تھا۔ ملک کی تباہی کے ذمہ دار مسٹر بھٹو تھے جنہوں نے اپنے پانچ سالہ دور اقتدار میں پاکستان کی بنیادوں کو سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی طور پر کھوکھلا کر دیا تھا۔ ہماری جماعت کے زوال کا سبب ہماری نااہل قیادت تھی۔ اس قیادت نے جماعت کو اپنی شہرت اور اثر ورسوخ کا زینہ بنایا۔ مگر ستم یہ ہے کہ وہ اپنی نااہلی کی وجہ سے خود تو شہرت اور ناموری حاصل نہ کر سکے مگر جماعت کی شہرت ناموری اور اثر کو ختم کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھٹو حکومت کے خلاف قومی اتحاد بنا تو قومی اتحاد میں مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کو شامل نہ کیا گیا۔ قومی اتحاد کے قائدین کا کہنا تھا کہ اس جماعت کا ہم نے نام سنا ہے اور نہ کام اس کو اتحاد میں ستارا کیسے بنا لیا جائے۔ پھر جب مسٹر بھٹو کے خلاف "تحریک نظام مصطفےٰ" شروع ہوئی تو اہلحدیث افراد نے ملک وملت کی خاطر بیش بہا قربانیاں پیش کیں مگر فعال قیادت نہ ہونے کی وجہ سے وہ جماعت کے لیے مفید ثابت نہ ہوئیں جب کوئی مورخ "تحریک نظام مصطفےٰ" کی تاریخ مرتب کرے گا تو اس میں ذاتی طور پر شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر کا نام تو نمایاں ہوگا مگر بطور جماعت مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کا ذکر نہیں ہوگا۔ اگر اس وقت جماعت کی قیادت باصلاحیت، اہل علم، مخلص، مستعد اور متحرک لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی تو جمعیۃ اہل حدیث کا نام سرفہرست ہوتا۔

یہ حقیقت ہے کہ جماعتیں ہمیشہ باصلاحیت قیادت کی وجہ سے ترقی کرتی ہیں اور نااہل قیادت کے باعث مٹ جاتی ہیں۔ اور افراد کی قربانیاں بھی فراموش ہو جاتی ہیں۔

قیام لاہور کے دوران مجھے ماہنامہ "محدث" میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران حضرت علامہ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کیونکہ میں جمعہ کی نماز ہمیشہ علامہ صاحب کی امامت میں چینیانوالی میں ادا کرتا تھا جمعہ کے روز میں تقریباً گیارہ بجے حضرت علامہ کے گھر حاضر ہو جاتا اور وہاں سے علامہ صاحب کی معیت میں جمعہ پڑھنے جاتا اور واپسی بھی ان کے ہمراہ ہی ہوتی۔ اس کے علاوہ میرے لائق اگر کوئی خدمت ہوتی تو مجھے وہ ٹیلیفون کر کے بلا لیتے تھے۔

ایک برس تک میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے دفتر میں بھی کام کرتا رہا۔ اس دوران بھی علامہ صاحب سے مسلسل رابطہ قائم رہا۔ علامہ صاحب چونکہ مجلس عاملہ کے رکن تھے اس لیے جب بھی وہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں تشریف لاتے تو قیادت کی نااہلی بے بسی اور بے حسی پر خوب تنقید کرتے اور انہیں کہتے کہ جماعت کی کوئی سیاسی اور دینی حیثیت بناؤ۔ تم کیا کرتے ہو۔ اگر کوئی سیاسی اتحاد بنتا ہے تو تم کو شامل نہیں کیا جاتا اگر حکومت کسی دینی معاملہ میں دینی جماعتوں سے مشورہ لیتی ہے تو تم کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ اگر حکومت کو اسلامی ادارہ قائم کرتی ہے تو تم کو پوچھا ہی نہیں جاتا۔ مگر وہ علامہ صاحب کی حقیقت افروز تنقید کا کوئی جواب نہ دے پاتے اور نہ ہی ان کی نصائح پر عمل کرتے۔ الٹا اسے تنقید برائے تنقید پر محمول کرتے۔ اسی دور میں ضیاء الحق کی حکومت نے شریعت کورٹ قائم کی جس میں جماعت اسلامی، بریلوی اور دیوبندی علماء کو شامل تو کیا گیا مگر جمعیت اہلحدیث کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ایسے حالات نے میرے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کام کروں جن کے دلوں میں مسلک اور جماعت کی کوئی حمیت اور تڑپ نہ ہو۔ چنانچہ میں نے استعفے دے دیا اور علامہ صاحب نے "ترجمان الحدیث" کے انتظامات میرے سپرد کر دیئے۔

اسی اثنا میں جماعتی دستور کے مطابق جماعتی انتخابات کی مدت ختم ہو چکی تھی۔ علامہ صاحب نے یہ نقطہ اٹھایا کہ جماعتی انتخابات از سر نو کرائے جائیں۔ لیکن مرکزی جمعیۃ کی قیادت علامہ صاحب کی غیر معمولی اہمیت، شہرت، عزت اور خطابت سے خائف تھی اور مجلس شوریٰ میں علامہ صاحب کا سامنا کرنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے انتخابات سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے انتخابات نہ کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ جس سے ان کی آئینی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ چنانچہ علامہ صاحب نے پورے ملک سے علماء اہلحدیث کو گوجرانوالہ میں جمع کیا اور ان کی جماعتی نقطہ نظر میں گڑ بڑ، جماعتی پراپیگنڈے میں خرد برد اور غیر دستوری حربوں کو جماعت کے سامنے پیش کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ جماعتی دستور کے مطابق ان کی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ اب ہمیں غور و فکر کے بعد کوئی مثبت اقدام کرنا ہے۔ چنانچہ متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ جماعت کی ابھی سے تنظیم نو کر کے مسلک کی بالادستی اور جماعتی کی تعمیر و ترقی کے لیے کام شروع کرنا چاہیے۔ چنانچہ جماعت کی تنظیم نو کی گئی جس میں حضرت علامہ نے کوئی عہدہ قبول نہ کیا۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب گوجرانوالہ کو امیر، مولانا محمد حسین صاحب شیخوپوری کو ناظم اعلیٰ اور مولانا حبیب الرحمن یزدانی نائب ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ سب نے عہد کیا کہ متحد رہ کر جماعت کی ترقی اور مسلک کی ترویج و اشاعت کے لیے کام کرنے کے ساتھ ساتھ جماعت سے بیوفائی نہیں کریں گے۔ مگر کچھ عرصہ بعد مولانا محمد حسین صاحب شیخوپوری ساتھ چھوڑ گئے۔ چنانچہ نئے انتخابات میں حضرت علامہ کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ چنانچہ حضرت الامیر مولانا محمد عبداللہ صاحب کی امارت اور حضرت علامہ کی نظامت و قیادت میں جماعت نے جس برق رفتاری کے ساتھ ترقی کی،

انھوں نے جس طرح لوگوں کو خواب غفلت سے جگایا اور لوگوں نے جس طرح ان کا ساتھ دیا وہ قابل قدر کارنامہ ہے

علامہ صاحب سے متعلق بعض غلط فہمیاں

علامہ صاحب سے تعلقات سے پہلے ان کے بعض حاسد مولویوں سے سنا کرتے تھے کہ علامہ صاحب کی طبیعت میں تکبر پایا جاتا ہے۔ اور وہ کسی کے احترام کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے۔ لیکن ان سے دو سال کی رفاقت سے معلوم ہوا کہ لوگوں نے جس چیز کا نام تکبر اور عدم احترام رکھا ہوا ہے وہ دراصل حد درجہ کی حق گوئی اور بے باکی ہے وہ جب بھی کسی میں کوئی نقص یا خامی پاتے تو اس کا برملا اظہار کر دیتے۔ اس کے برعکس حاسد مولوی کسی کے منہ پر حق بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ بلکہ بطور غیبت لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کرتے ہیں۔

علامہ صاحب اور اعتماد

علامہ صاحب کو اپنی خداداد صلاحیتوں پر بے پناہ اعتماد تھا۔ اور وہ اپنے دوست و احباب پر بھی بے حد اعتماد کرتے تھے۔ ترجمان الحدیث کی طباعت وغیرہ کے سلسلے میں مجھے جتنی رقم کی ضرورت ہوتی وہ دے دیتے چار یا پانچ ماہ کے بعد رجسٹر چیک کروانے کے لیے جاتا تو دیکھنے سے انکار کر دیتے۔ جب میں سعودی عرب آنے کے لیے پابہ رکاب تھا تو میں نے رجسٹر دیکھنے کے لیے اصرار کیا اور ساتھ ہی مزاحًا کہا کہ اس میں میں نے گڑبڑ کی ہے۔ آپ ضرور دیکھ لیں اس پر فرمانے لگے۔ اچھا، اگر آپ نے گڑبڑ کی ہے۔ تو قیامت کے روز حساب ہوگا۔

علامہ صاحب اور محنت

علامہ صاحب بے حد محنتی اور ان تھک انسان تھے۔ "من طلب العلی سھر اللیالی" کے تحت ان کی اکثر راتیں جلسوں اور کتابیں لکھنے پڑھنے میں بسر ہوتیں تین چار گھنٹے سو لیتے تھے۔ ایک مرتبہ مسلسل جلسوں کی وجہ سے تھکاوٹ محسوس کرنے لگے میں نے عرض کیا کہ آپ آرام بھی کیا کریں۔ کہنے لگے کہ آرام قبر میں جا کر ہی کریں گے اور کئی بار فرماتے کہ اتنا کام کرنا چاہیے کہ مخالفت کا نام مٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

آہ! میرا قائد...

جناب محمد یونس چوہدری

یہ ۶۸-۱۹۶۷ء کی بات ہے صدر ایوب خاں کے اقتدار کا آخری دور ہے انہی ایام میں جمعیت اہل حدیث کے قافلۂ حریت فکر کے علمبرداروں میں ایک نوجوان کی آمد ہوتی ہے یہ نوجوان جو مدینہ یونیورسٹی سے تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر ہی نہیں آیا بلکہ تقریباً بانوے ممالک کے طلباء میں اول آیا، ذہانت و فطانت کی بلندیوں کو چھونے والا یہ نوجوان تھوڑے ہی عرصہ میں ملک کا نامور خطیب ہی نہیں بلکہ شہسوار خطابت کہلانے لگا اس سے میری شناسائی کا آغاز پاکستان آمد پر تقریباً ایک دو ماہ بعد ہوا اور پھر یہ شناسائی بڑھتے بڑھتے اس طرح بڑھی کہ حوادث زمانہ اور گردش لیل و نہار بھی ہماری راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے یہ پیار و محبت کا دور اس طرح ختم ہوا کہ بقول فیض ؎

وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کر

آج اس مردِ جری کو جو خطابت کا بادشاہ جو نوجوانوں کے مستقبل کی امیدیں جو سفید ریش بزرگوں کی آہ سحر گاہی کا ثمرہ تھا جو بہنوں کی دعاؤں کا نتیجہ تھا اور اہل حدیث افراد کے لیے چراغِ سحر گاہی تھا۔ جو بڑوں اور چھوٹوں سے اس خندہ پیشانی سے ملتا کہ گویا ملنے والوں کا اس سے بہت گہرا تعلق ہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو جب ملتِ اسلامیہ قرارداد پاکستان کی یاد میں خوشی و مسرت سے شاداں تھی اور جس جگہ قرارداد پاکستان منظور ہوئی تھی اس سے چند گز کے فاصلے پر سیرت النبی ﷺ کے جلسے سے میرا قائد اپنے رفقاء کے ساتھ خطاب کر رہا تھا کہ یک لخت ایک زبردست دھماکہ ہوا جس سے چہار سو ایک کہرام بپا ہو گیا۔ دلدوز چیخوں، آہوں، سسکیوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ قیامتِ صغریٰ بپا تھی لوگ خون میں نہائے تڑپ رہے تھے۔ لوگ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ اس گلستان کو کس کی نظرِ بد کھا گئی۔ انسانوں کا ایک ہجوم تھا جو زخموں سے نڈھال اور بیہوشی کے عالم

میں مبتلا لوگوں کو اٹھا اٹھا کر ہسپتال پہنچا رہا تھا۔ ان میں نوجوانوں کی تنظیم "اہل حدیث یوتھ فورس" کا قائد محمد خاں نجیبؒ بھی تھا جس نے اپنی تقریر کو تھوڑی دیر پہلے اس شعر پر ختم کیا تھا کہ ؎

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رُخ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

دیگر شدید زخمیوں میں اہل حدیث یوتھ فورس کے موجودہ صدر رانا محمد شفیق پسروری، شیخ محمد نعیم بادشاہ، مفکرِ اسلام مولانا عبدالخالق قدوسیؒ خطیبِ ملت کے دستِ راست مولانا حبیب الرحمٰن یزدانیؒ اور خود خطیبِ ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر تھے اور بقول منظور احمد منظور ؎

حشر سے کچھ کم نہ تھی گزری جو اے ربِ جلیل
تیرے انسانوں کے ہاتھوں تیرے انسانوں کیساتھ

اور ہاں تذکرہ ہو رہا تھا شہدائے اہل حدیث کے سرخیل علامہ احسان الٰہی ظہیر کا کہ جس کی آمد نے جمعیت اہل حدیث کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے اس نے جمعیت کے تن مردہ میں جان ڈالنے کا عزم کر رکھا تھا۔ یہ کائنات میں رب کی توحید کا علم بلند کرنے لوگوں کو کتاب وسنت کی دعوت دینے اور جمعیت اہل حدیث کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کا متمنی تھا اس نے گردش لیل ونہار کی پرواہ کئے بغیر اپنے مشن کو اس طرح جاری کیا کہ بقول شاعر ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
ہمسفر ملتے رہے اور کارواں بنتا گیا

ایسے ہی بلند پایہ اور قول کے پکے انسانوں کے متعلق ترجمانِ فطرت" بوڈن" یوں رقمطراز ہے کہ۔

"اگر وقتاً فوقتاً اعلیٰ درجہ کے لوگ بطور اسوۂ حسنہ نوع انسانی میں پیدا نہ ہوتے رہے تو لوگ اندھیرے میں بھٹکتے پھریں۔"

میرا "شہید قائد" جو انسانیت کو حق کی راہ پر چلانے کا درس دینے کے لیے آیا تھا اس نے شب وروز اس طرح گزارے کہ اپنوں اور مخالفوں کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر دنیا کے کونے کونے میں آوازۂ حق بلند کرنے کا عزم کیا ہوا تھا اور بقول شاعر ؎

ہوتا ہے کوہ ودشت میں پیدا کبھی کبھی
وہ مرد جس کا فقر خذف کو کرے نگیں

شہید قائدؒ فن خطابت کا ہی بادشاہ نہیں تھا بلکہ قلم و قرطاس کا بھی دھنی تھا۔ قلیل ہی عرصہ میں میدانِ تحریر میں قدم رکھا اور ایسی بیسیوں نادر کتب لکھ دیں کہ جس سے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہوگیا اور ان کی مدلل تحریروں کا آج تک کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی تحریر و تقریر کے ساتھ ساتھ جو چیز آپ کو شدت سے محسوس ہوتی تھی وہ جمعیت اہل حدیث کی تنظیم نو تھی۔ بالآخر برادرانِ یوسف کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر جس جمعیت کو سید داؤد غزنویؒ نے اپنی قیادت اور جناب مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ نے اپنی فہم و فراست سے نوازا تھا اس کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کے لیے ۱۹۸۱ء، ۸۲ء میں اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر جمعیت کی تنظیم نو کا فیصلہ کیا یہ فیصلہ ایسا تھا کہ جس کو مسلک اہل حدیث کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کی طرف سے زبردست پذیرائی حاصل ہوئی اور جمعیت کا قافلہ خطیبِ ملت اور ان کے رفقاء کی قیادت میں دوبارہ رواں دواں ہوگیا جمعیت کی تنظیم نو کے چند ہی سالوں میں جس بات کو شہید قائدؒ نے زبردست محسوس کیا وہ نوجوانوں کی بکھری ہوئی افرادی قوت تھی ان میں سے چند ایسے نوجوان بھی تھے جو مختلف الخیال تنظیموں میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کر رہے تھے چنانچہ اس کمی کو شہید قائد نے اہل حدیث یوتھ فورس کے قیام کی شکل میں پورا کیا جو تھوڑے ہی عرصہ میں ملک کے اطراف و اکناف میں منظم ہو کر ملک کے اہل حدیث نوجوانوں کی نمائندہ تنظیم بن گئی میرے شہید قائدؒ کی محنتِ شاقہ نے چند ہی سالوں میں جمعیت اہل حدیث کو ملک کی صفِ اوّل کی دینی و سیاسی جماعتوں میں اس طرح کھڑا کیا کہ بقول جگر مراد آبادی ؎

فرض کیا ان کا ہے یہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

شہید قائدؒ میدان خطابت اور قلم و قرطاس کا ہی شہسوار نہیں تھا بلکہ میدانِ سیاست کا بھی بے تاج بادشاہ تھا جس نے وقت کے ہر ظالم و آمر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور اسے للکارا اس کی پالیسیوں پر ناقدانہ تبصرے کئے اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مقدمہ قتل کے علاوہ دیگر لاتعداد مقدمات بھی قائم ہوئے مگر ان چیرہ دستیوں سے گھبرانے کی بجائے بقول آغا شورش کاشمیری وقت کے آمروں کو ان الفاظ سے للکارا کہ ؎

ہم نے اس وقت سیاست میں قدم رکھا تھا
جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں

راہنماؤں کے لیے دار ورسن قائم تھے
خانزادوں کیلئے مفت کی جاگیریں تھیں

شہیدِ قائد نے جہاں ملکی سیاست میں اہم کردار ادا کیا وہاں جماعتی تنظیم کو بھی نظرانداز نہ کیا بلکہ اس کی طرف پہلے سے زیادہ متوجہ ہوئے۔ جماعت کے مرکزی دفاتر مسجد اور مدرسہ کیلئے لاہور میں لارنس روڈ پر ایک قطعہ اراضی موجودہ مرکز اہل حدیث کو ستر لاکھ روپے کی گراں قدر رقم کے عوض حاصل کیا جہاں جماعت کے منصوبہ جات کی تکمیل کے لیے متعدد پروگرام زیر غور تھے اور ساتھ ہی ساتھ جنوری ۱۹۸۶ میں جب ملک سے مارشل لاء کا دور ختم ہوا شہری آزادیاں بحال ہوئیں سیاسی جماعتوں کو اپنی سرگرمیاں جاری کرنے کی اجازت ملی تو شہید قائدؒ کی چشم بصیرت نے بھی اپنا فرض ادا کرنے کا عزم کیا۔ لہٰذا جمعیت اہل حدیث نے ۱۸ اپریل ۱۹۸۶ سے اپنے سیاسی جلسوں کا آغاز لاہور سے کیا یہ دن لاہور کی تاریخ کا بالعموم اور اہل حدیث حضرات کی تاریخ کا بالخصوص بہت اہم دن تھا جس دن موچی دروازہ کا وسیع وعریض میدان ہی نہیں بلکہ ارد گرد کی سڑکیں بھی اہل توحید کی پرعزم افرادی قوت کے آگے اپنی وسعت کے باوجود تنگیٔ داماں کی شکایت کر رہی تھیں یہ جلسہ لاہور کی تاریخ کا بلامبالغہ سب سے بڑا سیاسی جلسہ تھا جس میں شہید قائدؒ اور آپکے رفقاء نے قوم کو ایک ولولۂ تازہ دیا اور حکمرانوں سے کتاب وسنت کے عملاً نفاذ کا مطالبہ کیا اور پھر یہ سلسلہ گوجرانوالہ، سیالکوٹ، شیخوپورہ، راولپنڈی، فیصل آباد، ساہیوال اور قصور تک محیط ہوا اس کے علاوہ صوبہ سرحد میں پشاور اور صوبہ سندھ میں کراچی میں بہت بڑے جلسہ ہائے عام سے خطاب کرتے ہوئے میرے شہید قائد نے قوم کو جو پیغام دیا وہ آغا شورش کاشمیری کے الفاظ میں کچھ اس طرح تھا کہ

ناقدو! وقت کی رفتار بدلنے کے لیے
میں نے مجبور نواؤں کو نوا بخشی ہے
کجکلاہوں کی رعونت کا اڑایا ہے مذاق
میں نے بے نور فضاؤں کو ضیا بخشی ہے

اس کے علاوہ شہید قائدؒ نے کم وبیش ہزاروں تبلیغی جلسوں سے بھی خطاب کیا اور کوئی موقع ایسا ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ جس میں حکمرانوں سے اسلام کے عملاً نفاذ کا مطالبہ نہیں ہوتا تھا اور ان کے قول وفعل پہ ناقدانہ تبصرے نہیں ہوتے تھے یہی بات حکمرانوں کو ناگوار گزرتی تھی اور شہید قائدؒ

باقی ص ۲۱۴ پر

شہید اسلام حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ گزشتہ عید الاضحیٰ کے دوسرے دن یعنی ۱۷ اگست ۱۹۸۶ء کو راقم الحروف کے غریب خانہ ''اعوان منزل محلہ دھارووال سیالکوٹ تشریف لائے جناب پروفیسر حافظ ساجد میر، مولانا عطاء الرحمٰن اشرف اور اہلحدیث یوتھ فورس سیالکوٹ شہر کے چند نوجوان آپ کے ہمراہ تھے نصف گھنٹہ کی اس مختصر نشست میں برادر مکرم پروفیسر حافظ مشتاق احمد صاحب (جو حضرت علامہ مرحوم کے پرانے اور قریبی دوستوں میں سے ہیں اور حضرت حکیم محمد صادق سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا سے رحلت کے بعد ان کی مرکزی مسجد جامع اہلحدیث باغ ڈیٹی میں خطیب اور ان کے جانشین ہیں) سے دوستانہ ذاتی اور نجی قسم کی گفتگو کے بعد علامہ ظہیرؒ کی ساری زندگی کا مرکز و محور صرف اور صرف مسلک اہلحدیث اور جمعیت اہلحدیث کی ترقی و غلبہ کی تمنا و خواہش و اس کے لئے کی جانے والی کوششوں کا جائزہ اور تحریکی فکر و سوچ تھی۔

جمعیت اہلحدیث پاکستان کے پہلے عظیم الشان جلسۂ عام موچی دروازہ لاہور میں بڑے پرجوش انداز میں حضرت علامہ نے فرمایا تھا۔

''اہلحدیث وہ ہے جو ہر ظالم کے سامنے سینہ سپر رہے۔ ظالم کی چوکھٹ پہ جھکنے والا اہلحدیث نہیں ہو سکتا''

اپنے جوانوں میں جرأت و بے باکی پیدا کرنے کے لئے جناح ہال لاہور میں عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

''میری ایک ہی خواہش ہے میری ایک ہی آرزو ہے میری تگ و دو کا ایک ہی مقصد میری جدوجہد کا ایک ہی مطلوب ہے اور وہ یہ کہ اہلحدیث کے جوان اپنے آقا کی شجاعت کو اپنے سینے میں بھر لیں خدا کی قسم اگر یہ آقا کی شجاعت کے وارث بن جائیں تو پورے پاکستان کی کوئی قوت ان کے مقابل کھڑا ہونے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

سیالکوٹ کی جمعیت کو مزید منظم کرنے اور فعال بنانے کی طرف توجہ دلائی اور لوگوں میں جماعتی و تحریکی سپرٹ پیدا کرنے کی تلقین کی۔

علامہ مرحوم نے مسلک حق کتاب و سنت کی پرچار کے لئے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور ہزاروں میل سفر کیا۔ صعوبتیں برداشت کیں۔ راتوں کی نیندیں حرام کیں اپنے خون پسینے کی کمائی کو فروغ مسلک کے لئے صرف کیا یہاں تک کہ اپنے جسم کے قیمتی خون کا نذرانہ بھی پیش کر دیا۔ خود بھی علامہ مرحوم یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

الغرض علامہ مرحوم کوئی معمولی ہستی نہ تھے علم و ادب کا خزینہ فکر و نظر کا گنجینہ اور حکمت و رموز کا آئینہ تھے۔ ہمہ صفات سے متصف، تقریر بھی تھی تحریر بھی۔ علم بھی تھا عمل بھی شخصیت بھی تھی۔ رعب و جلال بھی۔ دلوں میں گھر کرنے والی نابغہ روزگار شخصیت۔ جس کی جدائی کا صدمہ ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ ظالموں نے ایسا ظلم کیا کہ ہماری کمر توڑ کے رکھ دی۔ ایسا نقصان کیا جو ناقابل تلافی ہے اب ہم ان سے نہ مل سکیں گے۔ لیکن ان کا نام زندہ ہے مشن زندہ ہے اور انشاء اللہ تا ابد زندہ رہے گا ان کے آواز کی گھن گرج آج بھی گھر گھر ویڈیو کیسٹوں اور ٹیپ ریکارڈوں کی صورت میں سنائی دیتی ہے اور ان کی شاہکار و لاجواب کتابیں ان کی علمیت کا منہ بولتا ثبوت اور فرق باطلہ کا اصلی روپ دکھاتی ہیں اب ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے پیغامات و افکار سے اپنے آپ کو مزین کریں۔ علامہ کی شخصیت ایسی تھی جس پر عالم اسلام ناز کرتا تھا۔ وہ مرد مومن تھا۔ مرد آہن تھا۔ بے باک نڈر مذہبی و سیاسی لیڈر تھا۔ باطل کو پاش پاش کرنے والا۔ جری بہادر اس قدر کہ ہر جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے کبھی نہ ڈرا۔ باطل کے ایوانوں کو لرزا دینے والا۔ شعلہ نوا۔ بے بدل خطیب جس کی آواز سنتے ہی سناٹا چھا جاتا تھا سب خاموش ہو جاتے تھے۔ اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ ع خاموش ہو گیا اک چمن بولتا ہوا

آتی رہیں گی یاد ہمیشہ یہ صحبتیں
ڈھونڈا کریں گے ہم تمہیں فصل بہار میں

اللہ غریق رحمت کرے۔ علامہ شہید کی اس وقت بڑی ضرورت تھی لیکن مالک الملک بہتر

جانتا ہے۔ سارا نظام کائنات اس کے حکم کا پابند ہے موت کا وقت اس کی طرف سے متعین ہے
علامہ مرحوم تحریکی ذہن کے قائد اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے آپ کی گفتگو سے معلوم ہوتا
تھا کہ وہ اٹھتا حضرت علامہ کو جماعت اور مسلک کا بڑا درد تھا اور خاص عشق۔ مسلک کے غلبہ
اور فروغ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار رہتے تھے۔ فکر تھی تو صرف اس کی کہ جمعیت اہلحدیث کو
کیسے ترقی وعروج حاصل ہو۔ آپ کی شخصیت باکمال، آپ کی شہرت و ناموری، آپ کی تقاریر و
تصانیف مسلک اہلحدیث کو ہی چار چاند لگا رہی تھیں۔ برا ہو ان ظالموں کا جنہوں نے بم کا
دھماکہ کر کے گوہر نایاب خطابت وجرأت کی دنیا کا بادشاہ ہم سے چھین لیا۔

جماعت اور مسلک کی ترقی کی خبریں سن سن کر فرماتے۔ الحمد للہ، ماشاء اللہ فرمانے لگے
حافظ صاحب! میں ملک کا کونہ کونہ پھرا ہوں۔ جہاں جہاں گیا ہوں مجھے یہی بتایا گیا کہ جماعت
اہلحدیث ماشاء اللہ بہت ترقی کر رہی ہے لوگ دھڑا دھڑا مسلک اہلحدیث کو قبول کر رہے ہیں۔
اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا مسلک اب چھا رہا ہے۔ حق کا بول بالا ہو رہا ہے اب ہمیں مزید محنت کرنی
چاہیئے۔ تبلیغ اور نشر و اشاعت کے مؤثر ترین انداز اپنا کر پیغام حق قریہ قریہ، بستی بستی نگر نگر پھیلانا
چاہیئے تاکہ مخالفین کے پیدا کردہ تعصب کی بناء پر جو لوگ ہم سے دور اور متنفر ہیں وہ بھی ہماری
دعوت حق سن کر قریب ہوں۔ ہمارے ساتھ آ ملیں اور دنیا و آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں
سے سرفراز ہوں۔ فرمانے لگے۔ جمعیت اہلحدیث پاکستان نے چند مہینے کی تگ و دو سے مسلک
اہلحدیث کو ملک کے چپے چپے میں متعارف کروا دیا ہے۔ میں نے بہت سفر کئے ہیں بڑی محنت کرنا
پڑ رہی ہے تھک کر چور ہو گیا ہوں لیکن خوشی ہے اس بات کی کہ اللہ نے ہماری محنت کو شرف
قبولیت سے نوازا ہے دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے دنیا کی کوئی طاقت اب ہمارا سامنا
نہیں کر سکے گی۔ علامہ مرحوم اپنی تقریروں میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں ؎
یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

شہر سیالکوٹ کی قدیمی مسجد، مسجد اوّل جامع اہلحدیث میں تشریف لائے تو مسجد کا نیا
نقشہ اور تعمیر جدید دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے اس لئے کہ آپ اس کی پہلی حالت کو بھی بخوبی
جانتے تھے کہ طالب علمی کے دور میں استاذی حضرت مولانا عبد الواحد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس

کئی بار تشریف لا چکے تھے. فرمانے لگے حافظ صاحب! آپ نے مسجد کا نقشہ بدل کے رکھ دیا ہے ماشاء اللہ. بڑی عمدہ مسجد تیار ہو گئی ہے سیالکوٹ کے جماعتی حالات کا تذکرہ ہوا تو آپ نے کہا کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ کسی کو اس سے نہ انکار کی مجال ہے نہ فرار کی. اس کے سامنے شرف و اہمیت کوئی معنی رکھتی ہے نہ حالات و واقعات اس کے سامنے نہ معصوم یتیموں کا مستقبل حائل ہوتا ہے نہ سوگواروں کی آہ و پکار۔

علمبرداران حق کی تاریخ اس بات پہ شاہد ہے کہ جس نے بھی کتاب و سنت کے علم کو اٹھایا اور حق گوئی و بے باکی کا مظاہرہ کیا اس کو ایسی اذیت ناک تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

شہید اسلام کا پیغام اہلحدیثوں کے نام

"جب کبھی تمہارے دلوں میں کمزوری کا خیال آجائے تو احمد بن حنبلؒ کو یاد کر لیا کرو جب کبھی تمہارے پاؤں میں لڑکھڑاہٹ آجائے تو ابن تیمیہؒ اور امام مالکؒ کو یاد کر لیا کرو. تم کائنات کے پیچھے چلنے والے نہیں بلکہ پیچھے چلانے والے ہو. ہمارے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام کائنات کے دین کی پاسبانی کرتے ہوئے ہماری جان چلی جائے۔"

بقیہ : باپ سے زیادہ مشفق

طور پہ پہچانے جاتے تھے جو تو اے علامہ ایک باپ سے بھی زیادہ مشفق نظر آرہا تھا زمین والے کیا آسمان والے بھی تیری اور تیری تدفین پہ رشک کر رہے تھے زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے کیا خوبیاں تھیں مرنے والے میں علامے دنیا میں بہت آئے لیکن تیرے جیسا علامہ کسی ماں نے نہیں جنا تھا جو جب تک زندہ رہا سر بلند رکھ کر غازی بن کر اور جب مرا تو میدان جہاد میں کلمہ حق کہتے ہوئے اور باطل قوتوں کو للکارتے ہوئے جسم کے ٹکڑے کرا کر شہید بن کر مرا اور تدفین ہوئی تو محمد عربی کے جان نثاروں کے ساتھ جنت البقیع میں حضرت کے خادموں صحابہ و اماموں کے پہلو بہ پہلو خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را۔

باپ سے زیادہ مشفق!

تحریر
جناب مولانا محمد ادریس صاحب عتیق

سیالکوٹ میں امام العصر حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہٗ کی جامع مسجد میں شوریٰ کا اجلاس ہونا قرار پایا راقم الحروف بھی شوریٰ کا رکن ہے چنانچہ بندہ کو بھی چٹھی ملی کہ فلاں تاریخ کو سیالکوٹ میں شوریٰ کا اجلاس ہو رہا ہے آپ ضرور تشریف لائیں کی گئی تھی ملتان سے اجلاس میں شمولیت کی غرض سے بندہ نے تیاری شروع کی کیونکہ متوسط قسم کے آدمی کو اتنے لمبے سفر کے لئے خرچہ کا ایک مسئلہ بن جاتا ہے خیر تیاری کر کے سیالکوٹ اجلاس میں شریک ہوا اجلاس بھرپور قسم کا تھا دور دراز علاقوں کے ارکان شوریٰ تشریف لائے ہوئے تھے ہجوم دیدنی تھا قابل رشک بھیڑ تھی جیسے سیالکوٹ میں راہیوں کا سیلاب امڈ آیا ہو یہ سب محنت و کاوش علامہ شہید رحمہ اللہ کی تھی۔ لوگوں میں علامہ صاحب کے خطابات سننے کا اتنا جذبہ پتہ نہیں کہاں سے آگیا تھا یہ علامہ صاحب کے خلوص اور رضائے الٰہی کے لئے کام کرنے کا نتیجہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو وافر حصہ عطا کیا تھا تو اجلاس میں پروگرام کے مطابق فیصلے جب کئے گئے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کیا گیا اجلاس کی کاروائی کچھ لمبی ہو جانے کے باعث نماز ظہر میں کچھ تاخیر کر کے نماز عصر کو تقدیم کر کے دونوں نمازیں جمع کی گئیں اجلاس سے فراغت کے بعد لوگ اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے بندہ بھی ان میں پیدل لبوں کے اڈے کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک علامہ صاحب مرحوم کی کار میرے بالکل قریب آکر رک گئی کار سے علامہ صاحب بنفس نفیس نیچے اترے اور بندہ غریب کو سلام کہہ کر ہاتھ ملایا تو میرے ہاتھ میں ایک سو روپے کا نوٹ دے کر فرمانے لگے کہ کرایہ ہے میں نے بہت کہا کہ جناب میرے پاس کرایہ ہے بار بار میرے کرایہ نہ لینے کے اصرار پر یہی فرماتے رہے کہ آپ دور سے آئے ہیں میں اتنا خوش تھا کہ مارے خوشی کے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور ہاتھ سے سلام کا اشارہ کرتے ہوئے کار میں بیٹھ گئے اور چلے گئے کیا بات تھی تیری اے علامہ تیری نظر میں جماعت کے ایک ایک فرد کی حالت غریب اور امیر کی حالت بڑے اور چھوٹے کی کیفیت قریب اور بعید اقارب و احباب سب یکساں

باقی ص ۲۱۲ پر

(جناب : قاضی کاشف نیاز — انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور)

روح حد درجہ مضطرب تھی۔ جی چاہتا تھا کسی چمن توحید و ریاضِ رسولؐ کی سیر کو اگر جائے کیا وجہ تھی کہ روح کے قدم بوجھل ہو رہے تھے۔ وہ بلندیٔ پرواز ہی نہ تھی، وہ اوجِ کمال اور وہ رفعتِ خیال، سب جذبے ہی مفقود تھے۔ روح زبانِ حال سے چیخ رہی تھی ؎

مجھ کو باغ میں نہ لے جا ورنہ میرے حال پر
ہر گلِ تر اک چشم خوں فشاں ہو جائے گا

یوں لگتا ہے کوئی آتشکدہ تھا جو سرد ہو گیا۔ بلکہ وہ ایندھن ہی نکال لیا گیا جس سے کوئی امکانِ حدت ہی باقی رہتا۔

اچانک یوں لگا جیسے بادل ٹکرا گئے ہوں۔ فضا شعلوں اور چنگاریوں کی انسانی جسم کے ٹکڑوں سے ٹکرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ورثاء و جانشین منصب ختم الرسلؐ کے خون میں رنگین بدن قلعہ لچھمن سنگھ کی مقتل گاہ میں پڑے چمنِ توحید رسالت کو اپنے خون سے لالہ زار کر رہے تھے۔ لاہور کی فضا نالۂ شیون سے معمور ہو گئی۔ چرخ سیاہ فام اپنی گردش بھول کر ساکت ہو گیا۔

مینارِ پاکستان یوں اٹھ کر جھانکا جیسے اس کے پاسباں آئے ہوں اور پھر لٹنے کٹنے اور مرنے کا سفر شروع ہو گیا ہو۔ قلعہ لچھمن سنگھ چوک سے بہتا ہوا یہ خون مینارِ پاکستان کی بنیادوں میں جذب ہو رہا تھا اور مینارِ پاکستان پہلے سے زیادہ اونچا، مضبوط اور توانا نظر آنے لگا۔

مینارِ پاکستان یہ داستانِ پرفگار زبانِ حال سے کہہ رہا تھا۔ یہ داستاں کوئی نئی داستاں نہیں ہے۔ وہ پہاڑیاں مجھے صاف نظر آ رہی ہیں جہاں سینکڑوں لوگ ایک شخص پر خشت باری کر رہے ہیں"، "در در سے ستایا اور ٹھکرایا ہوا یہ ایک یتیم انسان" ہے مسلسل خشت

یاری سے جسم اقدسؐ سے خون بہا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ جوتیاں خون سے بھر گئی ہیں طائف کے یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہلنے اور ظالموں کو ہلاک کرنے پر آمادہ ہیں ۔ مگر صبر و استقامت کا یہ پہاڑ نہ ہلا۔ فقط ان کیلئے ہدایت کی دعا ہی فرمائی ۔ بلال حبشیؓ کو صحرا کی تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا گلے میں رسیاں اور اوپر چکی کے پاٹ ہیں ۔ مگر زبانِ مبارکؓ پر ایک ہی ترانہ جاری ہے ۔ اللہ احد۔ اللہ احد۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔۔۔۔۔۔۔

ہاں آج کچھ ایسی ہی آوازیں میرے پہلو سے بھی اٹھ رہی تھیں۔ اسلام کا پیغام ابدی فدائیانِ رسولِ اُمیؐ اور عاشقانِ پاک طینت کے لحنِ داؤدی سے زمزمہ پیرا تھا۔ شیر ربانی مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی کی پر اثر اور پارعب آواز سے جنگل کے درندے سہمے ہوئے تھے، مگر یہ سہمے ہوئے درندے، جنگلوں سے بھاگے ہوئے، شہروں میں چھپے یہ شامت زدہ گیدڑ، عقب سے نقب لگائے اور گھات لگائے ہوئے تھے۔ آ کاش بیل کی طرح چمنِ رسالتؐ کے ایک ایک گل لالہ سے خراجِ خون لینے پہ آمادہ تھے

مگر یہ خون اس پژمردہ قوم رسول ہاشمیؐ کے لیے مژدۂ حیات اور دشمنانِ ختم المرسلینؐ و اعداءِ اصحابِ رضہ شفیع المذنبینؐ کی رگوں میں زہر بن کر نویدِ موت لا رہا تھا۔

اور یہ نویدِ حیات افزا، یہ پیغام جاں فزا، خطیبِ شعلہ نوا، فرزندِ ابن تیمیہؒ، فدائے ناموسِ صحابہؓ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی زبانِ دلنواز سے فرزندانِ توحید سن رہے تھے۔

" اگر دس کروڑ مسلمان مرنے کا عزم کرلیں تو مشرق و مغرب بلکہ روس اور امریکہ مل کر بھی کوئی طاقت انہیں نہیں دبا سکتی "

یہ کون جانتا تھا، بارش کا پہلا قطرہ بن کر برسنے والا وہ خود تھا۔ مرکر اور کبھی نہ مٹنے کا معاملہ وہ پہلے ہی طے کئے بیٹھا تھا۔ اور اس پُر خار سفر میں اس کے ہم قدم بھی پرعزم تھے۔

یہ جاں کیا ہے، جہاں کیا ہے، دل میں اگر رضائے خدا اور سودائے عشقِ مصطفےٰؐ ہے تو متاعِ دنیا کیا ہے؟ گل متاع الدنیا قلیل "

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں۔
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

لمحے گزر رہے تھے، ہر ساعت شبِ سیاہ کی زلفِ پریشاں پر لپٹی ماتم کناں تھی۔ اس تیرگیٔ شب

میں بیٹھے یہ چند سو شب بیدار منتظر سماعت قرار ہیں۔ اور وہ صاحب دیدۂ بیدار و شب بیداروں اور بے خبری کی سرگشتۂ خواب روحوں سے ہم کلام ہے۔

" یہ وقت اور موقع جو میسر آیا ہے اس کا کوئی لمحہ بھی ایسی
بات میں صرف نہ کریں جو میرے لیے، آپ کے لیے، قوم کے
لیے اور آخرت کے لیے مفید نہ ہو"

ہاں اس کی زلیست اُس کے لیے ایک امانت ہی رہی، وہ سیاست، خطابت قیادت، عبادت اور امانت ہر منصب پر فائز و فائق رہے۔ لوگ ہر میدان میں ہر وقت اندرون و بیرونِ ملک ہر جگہ اس یک جان انسان سے حیران ہو کر پوچھتے ہیں اور وہ جواب دیتا ہے۔

" میں وقت کے ہر لمحے سے کچھ نہ کچھ چھین لینے کی فکر میں رہتا ہوں"

مصروفیات کے اس تانے بانے میں مستقل الجھا ہوا، آج تھکا ہوا بیٹھا ہے یہ تھکاوٹ نئی نہیں ہے اور اس نے پچھلے سال بھی بڑے درد بھرے انداز میں کہا تھا۔

"میری یہ تھکاوٹ تو قبر ہی میں اتر سکتی ہے ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

لیکن عالم حزن و ملال میں اس کا طائر خیال عہد تابعین صالحین میں پناہ ڈھونڈتا یہی اس کا زریں قول تھا کہ "جب تم کمزوری محسوس کرو تو امام مالکؒ، امام حنبلؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو یاد کر لیا کرو۔

وہ تھکن اور تفکر میں لیٹا کرسی پر بیٹھا مخاطب تھا اور اس کے پردۂ دماغ پر ایک تصویر ابھر رہی تھی۔ شائد امام مالکؒ کہتے ہوں! اے حافظِ کلامِ نورِ مبین، اے ہمارے سلسلۂ حفاظتِ حدیث کے امین، اے احسان، بہت تھک گئے ہو گے، تم ہمیں یاد رکھتے ہو مگر کب تک، ہمارے واقعاتِ جانگسل سے ولولۂ تازہ کی شمع کب تک فروزاں رکھو گے، دولت و اقتدار اور کفر و ظلم کے ایوانوں سے اٹھنے والی آندھیاں بہت تیز ہیں۔ آؤ ہمارے سلسلۂ حفاظتِ حدیثِ رسولؐ کے امین ہمارے ہی پہلو میں

آجاؤ۔

ابھی اس تصویر کے نقوش دھندلے ہوئے ہی تھے کہ پردۂ سماعت تازیانوں کی آواز سے تھرتھرانے لگا، استاذ المحدثین امام احمد بن حنبلؒ کی پشتِ مبارک تختۂ مشقِ ظلم وستم بنی ہوئی ہے، ہر دو کوڑوں کے بعد تازہ دم جلاد آرہے ہیں، قطائیت اور آمریت کے گماشتوں نے ۸۰ کوڑے برسائے مگر لبِ مبارک پر ایک ہی جنبش (ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو) .... ہے۔

شُرکاءِ جلسہ محو ہیں! اور امام حنبلؒ، امام ابن تیمیہؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے خون صد رنگ میں ڈھلی ہوئی اس رجلِ عظیم کی بارعب اور پُرگداز آواز فضائے لبسیط میں پھیل رہی ہے

"تو فوجی انسان" کہ اپنے سینے پر تمغے سجائے ہوئے ایک ہندو عورت کے سامنے رکوع کر رہا ہے" اس سے بہتر تھا کہ تو مرجاتا اور مسلمانوں کا قائد نہ کہلواتا"

"آہ! لوگو! ایک بات سُن لو۔ جو اپنوں سے لڑا کرتے ہیں وہ بیگانوں سے لڑنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں رکھتے"۔ حضرت اقبال مسلمان کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن مگر یہ ہمارے لیے فولادی اور اندرا گاندھی کے بیٹے کے لیے موم ہے۔

لوگ کہتے ہیں یہ ڈپلومیسی ہے اسلام میں یہ ڈپلومیسی نہیں ہے"

"بزدلی سے اگر کوئی قوم بچا کرتی تو بہادروں پر کبھی موت نہ آتی"۔ احسان الٰہی ظہیرؒ کی زبان شعلہ بار تلوار بن کر برسنے لگی اور یہ اس وقت سے برس رہی تھی جب سے مسلم جرنیل کرسیاں فتح کرنے کے عوض تمغے سجانے لگے تھے اور زمینِ مملکت کی حفاظت گھاس دیکھ کر کر رہے تھے۔

۱۹۷۱ء میں جنرل نیازی کے بھارتی افواج کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان ہی آتش پرستوں کا ایک کمانڈر مانک شاہ

"آج مسلمانوں کی لاشوں پر قہقہے لگا رہا ہے۔ خدا کی قسم! ہم چاہتے تھے کہ آج ہم زندہ نہ ہوتے اور ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اے کاش ہم زندہ

نیازی کا ماتم کرنے کی بجائے شہید نیازی کا ماتم کر رہے ہوتے تو اس وقت ہماری روحیں اتنی گھلی نہ ہوتیں جتنی آج ہیں "

ادھر صدر جنرل یحییٰ خاں نے وہ بیان داغا جس پر پوری پاکستانی قوم کا سر ندامت سے جھک گیا۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو چینیانوالی کی تاریخی مسجد میں خطبۂ جمعہ دیتے ہوئے کہا۔

" تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم قوم کو بہکاتے ہو۔ پھر دھوکہ دیتے ہو کہ " ایک محاذ پر شکست ہوگئی تو کیا ہوا " ظالم! یہ ایک محاذ کی شکست نہیں ہے۔ تم نے اسلام کا جگر کاٹ کر ہندوؤں کے حوالے کر دیا ہے "

سقوط ڈھاکہ پر علامہ صاحب صدمے سے اتنے نڈھال ہوئے کہ پکار اٹھے۔

" میرا ایک بچہ ہے۔ اگر وہ مر جاتا، کٹ جاتا تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا۔ آج ہم کیوں زندہ ہیں کاش آج سے پہلے ہم مر گئے ہوتے چمنِ ابو قاسم کے اس گلِ سر سبد کے قلب پرسوز میں جانے کتنے دکھ، حسرتیں اور تمنائیں تھیں۔ اس نے اپنی ہر ایک توانائی کو کشید کیا وہ سکول و کالج کا طالب علم نہ تھا۔ اس نے مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر ایم اے کی چھ ڈگریاں حاصل کیں وہ کوئی اعلیٰ امیر گھرانے کا چشم و چراغ بھی نہ تھا۔ تاہم وہ لینے والا ہاتھ نہیں دینے والا ہاتھ رکھتا تھا۔ بے شمار لوگوں اور دینی اداروں کو اپنی خاص جیب سے تعاون کرتے اور پھر وہ اپنے عہد کا ایک بے مثل خطیب بھی تھا۔ وہ مولانا ابوالکلام آزادؒ، عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور شورش کاشمیری کے سلسلۂ خطابت کا صحیح امین بھی تھا ؎

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں "

اس کے سحر آفریں خطاب میں گھن گرج کے ساتھ ایک پرسوز و پرگداز دل کے دھڑکنے کی صدا بھی آتی تھی۔ لفظوں کا سیل رواں جڑے کان سے ہوتا ہوا سیدھا بحر دل میں جا گزیں ہوتا تھا۔ لوگ لفظوں کے موتی چنتے چنتے آنسوؤں کی لڑیاں بہا دیتے وہ ان معدودے چند خطیبوں میں سے تھے جو ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

کا مصداق تھے۔

یہ سب کچھ محض خداداد ذہانت کے ساتھ ساتھ " والیٔ دو جہاں ﷺ رسولِ پاک سے والہانہ محبت کا اعجاز اور مدینہ کی گلیوں اور ذرّے ذرّے سے عشق کا کرشمہ تھا۔ جناح ہال ۸۶ء

کی تقریریں سیرتِ پاکؐ بیان کرتے کرتے بے اختیار کہنے لگے۔

" کاش ہم وہ پتھر ہوتے جو نبیؐ کے قدموں کو چوما کرتے تھے۔ کاش ہم کپڑے کی وہ دھاگیاں ہوتے جو خدیجۃ الکبریٰؓ نبیؐ کے زخموں پر رکھا کرتی تھیں۔ کاش ہم بھی..... اس وقت ہوتے (بے اختیار رو پڑے) اور اپنے آقاؐ کے چہرے کو دیکھ کر اپنی آنکھوں پر جہنم حرام کر لیتے۔ کتنے خوش نصیب تھے وہ لوگ جن کو سرورِ گرامیؐ کے رُخِ زیباؐ کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔"

وہ ایک عدیم النظیر مصنف و محقق بھی تھا۔ عربی زبان میں پندرہ سے زائد کتب تصنیف کیں جن کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے کئی ممالک کی یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب ہیں۔ وہ اسلامی دنیا میں اسلامی نظریہ کی پہچان اور نشان بن گیا۔ اس کا قلم عموماً نصف شب بعد چلتا اور ظلمتِ شب کو چیرتا ہوا تلوار بن کر کوندتا رہا۔ شب آخراں گنت مصروفیات کے اژدھام میں بھی متواتر اس کا قلم چلتا رہا۔ اور اسلام کے مار آستین فرقے طشتِ از بام ہوتے رہے

اور ہاں یہی علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک صاحب بصیرت اور بالغ نظر سیاستدان بھی تھا۔ ایوب خاں سے لے کر بھٹو اور بھٹو سے ضیا تک ہر عہد میں اس نے پاکستان کے فرزندانِ توحید کی راہنمائی کی۔ مارشل لاؤں میں قوم کو حوصلہ دیئے رکھا۔

آپ نے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم عرب میں اسلامی تمدن کا شعور بیدار کیا انہیں اسلام کے نام پر پلنے والے آستین مار فرقوں کے عزائم سے آگاہ کیا۔ اس کے ارادے کس قدر طویل تھے؟ اس کا اندازہ جناح ہال ۸۶ء ۱۹ کی تقریر کے ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

" میں تمہیں ایک خوش خبری سناتا ہوں، یاد رکھنا۔ ہم زندہ رہے تو ہم سے پوچھنا، مر گئے تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دینا۔ یہ صدی اہل حدیث کی صدی ہے۔ اس لیے کہ لوگ ان گورکھ دھندوں سے تنگ آ چکے ہیں۔ نوجوانو! اگر تم اس بہادر نبیؐ کا اسوہ اپنا کر قرآن و سنت کا پرچم تھام لو۔ تو دس برس نہیں گزریں گے کہ پاکستان میں اگر پرچم لہرائے گا تو یہی لہرائے گا۔"

یہ الفاظ خصوصاً "ہم زندہ رہے تو ہم سے پوچھنا مر گئے تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دینا" گویا الہامی الفاظ تھے۔ جو نہ صرف اس دس سالہ جدوجہد کی اہمیت اور وسعت کا پتہ دے رہے ہیں بلکہ سخت اور پر آزمائش مشکلات کا آئینہ دار بھی ہیں۔

اس جدوجہد کا اندازہ اپنے آخری سال اور منصوبے کے ابتدائی سال ہی میں پے درپے ان عظیم الشان جلسوں سے ہوتا ہے۔ ۱۸۔اپریل ۱۹۸۶ کا جلسہ تو کسی بھی سیاسی اور مذہبی جماعت کے گزشتہ جلسوں سے بڑا ثابت ہوا۔ اس آئندہ دس سالہ جدوجہد کا اندازہ اہل حدیث کمپلیکس کے عظیم منصوبے سے بھی ہوتا ہے جس پر آٹھ کروڑ کی لاگت کا تخمینہ تھا۔

نمائندہ چٹان نے آپ سے پوچھا کہ آپ ملک میں کون سی فقہ " نافذ کرنے کے حق میں ہیں"۔

جواب ملا۔ "ہم کسی بھی فقہ کے نافذ کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ اس ملک میں صرف قرآن وسنت ہی نافذ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ لوگوں نے کسی بھی فقہ کے لیے نہیں بلکہ صرف قرآن وسنت کے لیے قربانیاں دی تھیں "

آپ نے شریعت بل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ

" اگر پہلوں کی بات کو حرفِ آخر سمجھ کر بعد میں آنے والوں کی سوچ پر پہرے بٹھا دیئے جائیں تو اسلام کی خود اپنی آفاقیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں قوموں کو تقلید کی بجائے خودکشی کر لینا زیادہ سودمند ہوتا ہے شریعت بل میں جیسا کہ میں نے کہا سارا زور اسی اجتہاد کے راستے کو روکنے کے لیے ہی صرف کیا گیا ہے "

بلکہ ظہیر روشن ضمیر نے اسلام نافذ کرنے کے سرکاری دعوؤں سے متعلق واشگاف لفظوں میں کہہ دیا۔

" یہ شریعت نافذ کر ہی نہیں سکتے۔ انہوں نے اپنے طویل نو سالہ دور اقتدار میں صرف ایک ہی بات ثابت کی ہے کہ وہ صرف اپنے اقتدار کو طول دینا اور اس کے لیے اسلام کے نعرے کو استعمال کرنا خوب جانتے ہیں۔"

علامہ ظہیر نہ صرف حکومت کا قبلہ درست کرتے رہے بلکہ ساتھ ساتھ عوام کو بھی درسِ خودداری و بیداری دینے کا فریضہ انجام دیتے رہتے۔

موچی دروازے میں ایم آر ڈی کے (۸۶ء) کے جلسہ میں پٹاخے چلنے سے گڑبڑ ہو گئی عوام جلسہ گاہ سے بھاگنے لگے اور قریب تھا کہ پنڈال خالی ہو جاتا، یہ رجلِ عظیم عوام سے مخاطب ہوا۔

"تم وہی قوم ہو جو بھارتی ٹینکوں کے سامنے لیٹ جایا کرتی تھی"

لاہوریو! سن لو۔ کل تاریخ میں لکھا جائے گا کہ لاہوری جلسہ گاہ میں پٹاخوں کی آوازیں سن کر بھاگ گئے تھے۔"

عوام کی غیرتِ مسلمانی جاگ پڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے پنڈال ایسا جما کہ پھر آخر وقت تک کوئی نہ اٹھا۔ علامہ ظہیر کی عوام میں گھر جانے کی یہ صلاحیت دیکھ کر حاسد سیاستدان جلنے لگے اور انہیں علامہ ظہیر کے ہوتے ہوئے کوئی پذیرائی حاصل نہ ہوتی۔ چنانچہ ایم آر ڈی میں ان کی باقاعدہ شمولیت نہ ہونے کا بہانہ بنا کر انہیں آئندہ جلسوں میں دعوت دینے سے روک دیا گیا۔

آمریت کی مخالفت اور حق گوئی کی پاداش میں ان پر کئی جعلی مقدمات قائم کئے گئے جائیداد کی قرقی کے احکامات جاری ہوئے بلکہ اس سے کافی پہلے ،، واد کی تحریکِ نظام مصطفےٰ میں قائدِ تحریک علامہ احسان الٰہی ظہیر کے خلاف وہ کون سا شہر تھا جہاں مقدمے درج نہ ہوئے۔ جہاں اس مردِ مجاہد نے جیلیں نہ بھگتیں۔ بلکہ گورنر پنجاب غلام مصطفےٰ کھر نے تو ایک دفعہ علامہ صاحب کے خلاف جعلی مقدمۂ قتل قائم کر دیا۔ مگر وہ مشکلات سے نہ گھبرائے بلکہ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے سرگرداں رہے ؎

ہم جو بڑھتے ہیں تو بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں
راستے گرد کی مانند اڑے جاتے ہیں۔

ایک خواب تھا جو شرمندۂ تعبیر ہوا چاہتا تھا۔ ایک سراب تھا جو حقیقت میں ڈھل رہا تھا۔ ایک خذف تھا جو گوہرِ شاہوار بن رہا تھا، ایک شبِ سیاہ تھی کہ جس سے سپیدۂ سحر طلوع ہوا چاہتا تھا۔ لوگ کہتے تھے ہمارے ساتھ ابھی زیادہ لوگ نہیں ہیں۔ ذرا آہستہ چلیں لبادۂ مصلحت میں لپٹ کے چلیں مگر وہ کیا جانتے یہ قدم کس طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس نے شہادت گہ الفت میں قدم رکھے ہوئے تھے۔ گویا اس نے اپنی کشتیاں جلا دی تھیں۔

سانحۂ فاجعہ سے ایک سال قبل ہی انہوں نے جناح ہال میں نوجوانوں کو جھنجھوڑ کر بتا دیا تھا۔

"ہمارا راستہ ابتلاؤں کا راستہ ہے۔ ہمارا راستہ آزمائشوں کا راستہ ہے۔ ہمارا راستہ کٹھنائیوں کا راستہ ہے۔ ہمارے ساتھ چلے تو کوئی آبلہ پا چلے جس نے پیروں کو پھول

باندھے ہوں وہ بازارِ گناہ چلا جائے۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جس کا دل دھڑکتا ہے ہماری بات سن کر وہ بے شک ہم سے جدا ہو جائے"۔

جناح ہال ۸۶ ۱۹ء کے اس یادگار جلسے میں جب پورا مجمع ذوقِ شہادت سے سرشار جدوجہد کے لیے نعرہ زن ہوا، علامہ احسان قدم بڑھاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو یہ رجل عظیم پھر مخاطب ہوا "میں تمہیں مارشل لاء اور طاغوت کے سامنے رب کی کبریائی اور مصطفےٰ کی مصطفائی کے لیے لڑاؤں گا۔ خدا کی قسم! اگر تم سب بھی پلٹ جاؤ تب بھی میں تن تنہا لڑوں گا"

شاہ شہیدؒ کے بعد قافلۂ آزادی کی روانگی کا وقت ایک دن آنے والا ہے۔

۲۳ مارچ کی اس یادگار رات کو وہ مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جھنجھوڑ رہا تھا۔ مسلم اربابِ قوت و اختیار کی بزدلی کا رونا رو رہا تھا اور ان کے مقابلے میں ۳۱۳ اصحاب رسولؐ کی بے سروسامانی اور جرأت و ہمتِ لازوال کا نقشہ کھینچ رہا تھا اور جب وہ اپنے ہی حسب حال اس شعر تک پہنچا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑ۔۔۔۔۔

یہاں فضا اچانک خوفناک دھماکے سے لرز اٹھی اور وہ مومن، بے تیغ ہی لڑتا ہوا کرسی سمیت فضا میں اچھل کر گرا۔ پورا جسم کیا تھا محض زخم بن گیا۔ لوگ بھاگتے ہوئے اپنے اس جری سپاہی کو بچانے کے لیے پہنچے تو پہنچتے پہنچتے ان کے کپڑے خون سے دھل گئے۔ مگر اس نے چیخ کر کہا۔

"میری فکر مت کرو۔ جاؤ خدا کے لیے دوسروں کو اٹھاؤ"۔

ادھر حکام علامہ صاحب کو امریکہ علاج کے لیے بھیجنے پر غور کرنے لگے۔ شاہ فہد اور صدر عراق نے اپنے ہاں خصوصی علاج کی پیشکشیں بھیجیں۔ مگر وہاں جانا مشیتِ ایزدی نے منظور فرمایا۔ جس کے لیے دو سال قبل میدانِ عرفات میں دعا کی تھی۔

"یا اللہ میں ارضِ مقدس میں ہی دنیا سے جاؤں اور یہیں میری تدفین ہو"۔

ارضِ مقدس پہنچتے ہی جسم و روح میں تابندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ ڈاکٹر پر امید ہو گئے مگر بے نوا اللہ کی طرف سے اس کی آرزوؤں کی تکمیل کا لقائی ہوش و حواس نظارہ کرایا جا رہا تھا۔ محض ایک دن بعد ہی ۳۰ مارچ بروز سوموار علی الصبح۔ عین اس وقت جب کہ دونوں

باقی ص ۱۳۸ پر

علامہ شہید کی تصانیف و تالیفات

جناب میاں محمد یوسف صاحب سجاد !

(۱) الشیعہ و اہل البیت (عربی) ـــــ بڑا کتابی سائز ۔ نہایت اعلیٰ کتابت و طباعت۔

صفحات ۳۱۶ ، طبع دہم ۱۹۸۵ء ۔ ناشر ادارہ ترجمان السنۃ ۵۷ شادمان لاہور ۔

اس کتاب میں شیعہ کی مزعومہ حب اہل بیت کی حقیقت آشکارا کی گئی ہے اور نہایت شرح و بسط سے واضح کیا گیا ہے کہ وہ طائفہ جو حضرات صحابہ کرامؓ پر زبان طعن دراز کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے درحقیقت یہ حب اہل بیت میں بھی مخلص و صادق نہیں۔ کیونکہ اہل بیت اور دیگر صحابہ کرامؓ باہم شیر و شکر تھے۔ اور ان جلیل القدر اصحاب رسولؐ کی توہین کرنا حب اہل بیت کے دعویٰ سے متناقض ہے۔ نیز اہل بیت کی زبان سے وارثان نبوت کی عظمت خود شیعہ کتب سے بیان کی گئی ہے۔ کتاب کے آغاز میں گیارہ صفحات کا پرمغز مقدمہ ہے۔ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول ـــــ الشیعہ و اہل البیت میں لفظ اہل بیت اور لفظ شیعہ کی تحقیق ، ائمہ شیعہ میں غلو اور انہیں انبیاء پر فضیلت دینے کا بیان ہے۔

باب دوم ـــــ شیعہ اور مخالفت اہل بیت میں ، قرآن مجید میں صحابہ ، صحابہ سے متعلق حضرت علیؓ کا موقف ، باغ فدک ، عبداللہ بن سبا جیسے موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔

باب سوم ـــــ شیعہ اور اہل بیت پر جھوٹے الزامات میں ۔ متعہ اور اس کی جزئیات کے سلسلہ میں اہل بیت کی طرف منسوب اقوال کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب چہارم ـــــ شیعہ اور توہین اہل بیت شیعہ کتب سے ۔ جملہ اہل بیت بشمول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق توہین آمیز کلمات نقل کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جس میں ۱۴۲ شیعہ کتب ۔ اور ۸۸ اہل سنت حضرات کی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۲) الشیعہ والسنۃ (عربی) ـــــ متوسط کتابی سائز ۔ عمدہ ٹائپ کتابت و طباعت ، صفحات ۲۱۶ ۔

بائیسواں ایڈیشن ۱۹۸۳ء، ناشر ادارہ ترجمان السنۃ ۷۵ شادمان لاہور

یہ کتاب علامہ صاحب کی شیعہ موضوع پر اولین تحریری کاوش ہے۔ سولہ صفحات کے مقدمہ کے

بعد تین ابواب ہیں،

باب اول: شیعہ اور سنت ـــــــ اس باب میں عبداللہ بن سبا فتنہ وفساد کے لیے اس کی

مساعی، خلفاء راشدینؓ امہات المومنینؓ سمیت دیگر اجل صحابہ کرامؓ پر شیعہ کی طعن وتشنیع اور سب وشتم

کی مختلف عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔

باب دوم: شیعہ اور قرآن ـــــــ اس باب میں شیعہ کی طرف سے تحریف قرآن کی مثالیں،

اور شیعہ کے نزدیک امامت کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

باب سوم: شیعہ اور جھوٹ ـــــــ تقیہ کی شرعی حیثیت۔ نکاح ام کلثومؓ اور اصحاب ثلاثہ کی

خلافت کا اعتراف جیسے موضوعات پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ کتاب میں ۲۶ غیر شیعہ اور ۵۲ شیعہ مصادر

سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے اب تک بائیس ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ اور پروفیسر ڈاکٹر رانا ایم این

احسان الٰہی کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ بھی شائع ہو چکی ہے۔ نیز اس کتاب کا دنیا کی دیگر زبانوں فارسی، تامل

انڈونیشی۔ تھائی۔ ملائشی اور افریقی زبان ہوسا میں بھی تراجم ہو چکے ہیں۔

(۲) الشیعۃ والقرآن ـــــــ (عربی) بڑا کتابی سائز۔ نہایت اعلیٰ عربی ٹائپ۔ دیدہ زیب

طباعت، صفحات ۳۵۲۔ طبع ثالث ۱۹۸۳ء۔ ناشر ادارہ ترجمان السنۃ ۷۵ شادمان لاہور۔

شیعہ اثنا عشریہ علامہ صاحب کی یہ تیسری معرکۃ الآراء تالیف ہے۔ پہلے ۲۶ صفحات پر مبسوط مقدمہ

پھیلا ہوا ہے جس میں علامہ صاحب نے اس تالیف کی وجہ تالیف بیان کی ہے کہ:

علامہ محب الدین الخطیب مصری نے کتاب "الخطوط العریضۃ" لکھی۔ جس میں مرحوم نے شیعی کتب سے

یہ ثابت کیا کہ شیعہ کے نزدیک قرآن تحریف شدہ ہے۔ اس کے جواب میں ایران کے ایک شیعہ عالم نے کتاب

لکھی جس میں علامہ مصری کی تردید کی گئی۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ شیعہ کے نزدیک بھی اسی طرح قرآن غیر محرف ہے

جیسا کہ اہل سنت کے نزدیک۔ چونکہ علامہ مصری تو بقید حیات نہیں تھے جو جواب الجواب لکھتے۔ علامہ مصری

کی نمائندگی میں علامہ احسان الٰہی ظہیر نے اس فرض کو اپنے ذمہ لیا۔ اور پھر اس کا حق ادا کر دیا۔ اور ایرانی قلمکار کے تمام دلائل کو تار عنکبوت ثابت کر دیا۔ اس کتاب کے چار ابواب ہیں۔ اور ہر دور کے شیعہ اکابر کی زبان سے تحریف قرآن کا دعویٰ ثابت کیا گیا ہے اور سب سے زیادہ مواد ایک بڑے شیعہ عالم فاضل محدث میرزا حسین نوری طبرسی کی کتاب "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر دندان شکن اور مسکت حوالہ جات پر مبنی ہے۔ ۸۰ شیعہ اور ۱۶ اہل سنت کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔

(۴) الشیعہ والتشیع (فرق و تاریخ) (عربی) ــــــ بڑا کتابی سائز۔ دیدہ زیب واضح عربی ٹائپ دلکش حسین طباعت۔ صفحات ۴۱۶۔ ناشر ادارہ ترجمان السنہ ۷۔ ۴ شادمان لاہور۔ مشہور شیعہ پرچے کی کتاب کا مقدمہ ۱۱ صفحات پر محیط ہے۔ اس کتاب کا موضوع شیعہ ازم کی مکمل، مفصل تاریخ ہے۔ پس منظر اور اس کے مختلف فرقے ہیں۔

باب اول میں ــــــ شیعان علیؓ۔ شہادت عثمانؓ۔ اختلاف علیؓ و حضرت معاویہؓ کی کیفیت۔ حضرات صحابہ کرامؓ اور خاندان نبوت کی باہم رشتہ داریاں۔ حضرت معاویہؓ و حضرت حسنؓ کی صلح۔ بیعت معاویہ وغیرہ۔ جیسے مباحث پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ اور ہر بحث کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔

باب دوم میں ــــــ شیعہ اور سبائیت کے ارتباط پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

باب سوم میں ــــــ حضرت عثمانؓ پر شیعہ اعتراضات و اتہامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان اعتراضات کے جواب دے کر حضرت عثمانؓ کا دفاع کرتے ہوئے ان کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

باب چہارم میں ــــــ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ کے حالات۔ جنگ جمل اور جنگ صفین کے محرکات و عوامل زیر بحث لائے گئے ہیں۔

باب پنجم میں ــــــ شیعہ کی تاریخ، عقائد اور فرقے ــــ اس باب میں حضرت علیؓ کے بعد شیعہ کا حضرت حسینؓ کے گرد اجتماع۔ حضرت حسینؓ کے دور میں شیعہ کوفہ کا کردار قاتلان حضرت حسینؓ۔ کوفہ کے شیعوں کی غداری۔ حضرت حسینؓ کے بعد شیعہ کا اختلاف و افتراق مختلف شیعہ فرقے۔ الغرابیہ۔ الزیدیہ

الجارودیہ۔ الناووسیۃ السمطیہ۔ الفتحیۃ۔ الاسماعیلیۃ۔ القرامطہ۔ الآغاخانیۃ۔ البہرۃ۔ الموسویۃ النصیریۃ کے عقائد اور تاریخ بیان کی گئی ہے۔

باب ششم میں ـــــ شیعہ اثنا عشریہ کی وجہ تسمیہ۔ شیعی شرائط امامت۔ شیعی امامت اور عصمت کا تصور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب ہفتم میں ـــــ شیعہ اثنا عشریہ اور عقائد سبائیہ۔ صحابہ کرامؓ سے بغض۔ عقیدہ خمینی اور ان کی کتاب کشف الاسرار۔ مہدی۔ رجعت مہدی۔ دابۃ الارض۔ خرافات الجزائری۔ مسلمانوں و مؤرخ اور مستشرقین کی آراء کو نقل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۲۵۹ مراجع و مصادر سے مزین ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔

(۵) البریلویہ (عربی) عقائد و تاریخ۔ بڑا کتابی سائز۔ جلی عربی ٹائپ، حسین طباعت صفحات ۲۵۳۔ طبع یازدہم ۱۹۸۵ء۔ ناشر ادارہ ترجمان السنۃ ۷، ایبک روڈ، شاد مان، لاہور

کتاب کے شروع میں ۶ صفحات پر عطیہ محمد سالم قاضی مدینہ منورہ و مدرس مسجد نبوی کی خوبصورت تقریظ شائع کی گئی ہے۔ صفحات ۷ سے ۲۲ تک مؤلف کی طرف سے مقدمہ ہے۔ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول۔ بریلویت۔ تاریخ اور اس کا بانی ـــــ اس باب میں بریلویت کے مؤسس اور بانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور بریلویوں کی طرف سے جہاد اور مجاہدین کی مخالفت۔ بانی بریلویت کی شان میں غلو۔ اصحاب النبیؐ کی اہانت۔ بریلوی زعماء نعیم الدین۔ امجد علی۔ دیدار علی۔ حشمت علی اور احمد یار کے بارے میں معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

باب دوم۔ بریلوی عقائد ـــــ اس باب میں بریلوی کتب کے حوالہ سے بریلوی عقائد مثلاً غیر اللہ سے استعانت و استغاثہ۔ رسولؐ سے استعانت۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے استمداد۔ انبیاء، اولیاء کے اختیارات۔ حضرت جیلانیؒ کا علو محی و ممیت۔ سماع موتیٰ۔ حیات انبیاء۔ سماعت انبیاء۔ نور من نور اللہ مسئلہ علم غیب۔ اولیاء کی غیب دانی۔ مسئلہ بشریت انبیاء۔ مسئلہ حاضر و ناظر قلمبند کیے گئے ہیں۔ اور بریلویوں کے ہر مزعومہ عقیدہ کے بعد کمال اہتمام سے قرآن و حدیث سے نصوص صریحہ پیش کرکے ان کا رد کیا گیا ہے

باب سوم : بریلویت اور اس کی تعلیمات ــــــ اس باب میں قبریں پختہ بنانا۔ ان پر قبے میر بنانا، ان پر پردے اور عمارت رکھنا۔ شمعیں اور دیئے جلانا۔ عرس منعقد کرنا۔ مخصوص دنوں پر فاتحہ اور قرآن خوانی کرنا۔ میلاد منانے اور کھانے پینے سے متعلق رسومات۔ قبروں کے گرد طواف۔ تبرک کھانے۔ نذر و نیاز چڑھانے استمداد کرنے۔ انگوٹھے چومنے۔ کفن پر لکھنے۔ جنازے کے بعد دعا کرنے۔ قبر پر اذان بنانے سے متعلق بریلوی عبارات نقل کر کے تعلیمات قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کی تردید و تغلیط کی گئی ہے۔

باب چہارم : بریلویت اور مسلمانوں کی تکفیر ــــــ اس باب میں ان بریلوی عبارات کا ذکر ہے، جن میں انہوں نے شیخ الاسلام مجدد الملت علامہ محمد بن عبد الوہاب۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ علامہ رشید احمد گنگوہی۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ شاہ محمد اسماعیل شہید۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ امام العصر حافظ غرم۔ امام ابن قیم۔ امام شوکانی۔ نجدی اکابر۔ آل مسعود۔ نجدی۔ ڈپٹی نذیر احمد۔ مولانا شبلی نعمانی۔ مولانا الطاف حسین حالی۔ مولانا ابو الکلام آزاد۔ علامہ اقبال۔ مولانا ظفر علی خاں۔ سر سید احمد خاں۔ بانی پاکستان محمد علی جناح۔ رحمۃ اللہ علیہم کو کافر۔ فاسق۔ فاجر خارج از اسلام اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہا ہے۔

باب پنجم : بریلویت اور خرافات ــــــ اس باب میں بریلویوں کی خود ساختہ کشف و کرامات کی عجیب و غریب حکایات بیان کی گئی ہیں۔ جن کی بدولت عامۃ الناس ان کے دام تزویر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ کہانیاں اور حکایتیں ان عام لوگوں کو سنا سنا کر اپنے خود ساختہ تقدس کو ان کے دلوں میں اتارا جاتا ہے اور پھر ان لوگوں کو رام کر لینا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کو ۱۸۰ کتب اور رسائل کے حوالجات سے مزین کیا گیا ہے۔

عرب ممالک میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی گئی ہے۔ اور عرب دنیا میں اس کتاب نے مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بریلوی حضرات اس کتاب سے اس قدر متوحش اور خائف ہوئے کہ انہیں در حکومت پہ دستک دینا پڑی۔ لہٰذا حال ہی میں اس کتاب پر پابندی لگا کر اسے ضبط کر لیا گیا ہے بس پھر ملک کے طول و عرض کے علمی حلقوں میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اور اس پر احتجاج کا سلسلہ جاری ہے

عجیب بات یہ ہے کہ بریلویوں کی اصل کتابوں سے منقول حوالہ جات پر مشتمل کتاب تو قابل ضبطی بھی گئی بہ بلد کتب ماخذ قابل گرفت قرار نہ دی جا سکیں۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ صحت مند علمی اختلاف کے تحت اس کتاب کا جواب تحریر کیا جاتا۔ ایک مذہب کی کتب پر پابندی لگنے لگوانے سے اس مسئلہ کا حل کوئی پائیدار حاصل نہ ہو سکے گا۔ امید ہے کہ کار پردازان حکومت جانبداری کی بجائے حقائق کی روشنی میں صورت حال کا جائزہ لیں گے اور اس طرح کی کتب کے بارے میں کسی یکساں نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

(۶) القادیانیۃ (عربی) ــــــ بڑا کتابی سائز۔ مضبوط و تجلیل عربی ٹائپ۔ نفیس طباعت صفحات ۳۲۰۔ طبع اکتیس ۱۹۸۵ء۔ ناشر ادارہ ترجمان السنۃ ۵ے/۴ شادمان لاہور۔

یہ کتاب برصغیر میں انگریزوں کی کاشتہ ذریت قادیانیت کے بارے میں ہے۔ کتاب کے شروع میں استاذ علامہ السید محمد المنتصر الکتانی سابق رئیس شعبہ علوم القرآن والسنۃ کلیہ شریعت جامعہ دمشق و سابق استاذ فقہ مالکی جامعہ رباط مراکش و استاذ حدیث و فقہ کلیہ شریعت والدعوۃ و اصول الدین جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور فضیلۃ الشیخ عطیہ محمد سالم استاذ مقرر و الادب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تقاریظ ہیں۔ پہلے اخبارہ صفحات پر انتہائی خوبصورت اور جاندار مقدمہ ہے جس میں القادیانیۃ پر لکھنے کے محرکات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب دس مقالوں پر مشتمل ہے۔

مقالہ اول۔ قادیانیۃ استعماری تحریک ــــــ اس مقالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ قادیانیت انگریزوں کی سازش اور اسلام دشمنی کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی۔

مقالہ دوم۔ قادیانیت اور مسلمان ــــــ اس مقالہ میں مسلمانوں کے بارے میں قادیانی افکار اور اسرائیل کا قادیانیوں سے تعاون۔ اسرائیل میں قادیانی مرکز سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

مقالہ سوم۔ متنبی قادیانی کی طرف سے انبیاء و صحابہ کی توہین ــــــ اس مقالہ میں قادیانیوں کی وہ عبارات نقل کی گئی ہیں جن میں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت حسنؓ۔ حضرت حسینؓ۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت یوسفؑ۔ حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کی

توہین کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

مقالہ چہارم ــــــ متنبی قادیانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مماثلت ومنافست (معاذ اللہ)

اس مقالہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (معاذ اللہ) ہمسر ہونے اور آپ پر فضیلت کے دعاوی پر گفتگو کی گئی ہے۔

مقالہ پنجم ــــــ قادیانیت اور اس کے عقائد۔ اس مقالہ میں اللہ تعالیٰ۔ ختم نبوت۔ جبریل۔ قرآن۔ قادیان۔ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ۔ مسیح۔ جہاد سے متعلق قادیانی عقائد کو شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے۔

مقالہ ششم ــــــ قادیانی متنبی اور تاریخ۔ اس مقالہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ذاتی اور نجی زندگی کے مختلف گوشوں سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔ اور اس کی بعض ہفوات کا ذکر کیا گیا ہے۔

مقالہ ہفتم ــــــ متنبی قادیانی اور پیشین گوئیاں۔ اس مقالہ میں مرزا کے اس خلل دماغ کا ذکر کیا گیا ہے جو اس نے پیشین گوئیوں کی صورت میں ظاہر کیا۔

مقالہ ہشتم ــــــ قادیانیت اور مسیح موعود۔ اس مقالہ میں قادیانی عقیدہ متعلق بہ حضرت عیسیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔

مقالہ نہم ــــــ قادیانی زعماء اور فرقے۔ اس مقالہ میں قادیانی سرغنوں حکیم نورالدین بھیروی، محمد علی لاہوری، مرزا محمود، کمال الدین، محمد احسن امروہوی، محمد صادق، عبدالکریم، یار محمد، نور محمد، محمد صدیق، عبداللطیف پٹیالوی، چراغ دین وغیرہ اور مختلف فرقوں قادیانی ولاہوری کا ذکر کیا گیا ہے۔

مقالہ دہم ــــــ ختم نبوت اور قادیانی تحریفات۔ اس مقالہ میں ان قادیانی تحریفات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو قادیانیوں نے ختم نبوت کے سلسلہ میں روا رکھی ہیں۔ اس کتاب کے لیے ۱۵۰ حوالہ کی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اور دنیا کی دیگر زندہ زبانوں میں بھی منتقل کی جا چکی ہے۔

(۷) البہائیہ ــــــ نقد وتحلیل (عربی)۔ بڑا کتابی سائز۔ عربی ٹائپ حسین وجمیل طباعت صفحات ۲۷۱۔ طبع ہفتم ۱۹۸۳ء ــــــ کتاب ہذا بہائیت سے متعلق ہے جو لستی نو رعذتو

مازندران (ایران) سے معرضِ وجود میں آئی۔ کتاب کا اہداء شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رئیس ادارۃ البحوث والافتاء والدعوۃ والارشاد سعودی عرب اور شیخ محمد بن علی الحرکان الامین العام رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرمہ کی طرف کیا گیا ہے۔ پھر طبع ہفتم کا مقدمہ ہے۔ باقی کتاب آٹھ مقالوں پر مبنی ہے۔

پہلا مقالہ ـــــ بہائیت۔ اس کی تاریخ اور ابتداء۔ اس مقالہ میں مؤسس بہائیت مرزا حسین علی مازندرانی کے حالاتِ زندگی۔ روسی تعاون بتوسط قسطین پر بہائیوں کی مست۔ بغداد روانگی۔ خروج بغداد۔ استنبول روانگی۔ فلسطین روانگی۔ صیہونیوں یہودیوں کی طرف سے حمایت۔ اس کی بیماری، جنون، موت اور اس کی تالیفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرا مقالہ ـــــ مازندرانی اور اس کے دعاوی۔ اس مقالہ میں مازندرانی کے مختلف دعوے مثلاً یہ کہ وہ مہدی منتظر ہے۔ مسیح موعود ہے۔ اس پر وحی اور فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ وہ تمام انبیاء و رسل سے افضل ہے۔ صاحب عصمت کبری ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتا ہے۔ جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ وہ مسجود و معبود ہے۔ آیات نازل کرنے والا اور گناہوں کو بخشنے والا ہے وغیرہ شامل ہیں۔

تیسرا مقالہ ـــــ بہائیت اور اس کی تعلیمات۔ اس مقالہ میں بہائیت کی تعلیمات کا تضاد ذکر ہوا ہے کہ ایک طرف وحدۃ الادیان اور اتحاد کی دعوت ہے۔ ساتھ ہی فساد و جدل اور قتل و قتال کی موجد ہے۔ ایک طرف وحدۃ الاوطان کی طرف دعوت دی ہے۔ ساتھ ہی استعماریت کی دعوت دی ہے اور تعدد لغات کو اختلاف کا سبب بیان کیا ہے۔ لیکن عملاً اس کے خلاف عمل کیا اور بابیوں کے ساتھ وحدت لغت کے باوجود اختلاف باقی رکھا۔ پھر مرد و زن کے حقوق و فرائض، مرتبہ، مقام اور حیثیت کے بارے میں اسلامی اور بہائی نقطۂ نظر کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔

چوتھا مقالہ ـــــ بہائی شریعت۔ اس مقالہ میں بہائیت کا عبادت لبشر۔ بہائی نماز کی کیفیت۔ بہائی روزہ۔ بہائی زکوٰۃ۔ بہائی حج۔ بہائیوں کا کعبہ۔ بہائی شریعت میں توحید، رسالت و نبوت۔ امورِ آخرت۔ احکام و معاملات اور محرمات۔ ازدواج۔ مخالفت جہاد۔ احکام میراث وغیرہ کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

پانچواں مقالہ ـــــ مازندرانی اور اس کی زباندانی ۔ اس مقالہ میں مازندرانی کی کتاب "ـــ" کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اور اس کی لغوی، نحوی، ترکیبی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور اس کی ثقاہت کے فریب کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

چھٹا مقالہ ـــــ بہائیت اور اس کی پیش گوئیاں ۔ اس مقالہ بہائیت کی تمام پیش گوئیں کی تغلیط اور شرمندۂ تعبیر نہ ہونے پر گفتگو کی گئی ہے۔

ساتواں مقالہ ـــــ بہائیت اور اس کے جھوٹ ۔ اس مقالہ میں بہائیت کی لغو اور جھوٹ پر مبنی واقعات گنوائے گئے ہیں۔

آٹھواں مقالہ ـــــ بہائیت کے زعماء اور اس کے فرقے ۔ اس مقالہ میں بہائیت کی ابتلہ اور عباس بہائی کی منافقت و مداہنت کا ذکر ہے۔ اور بعد میں مختلف بہائی زعماء اور اس کے فرقوں کا تعارف ۔ اور اس کے اعتقادات بیان کیے گئے ہیں ۔

یہ کتاب ۲۱۷ مصادر و مراجع کے حوالجات سے لیس ہے۔ اور انگریزی کے علاوہ دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔

⑧ البابیۃ ـــــ عرض و نقد (عربی) ـــــ بڑا کتابی سائز۔ عربی ٹائپ۔ خوبصورت سنگا ٹائٹل۔ دیدہ زیب طباعت ۔ صفحات ۲۹۶ ۔ طبع ہشتم ۱۹۹۳ء۔

ناشر ادارہ ترجمان السنۃ ۷۰۵ شادمان لاہور ۔

یہ کتاب بابیہ سے متعلق ایک دستاویزی حیثیت کی حامل ہے۔ کتاب کا اہداء رابطہ عالم اسلامی کی طرف کیا گیا ہے۔ چالیس صفحات پر پھیلا ہوا مقدمہ کتاب کی روح ہے ۔ اور معلومات کا ایک گنجینہ۔ مقدمہ میں علامہ صاحب نے بابیہ کا نچوڑ اور آئینہ پیش کر دیا ہے۔ کتاب چار فاضلانہ مقالات پر مشتمل ہے۔

پہلا مقالہ ـــــ البابیہ اور اس کی تاریخ و ابتداء ۔ اس مقالہ میں بابیہ کی تاریخ اور ان کے آغاز سے متعلق معلومات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

دوسرا مقالہ ـــــ شیرازی اور اس کے دعاوی ۔ اس کتاب میں مسئلہ امامت و خلافت آئمہ

فصلِ ثالث میں ــــ تصوف کی تعریف خود صوفیاء کی اپنی کتب سے بیان کی گئی ہے۔

فصلِ رابع میں ــــ تصوف کا آغاز اور اس کے مفہوم کی سیر حاصل وضاحت کی گئی ہے۔

بابِ ثانی میں ــــ تصوف کے مصادر و مآخذ بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس کے بعد صوفیاء کے وہ اقوال نقل کیے گئے ہیں جو کتاب و سنت سے یا تو متصادم و متضاد ہیں۔ یا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہیں۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تصوف درحقیقت عیسائیت کی اختراع ہے۔ ہندی اور ایرانی مذاہب کا ذکر کر کے یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان مذاہب نے نصرانیت سے اثر قبول کیا۔ اور تصوف کے نام پر اسلامی معتقدات کی رُوح کے منافی سرگرمیوں میں ملوث رہے۔ اس ضمن میں بعض مشاہیر صوفیہ کے عجیب وغریب ملفوظات پیش کیے گئے ہیں۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود و دیگر اصطلاحات صوفیہ کا مفہوم۔ اور "طریقت" کی کرشمہ سازیوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔

بابِ ثالث میں ــــ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شیعیت یہودیت کی پیداوار ہے جس کا بانی عبداللہ بن سبا تھا۔ علاوہ ازیں اس شخص کا مکمل تعارف دیا گیا ہے۔ بعد میں چیدہ چیدہ صوفیاء کا شیعہ ہونا ثابت کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تصوف کے مختلف سلسلوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اور حضرت علیؓ کی شان میں انتہائی غلو کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور دکھایا گیا ہے کہ کس طرح شیعہ صوفیوں نے توہینِ الٰہی اور توہینِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب کیا ہے۔

نزول الوحی واتیان الملائکہ کے ضمن میں صوفیہ کے افکار و معتقدات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی تہ میں شیعیت پوشیدہ ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ شیعہ کے نزدیک اپنے آئمہ کو انبیاء پر برتری حاصل ہے۔ شیعہ صوفیوں کے بلند بانگ دعوے اور تعلیاں باعث استعجاب ہیں۔ شیعہ کے نظریۂ عصمتِ آئمہ و تفضیل تفضیل آئمہ علی الانبیاء کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ اس کے بعد شیعہ کتب سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حلول و تناسخ جیسے اعتقادات بھی شیعہ ہی کے حوالے سے متعارف ہوئے

مراتب الصوفیہ میں صوفیوں کے مختلف ناموں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ شیعہ عقیدہ تقیہ پر سیر حاصل تعارفی نوٹ شامل ہے۔ کتاب ہٰذا میں عربی۔ فارسی۔ اردو و انگریزی کے ۲۵۶ مصادر و مراجع پیش کیے

کے الوہیت و ربوبیت حلول و تناسخ۔ نسخ شریعت اسلامیہ سے متعلق شیعی کتابوں سے حوالہ جات پیش کر کے حمیری۔ بغدادی۔ علامہ ابن حزمؒ اور احمد معصری کی طرف سے ان کا رد کیا گیا ہے۔

تیسرا مقالہ ـــــ شریعت بابیہ و اس کی تعلیمات۔ اس مقالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ بابیہ جبر کی شریعت ہے۔ یہ لوگوں کو مجبور کرتی ہے کہ اسے قبول کریں۔ اور جو اسے نہ مانے، اس کے قتل کرنے اس کا مال غصب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بعد ازاں بابیہ کی عبادات، مناکحات۔ معاملات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

چوتھا مقالہ ـــــ بابیہ کے زعماء اور اس کے فرقے۔ اس مقالہ میں بابیہ کے زعماء شیرازی قرۃ العین۔ الرشتی۔ محمد علی البار فروشی۔ صبح الازل۔ حسین علی مازندرانی کے حالات زندگی اور ان کے کردار کی جھلک پیش کی گئی ہے۔ مقالہ کے آخر میں بابیہ کے چار معروف فرقوں اور ان کے متبعین کے بارے میں معلومات جمع کی گئی ہیں۔ کتاب کے مواد و حوالہ جات کے لیے ۹۳ کتب بطور مراجع و مصادر پیش کی گئی ہیں۔

(۹) التصوف ـــــ المنشأ والمصادر۔ بڑا کتابی سائز۔ خوبصورت و جلی عربی ٹائپ۔
صفحات ۲۹۶۔ طبع اول ۱۹۸۶ء۔ ناشر ادارہ ترجمان السنۃ لاہور۔

کتاب ہذا کا موضوع جیسا کہ نام سے ظاہر ہے "تصوف" ہے۔ کتاب مقدمہ کے علاوہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول میں ـــــ تصوف کی ابتداء اور اس کی منزل بہ منزل تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کو چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اول میں ـــــ "الاسلام عبارۃ عن الکتاب والسنۃ" کے تحت یہ ثابت کیا گیا ہے، کہ درحقیقت اصل دین جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو چھوڑ گئے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اس ضمن میں ارکان اسلام۔ اطاعت رسولؐ۔ مذمت بدعت اور تکمیل دین جیسے موضوعات پر انتہائی وقیع اور مؤثر انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصل ثانی میں ـــــ تصوف کی اصل اور اس کے اشتقاق پر بڑی خوبصورت بحث کی گئی ہے اور بعد میں صوفیاء کی تعریف اور ان کی علامات کا ذکر کیا گیا ہے۔

گئے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کی بجائے ہر ہر فقرہ حوالے سے مزین ہے۔ تصوف کے موضوع پہ
عربی زبان میں ایک شاہکار تالیف ہے (۱۰) الاسماعیلیہ۔ (۱۱) بین الشیعہ واہل السنۃ
(۱۲) دراسۃ فی التصوف۔

معاشی حالت۔

علامہ شہید معاشی طور پر اللہ کے فضل وکرم سے کافی مستحکم حیثیت کے مالک رہے۔ امپورٹ
ایکسپورٹ کا وسیع کاروبار تھا۔ ایک پبلشنگ ہاؤس اور کپڑے کا بھی کاروبار تھا۔ کچھ عرصہ پہلے آپ
نے کپڑے کی ایک فیکٹری بھی قائم کی تھی۔ اب اور بھی کئی تجارتوں میں آپ کا حصہ تھا۔ نیز آپ کی کتب کی
وسیع اشاعت سے بھی آپ کو کافی رائلٹی ملتی رہی۔

علامہ صاحب کی یہ کتب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، سعودی عرب و دیگر اسلامی ممالک کی یونیورسٹیوں
کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان فاضلانہ کتب کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف زبانوں میں آپکے
انٹرویو شائع ہو چکے ہیں۔ غرضیکہ اتنی صغر سنی میں تقریر وتبلیغ۔ تحریر وتحقیق اور سیاست وغیرہ میں آپ کی
کامل دسترس عطیہ واحسان الٰہی ہے۔ معاشی طور پر اللہ کے فضل وکرم سے مستحکم حیثیت رکھتے ہیں۔
عالم دین تھے۔ علم دین کے ہر شعبہ میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ جب آپ عربی زبان میں گفتگو کرتے
تو یوں معلوم ہوتا کہ عربی آپ کی مادری زبان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے مختلف فرق باطلہ پر جو محققانہ کتب
شائع کی ہیں۔ عرب ممالک میں انہیں بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ آپ کی ان کتب کو دیکھ آدمی ورطہ حیرت
میں پڑ جاتا ہے کہ ایک عجمی آدمی کیونکر عربی زبان میں ایسے علمی جواہر پارے اور تحقیقی سرمایہ مہیا کر سکتا ہے۔
اللہ کے فضل وکرم سے آپ کی ان عربی کتب کے کئی کئی ایڈیشن چھپ کر اہل علم سے خراج تحسین وصول کر
چکے ہیں

آپ کی ان کتب کے دنیا کی مختلف زبانوں یعنی انگریزی۔ فارسی۔ فرانسیسی۔ انڈونیشی۔ تھائی
سواحلی وغیرہ میں تراجم ہو چکے ہیں۔ عرب ممالک میں آپ کے قارئین، مداحین، عقیدتمندوں اور علم دوست
حضرات کا ایک وسیع حلقہ تھا۔ سیاسی حلقوں میں آپ کی بصیرت اور مجاہدانہ للکار آج بھی بڑی شد ومد سے
کانوں میں گونجتی اور دلوں میں ارتعاش پیدا کرتی معلوم ہوتی ہے۔

مولانا عبدالرشید حنیف جھنگ

"نقوشِ احسان"

علامہ احسان اسلام کا فرزند جمیل، پاکستان کی متاعِ عزیز، جماعت اہلحدیث کی ممتاز شخصیت تھے۔ علامہ احسان نے عنفوانِ شباب سے تا وفات پوری زندگی اسلام کی ترویج اور فروغ کے لیئے صرف کر رکھی تھی۔ زندگی کے مانند بیتالیس سال کے حسین ترین لمحات کتاب وسنت، توحید وسالت کے لیئے وقف تھے۔ اسلام کے ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ اور اسلام ہی کی تبلیغ میں مصروف اور کوشاں تھے کہ بم کے دھماکے سے ٢٣ مارچ ١٩٨٧ء بروز سوموار زخمی ہوئے اور ٣٠ مارچ ١٩٨٧ء بروز سوموار شہید ہوگئے۔ علامہ مرحوم کی زندگی پاکستان سے تا مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ابنائے اسلام کے لیئے قابلِ رشک ہے

١٩٦٠ء تا ١٩٦٦ء جس جذبہ کے تحت دین حاصل کیا اسی کے تحت پورے سترہ برس میں تحریر، تقریر میں منفرد مقام حاصل کیا۔ اس سے جماعت اہلحدیث کو حیاتِ ثانیہ ملی۔ چنانچہ علامہ صاحب نے اس موقعہ پر یہ فرمایا تھا۔ سید مولانا محمد داؤد غزنوی کی روایت کو قائم رکھا جائے گا۔ چنانچہ علامہ صاحب نے سید داؤد غزنوی کی جگہ عید کا خطبہ دیا۔ چونکہ علامہ صاحب اس نماز میں شورش کاشمیری بھی موجود تھے دورانِ ملاقات شورش نے فرمایا: "میں خود بھی فنِ خطابت میں بہت زیادہ دسترس رکھتا ہوں مگر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ احسان الٰہی! اگر تم آئندہ سے خطابت چھوڑ دو تو تمہاری صرف اس تقریر سے تمہیں برصغیر کا پاک وہند کے چند بڑے خطیبوں میں شمار کیا جاسکے گا۔ حقیقت ہے کہ یہ علامہ مرحوم کی زندگی کی پہلی سیاسی تقریر تھی۔ جس طرح ایک سیاسی اور ادیب نے فنِ خطابت میں حقیقت کا اعتراف کیا۔ اگر آج شورش زندہ ہوتے تو ضرور کہتے خطابت کو تجھ پہ ناز ہے۔

شورش کاشمیری اور احسان

شورش اور احسان اپنے دور کے ادیب اور خطیب تھے۔ سیاسی اور مذہبی میدان میں گہرے رفیق تھے۔ جب کوئی سیاسی اور مذہبی تحریک پاکستان میں اٹھی علامہ جنرل شورش کاشمیری پیش پیش تھے۔ شورش اپنی کتاب تحریک ختم نبوت مطبوعہ ۱۹۷۶ء جنوری میں علامہ کا تین بار ذکر لائے ہیں صفحہ ۲۲۹، ۲۵۰ اور ۱۷۱ میں یوں تعارف کراتے ہیں:

مولانا احسان الٰہی ظہیر مدینہ یونیورسٹی سے فراغت پا کر واپس لوٹے ہیں تو آپ نے مسجد جماعت اہل حدیث نے اپنی تعمیر کی مسجد چینیانوالی لاہور کی امامت کی۔ علامہ صاحب ایک فاضل اجل نوجوان ہیں انہیں عربی زبان میں قدرت تامہ حاصل ہے۔ آپ نے جماعت کے ہفتہ وار اخبار کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دینا شروع کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد اپنا ماہنامہ ترجمان الحدیث نکالا اور اس فرقہ قادیانیت کی خبر لی اس کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔

علامہ صاحب ایک شعلہ بیان خطیب، معجز رقم ادیب، بالغ نظر صحافی اور بہت سی زبانوں میں ماہر ہونے کے علاوہ دور رس نگاہ کے عالم متبحر ہیں۔ (تحریک ختم نبوت ص ۱۷۱)

تحریکات ملی۔

پاکستان میں جب بھی کوئی تحریک، تحریک نظام مصطفیٰؐ، تحریک ختم نبوت، غرض ہر تحریک میں علامہ نے رضائے الٰہی کی خاطر بھرپور حصہ لیا۔ جب کہ دیگر مذہبی اور سیاسی راہنما اپنے مخصوص مقاصد کے لیئے کام کر رہے تھے۔ تحریک نظام مصطفیٰ میں اگر کسی دیگر مذہبی جماعت کی نمائندگی نہ ملتی تو وہ کبھی بھی وہ کام نہ کرتے جو احسان نے کر کے دکھایا۔ (قومی ڈائجسٹ ص ۳۶)

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے۔ حق گوئی و بے باکی کے پیش نظر اس پرچہ کو بھی خیرباد کہا۔

ماہنامہ ترجمان الحدیث لاہور سے جاری کیا۔ قادیانیت کا ہر نوع ہر پرچہ میں سرفہرست رہا۔ ترجمان میں تصریحات کا عنوان تاحال مضمون جاری و ساری ہے۔ علمی اور تبلیغی معروفیات کے پیش نظر ترجمان الحدیث پرچہ جماعت اہل حدیث کے نام وقف کر دیا۔

علامہ صاحب ایک نامور صحافی کے نام سے میدانِ صحافت میں اترے۔ الہروم تک کامیاب صحافی ہے۔

قلم وقرطاس۔

علامہ سفر اور حضر میں اخبارات کا بڑی دلچسپی اور گہری نظر سے مطالعہ کرتے۔ سنجیدگی اور متانت سے سفر کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا ان کی زندگی کا مشغلہ تعلیم وتعلم، کتب بینی ہے۔ ان کی زندگی کے حسین ترین لمحات میں اعلیٰ چیز مطالعہ اور ذوق تصنیف وتالیف تھا۔ اکابر کی تصانیف کی اشاعت کے لیے ایک ادارہ ترجمان السنۃ کے نام سے قائم کیا۔ پہلے کشمیری بازار میں رہا۔ اس سے پہلی کتاب نقوش ابوالوفا سلفیہ ۱۹۶۱ء جنوری میں شائع کی۔ دوسری کتاب تفسیر ثنائی اُردو، اس کا مقدمہ بھی تحریر کیا۔ اس کی اشاعت ۱۹۷۱ء میں کی۔ تیسری کتاب مرزائیت اور اسلام تصنیف علامہ اس کی اشاعت ۱۹۷۲ء فروری۔ چوتھی کتاب، کتاب الوسیلہ ابن تیمیہ، اعادہ وتقدیم از علامہ۔ اس کی اشاعت ۱۹۷۲ء جنوری۔ پانچویں کتاب، کتاب التوحید، ترجمہ از علامہ۔

اہلِ اکابر کی تصانیف اور تالیف پر خود تبصرہ لکھتے۔ تبصرہ نگاری کتاب کی روحِ ثانی بن جاتی۔ مکتبہ سعیدیہ خانیوال کا فتاویٰ اہلِ علماء اہلِ حدیث سرِ فہرست آپ کا تبصرہ رقم ہے۔

عربی دانی۔

احسان مرحوم الہامی کتاب کو نوعمری میں حفظ کر چکے تھے۔ قرآنی برکات کے پیشِ نظر قوتِ حافظہ بے مثل ہو چکی تھی۔ عربی اشعار اتنے انہیں یاد تھے، عجمی تو کیا کسی عربی فاضل کو بھی اتنے اشعار یاد نہ تھے۔ اور یہی کام اُردو اشعار کا بھی تھا۔ عربی روانی سے بولتے تھے، جیسا کہ انہیں اپنی مادری زبان سے زیادہ مہارت عربی میں ہے۔

عرب

جب عربی میں گفتگو کرتے تو عرب حیرت زدہ ہو جاتے۔ اور جب عربی میں دوران حج خطاب کرتے یا کسی علمی مذاکرہ میں تو اہلِ عرب علامہ کو خطیبِ عرب کی بجائے اخطبِ عرب کی سند داد دیتے۔

طوفان انگیز خطابت اور شعلہ بیانی۔

سینیٹر ممتاز احمد خاں نے نوائے وقت ۲۸ مئی ۱۹۸۷ء ایک مضمون "علامہ احسان الٰہی ظہیر اور مدینے کی گلیاں" تحریر کیا ہے۔ اس میں ایک عنوان ہے "طوفان انگیز خطابت" علامہ احسان الٰہی ظہیر نے اپنی تمام تر توجہ اور توانائیاں دین اسلام کے فروغ پر مرکوز کر دیں۔ اور دیکھتے دیکھتے اپنی طوفان خیز خطابت اور شعلہ بیانی سے اپنے لیئے ایک امتیازی اور انتہائی قابل احترام مقام پیدا کر لیا۔ اپنے عقائد اور نظریات کے اظہار میں وہ انتہائی بے باک تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی دنیاوی طاقت کا کوئی خوف ان کے پاس نہ پھٹکتا تھا۔ ایسے حالات میں ان کا ایک متنازعہ شخصیت بن جانا لازمی امر تھا۔ جہاں انہوں نے بے شمار دوست اور مداح پیدا کیئے۔ بہت سے مخالفین بھی پیدا ہوتے۔ لیکن آخر دم تک ایک شمشیر برہنہ کی طرح میدان جہاد میں ڈٹے رہے۔ اور باقی فرجانی کے عالم میں جام شہادت نوش فرمایا۔ اور ہمارا معاشرہ ایک عظیم ہستی سے محروم ہو گیا۔ جس کا بدل کئی نسلوں تک پیدا نہیں ہوگا۔

سرداری عظمت۔

علامہ مرحوم کوئی خشک مزاج زاہد نہ تھے۔ وہ زندگی کی پاکیزہ اقدار، لطافتوں اور رعنائیوں سے بھی خوب بہرہ ور تھے۔ طبیعت میں بے حد طنز و مزاح تھا۔ اور نجی محفلوں کو اپنی پیاری گفتگو سے گل گلزار بنا دیتے تھے۔ خوشامد، تصنع، منافقت اور ریاکاری جو بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں اکثر لوگوں کی زندگی کا زیور ہیں۔ وہ ان سے کوسوں دور تھے۔

(۷) میدانِ صحافت۔

۱۹۷۰ء پاکستان کے مرکزی شہر لاہور کی اہل حدیث کی تاریخی مسجد میں بحیثیت خطیب اور امام مقرر ہوئے۔ یہ تاریخی مسجد خاندانِ غزنویہ کا روحانی مرکز تھی۔ اس مسجد کی تاریخی حیثیت کو علامہ نے چار چاند لگا۔ علمی قابلیت اور قوت کے بل بوتے کی بنا پر جماعت نے ہفت روزہ "الاعتصام" کا ایڈیٹر مقرر کر دیا۔ میدان صحافت میں یہ مجلہ چند دنوں میں عظمت علماء اور قادیین کی آماجگاہ بنتا چلا گیا۔ قادیانیت کی تردید کا محور ایڈیٹر کی ذات گرامی تھی۔ اسلام اور مرزائیت نامی کتاب۔ چٹان۔ لیل و نہار۔ اقدام اور الاعتصام میں مضامین کا مجموعہ ہے۔ قادیانیت کے موضوع پر اردو میں لاثانی کتاب اور عربی میں القادیانیہ بے مثل کتاب ہے۔

شورش کاشمیری نے ان ماہناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ان سب کی ادارت بڑے بڑے فضلاء کے ہاتھوں میں رہی۔ ان کے مضامین علمی اعتبار سے اس پائے کے تھے کہ مرزائیت کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر نے ہفت روزہ اخبار کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دینا شروع کر دیئے:

فخر ایشیا۔

ہم دعوی سے کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کی تاریخ میں کسی نوجوان کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا جس کی تصانیف اہل عرب کی تعلیم گاہوں میں بطور نصاب درساً پڑھائی جاتی ہوں۔ یہ اعزاز اور فخر علامہ احسان کے لیے مخصوص تھا۔

سیاسی تشخص۔

علامہ صاحب سیاست میں انفرادی طور پر کوشاں رہے۔ مختلف سیاسی پارٹیوں سے میل جول رکھا۔ پی ڈی پی میں شمولیت، تحریکِ استقلال میں جذبۂ ایثار تک کام کیا۔ جیل کی تاریک کوٹھڑی میں روزہ کی حالت میں مشقت برداشت کی۔ لیکن صبر کی نعمت کو اپنا ایمانی ہتھیار بنایا۔ ایم۔ آر۔ ڈی سے تعلق استوار کیا۔ لیکن فوری طور پر لاتعلق ہو گئے۔ ایوب دور سے ضیاء الحق کے دور تک حق کا علم اپنی سیاسی اور جماعتی تشخص میں قائم رکھتے رہے۔ اس راہ میں ۱۶۔ ایم پی او مقدمہ بنایا گیا۔ روزہ کی حالت میں پولیس کا پہرہ اور تشدد۔ پاؤں میں بیڑیاں اور ۴۸ گھنٹے تک روزہ افطار نہ کرنے دیا۔ اس کے باوجود علامہ کے عزم و حوصلہ میں کوئی لغزش نہ آئی۔ سیاست میں موجود رہے۔ بنگلہ دیش نامنظور کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ علامہ کا سیاسی تشخص کتاب و سنت کے رنگ میں ممتاز رہا۔

جماعتی تشخص۔

انفرادی سیاست سے جماعتی سیاست میں یکسوئی اختیار کر لی۔ جماعت اہل حدیث میں اکابر اہل حدیث مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے امین رہے۔ ان کے تشخص پر آنچ نہ آنے دی۔ یہی "عظمت احسان" کی منزل عروج تھی۔ الاکابر

باقی صفحہ ۵۱ پر

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ضرب کاری

حضرۃ مولانا حبیب الرحمان یزدانی شہید
شیر ربانی
رحمۃ اللہ تعالیٰ

میاں محمد یوسف سجاد

مولانا حبیب الرحمان یزدانی شہید

آہ ! مولانا حبیب الرحمان یزدانی ہم میں نہ رہے

۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو قلعہ لچھمن سنگھ لاہور کے ایک بم دھماکے نے ہم سے ہماری متاعِ عزیز چھین لی۔ ناہنجار و نابکار، بزدل اور کمینے دشمن کی سازش بظاہر کامیاب ہوگئی۔ لیکن کتاب وسنت کے ان پروانوں کا خون رائیگاں نہ جائے گا۔ اور وہ بدخصال مرنے سے پہلے کئی دفعہ مرنے کی جس اذیت سے دوچار ہو رہے ہیں، اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنے ضمیر کا خون کر کے ان شیدایانِ دینِ حنیف کے خونِ ناحق سے اپنے دامن کو خون آلود کیا ہے۔

مولانا یزدانی جامِ شہادت نوش کر گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ جیئے تو دین کے لیے، شہید ہوئے تو دین کے لیے۔ کتنی مبارک ہے ایسی زندگی؟ کتنی باعثِ رشک ہے ایسی شہادت؟ مرنا تو مسلّم ٹھہرا۔ موت جس سے کسی کو مفر نہیں، تو پھر موت اللہ کے دین کی سرفرازی کے سلسلے میں آئے۔ اور موت بھی شہادت کی۔ تو اس سے بڑھ کر سعادت اور خوش بختی کیا ہو سکتی ہے؟

مولانا یزدانی جماعت اہل حدیث کی ایک جانی پہچانی شخصیت تھے۔ خواص تو خواص، علماء تو علماء، آپ کا نام زبانِ زدِ عوام تھا۔ نام زبان پر، مقام دل کی گہرائیوں میں۔

آپ ایک پرجوش مبلّغ، گرم گفتار خطیب اور دبنگ مقرر تھے۔ آپ کی للکار باطل شکن اور باطل سوز آپ کی آواز خارا شگاف۔ آپ کی پکار دلوں میں اترتی ہوئی۔ آپ کفر و بدعت کے ایوانوں کے لیے قہرِ الٰہی تھے تو معاندین اور آئمہ ضلالت کے لیے شمشیرِ بے نیام، شاید ہی کوئی اہل حدیث فرد آپ کے نام و آوازہ سے ناآشنا ہو گا۔ ملک گیر شہرت کے حامل عالمِ دین تھے۔ معروف ترین خطباء و واعظین میں سے تھے۔ شاید ہی کوئی رات خالی ہو جس میں آپ نے کہیں نہ کہیں خطاب نہ فرمایا ہو۔ فنِ خطابت میں آپ مولانا سیّد

عبدالغنی شاہ کے شاگرد تھے۔ اُن سے انتہائی متاثر ہونے کی بناء پر اُن کے اندازِ خطابت کو اپناتے ہوئے تھے۔ اور انہی کی مسندِ خلافت پر جلوہ افروز تھے۔

تقریر میں دیکھو تو جیسے شعلۂ جوالہ بنی اور دوستانہ محفل میں بیٹھو تو نرم دمِ گفت گو۔ رزمِ حق و باطل میں فولاد، اور حلقۂ یاراں میں ریشم کی طرح نرم۔ یزدانی شہید کے کردار کی خوبیاں تھیں۔ ان کی خطابت میں سلامتِ کلام دیکھ سُن کر یہ یقین نہیں ہوتا تھا کہ یہ وہی مولوی صاحب ہیں جو دورانِ خطاب بر سرِ منبر رعد و برق تھے۔ اتنی اونچی آواز میں لگا تار تین تین گھنٹے بولنا آپ ہی کا خاصہ تھا۔ اور لطف یہ کہ حاضرین و سامعین کسی قسم کی اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتے۔

ولادت۔

آپ اپریل ۱۹۴۷ء بمطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ میں بمقام "پل شاہدولہ" ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ان دنوں آپ کے والدِ محترم مولانا عبدالحلیم بن حافظ محمد عبداللہ کمبوہ یہاں بطورِ خطیب خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

خاندانی پس منظر۔

مولانا حبیب الرحمان یزدانی کے بزرگوں میں حافظ عبدالرشید۔ حافظ عبدالغفور۔ حافظ محمد عبداللہ مولانا امیراللہ اور مولانا محمد فاروق کے نام ملتے ہیں۔ آپ کے دادا جان حافظ محمد عبداللہ کو انگریزوں نے تین ماہ تک پشاور جیل میں محبوس رکھا۔ اور آپ کے والدِ محترم بھی بڑی بارُعب اور دبنگ آواز کے مالک تھے۔ انگریزوں نے انہیں بھی دو ماہ تک قید میں رکھا۔ انگریز اُن کی اس آواز سے اتنے خائف تھے کہ دورانِ قید انہیں کوئی دوائی کھلا کر اُن کا گلا خراب کر دیا۔

تعلیم۔

آپ نے مڈل تک رسمی تعلیم گورنمنٹ مڈل سکول سخانہ باجوہ سے حاصل کی۔ دینی تعلیم کے حصول کے لیئے مدرسہ ضیاء القرآن منڈی چشتیاں۔ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ۔ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور مدرسہ نصرۃ الحق حنفیہ لسنیت روڈ لاہور میں زیرِ تعلیم رہے۔ اس کے بعد دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور میں

داخل ہوئے۔ اور یہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے لاہور کے دورانِ قیام ہی آپ کے والد محترم انتقال کر گئے۔

اساتذہ کرام۔

۱۔ شیخ الحدیث حافظ محمد اسحاق
۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبیداللہ
۳۔ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف
۴۔ مولانا بہاؤالدین
۵۔ حافظ محمد بینا بین
۶۔ حافظ عبدالرشید گوہڑوی
۷۔ حافظ ممتاز احمد

آغاز خطابت۔

تحصیلِ علم کے بعد سب سے پہلے آپ حمید پور کلاں ضلع گوجرانوالہ میں خطیب مقرر ہوئے۔ اور یہاں چار سال تک خطبہ جمعہ دیتے رہے۔

کامونکے میں آمد۔

۱۹۷۲ء میں حضرت مولانا سید عبدالغنی شاہ صاحب خطیب کامونکے رحلت فرما گئے۔ تو کچھ عرصہ کے لیے مختلف علماءِ کرام اس مسجد میں خطبہ جمعہ کے لیے تشریف لاتے رہے۔ راقم الحروف کو بھی یہاں ایک جمعہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مستقل خطابت کے لیے مقامی جمعیت کی نگہ انتخاب مولانا یزدانی پر پڑی۔ لہٰذا راتوں رات حمید پور کلاں سے سامان کامونکی لایا گیا اور اس طرح آپ کامونکی میں مرکزی جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب مقرر ہوئے۔

اسیری و سیاسی خدمات۔

مولانا یزدانی حلقہ کامونکے میں قومی اتحاد اور پی۔ڈی۔پی (پاکستان جمہوری پارٹی) کے صدر رہے ہیں۔ بھٹو آمریت کے خلاف تحریک میں آپ کو گرفتار کیا گیا۔ اور ایک ماہ تک جھنگ جیل میں قید رہے۔ چودھری فقیراللہ رکن مجلس شوریٰ۔ چودھری حامد ناصر چٹھہ سابق صوبائی وزیر صحت و تعلیم حال سپیکر قومی اسمبلی اور حاجی منیر احمد گوجرانوالہ جیل میں آپ کے ساتھ رہے۔

۱۹۸۶ء میں گوجرانوالہ میں تقریر کرنے پر سات دن تک گوجرانوالہ جیل میں رہے۔ فروری ۱۹۸۷ء میں آپ کو پھر تین ماہ کے لیئے گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں بھیج دیا گیا۔ لیکن علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ کی کوششوں کی بناء پر ایک ہی رات بعد رہا کر دیئے گئے۔

قاتلانہ حملہ۔

کامونکی میں مولانا کے توحید و سنّت کے وعظ مبتدعین پر شب و روز بمباری سے کم نہیں تھے۔ آپ شیر کی طرح گرجتے اور طوفان کی طرح برستے یہاں آپ ہی وہ واعظ شعلہ نوا تھے جنہوں نے شاہ صاحبؒ مرحوم کے بناء کردہ ایوانِ توحید میں چراغاں کر رکھا تھا۔ یہاں کے مخالفین نے اس قندیلِ ربّانی کو گل کرنے کے لیئے منصوبہ بنایا۔ اور ۴ر اگست ۱۹۸۴ء کو کرائے کے قاتلوں نے آپ پر اس وقت حملہ کیا۔ جب وہ کامونکی سے ایک جلسہ میں شرکت کرنے کی غرض سے لاہور جا رہے تھے۔ ان بزدل حملہ آوروں نے آپ کو پے درپے خنجروں کے دس زخم لگائے اور فرار ہو گئے۔

مولانا کو فوری طور پر کامونکے ہسپتال پہنچایا گیا، مگر زخم بہت کاری تھے۔ لہٰذا ابتدائی طبی امداد کے فوراً بعد آپ کو میو ہسپتال لاہور لایا گیا۔ جہاں ڈاکٹروں نے سر توڑ کوشش کر کے زخموں سے بہنے والا خون بند کیا۔ اور پیٹ کا اپریشن کر کے اندر گئے ہوئے خون کی صفائی کی۔ اسی شام ایک دوست حافظ لیسین صاحب نے مجھے گھر پر گھر آ کر اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی اور کہا کہ حضرت مولانا محمد علی جانباز صاحب کی زیرِ قیادت کل سیالکوٹ سے ایک احتجاجی وفد لاہور جا رہا ہے، جو گورنر ہاؤس کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کرے گا۔ لہٰذا آپ بھی صبح صبح شہر پہنچ جائیں۔ راقم حضرت الاستاذ کی زیرِ قیادت گورنر ہاؤس کے سامنے احتجاجی مظاہرہ میں شریک ہوا۔ بارش اور خرابیٔ موسم کے باوجود ہزاروں لوگ اپنے محبوب عالم دین پر اس قاتلانہ حملہ پر تصویرِ غم بنے ہوئے تھے۔ اور احتجاجی نعرے بلند کر رہے تھے۔ پھر ہم عیادت کی غرض سے میو ہسپتال پہنچے۔ وہاں بھی عقیدت مندوں کا ایک ہجوم بیکراں تھا۔ آپ بائیس ۲۲ دن تک ہسپتال میں زیرِ علاج رہے۔ بہر حال اللہ نے مولانا یزدانی کو نئی زندگی سے نوازا، اور دن بدن روبصحت ہوتے چلے گئے۔ اور پہلے سے زیادہ بھرپور انداز اور پوری توانائی سے خدمتِ دین میں معروف رہے۔ پہلے آپ جمعیت اہلحدیث

پاکستان کے ناظم تبلیغ تھے۔ اور شہادت تک نائب ناظم کے منصب پر فائز رہے۔

انزدواجی زندگی اور اولاد۔

۱۹۶۹ء میں آپ اپنے حقیقی چچا محمد فاروق کی دختر سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی زندگی میں چھ بیٹیاں، ور ایک بیٹا عطا فرمایا۔ ۱۹۸۲ء میں پیدا ہونے والے اس بیٹے کا نام انعام الرحمان تھا۔ اور آپ پر خنجروں سے قاتلانہ حملہ ہوئے پھر چھ ماہ ہوئے تھے کہ فروری ۱۹۸۶ء میں دشمنوں نے ایک مکروہ و بھیانک سازش کے تحت زہریلا ٹیکہ لگا کر آپ سے اکلوتا بیٹا چھین لیا

آپ کی شہادت کے تھوڑا عرصہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے سے نوازا ہے۔ باپ کی شہادت کے بعد ماں کو بیٹا اور چھ بہنوں کو ایک بھائی کامل جانا کسی حد تک ایک دعا رس اور سہارا ثابت ہو سکتا ہے۔ اللہ کرے کہ بیٹا اپنے شہید باپ کا صحیح جانشین ثابت ہو۔

بقیہ : عبدالخالق قدوسی

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

؎ شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ہمارے یہ اسلاف قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کے علمبردار تھے چنانچہ انہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے جانباز مرزا کے الفاظ میں اس امر کی عملی دعوت دی۔

؎ تم وہاں جاؤ تو ہو کر سرخ رو جاؤ
اور اپنے خون سے ہو کر باوضو جاؤ
خدا خود کہے میرا بندہ شہید ناز آیا ہے
محمدؐ آپ فرماویں میرا جانباز آیا ہے

شہید اسلام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی رحمہ اللہ

تحریر: قاضی محمد اسلم صاحب سیف فیروزپوری

موت اور اس کی بے پناہیاں ایک ایسی حقیقت ہیں جس کے بارے میں کبھی دو رائیں نہیں ہو سکتیں موت کا وقت متعین ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ موت کا پنجہ اس قدر مضبوط ہے کہ جو اس کے قابو میں آجاتا ہے وہ کسی قیمت بچ نہیں سکتا۔ موت کی گرفت اور اس کی سرگرمیاں ہر وقت رواں دواں ہیں موت جس گھر پہ برق طوفان بن کر گرتی ہے آن واحد میں ہنستے کھیلتے۔ خوشیوں سے معمور گھروں کو ویرانہ بنا دیتی ہے پھر موت کا وقت اگرچہ متعین ہے لیکن اس کی آمد اس کے عمل کی تیزی کا کسی کو علم نہیں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

موت کا سکہ ہر دم رواں ہے جیسا کہ اقبال مرحوم لکھتے ہیں

کلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزمِ خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجالِ شکوہ ہے، نے طاقتِ گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوقِ گلو افشار ہے،

لیکن موت موت میں فرق ہے بعض موتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ انہیں ہمسایہ اور پڑوسی بھی رونے کے لیے تیار نہیں بعض اموات عواقب و نتائج کے اعتبار سے پورے ملک کو متاثر کرتی ہیں بعض موتیں ملک بھر میں تہلکہ مچانے کا باعث بن جاتی ہیں۔ عوام صبر و شکیبائی سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں بعض اموات سے معاشرے کا پورا نظام تہہ و بالا ہو کر رہ جاتا ہے ہمارے ممدوح مولانا حبیب الرحمان یزدانی رحمہ اللہ شہید اسی قبیل سے ہی

تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ عرب شاعر کہتا ہے۔

وما کان هلك قيس هلك واحدٍ ولكنه بنيان قوم تهدّما

مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی شہید رحمۃ اللہ علیہ جنہیں شہید اور مرحوم لکھتے وقت قلم کانپتا۔ دل لرزتا اور ہاتھ کپکپاتا ہے چونکہ اس روز راقم الحروف ایک دور افتادہ گاؤں میں تھا جس کی وجہ سے مولانا یزدانی رح شہید کے جنازے میں شمولیت کی سعادت حاصل نہ کر سکا نہ ہی مولانا یزدانی رح شہید کا چہرہ انور دیکھ سکا۔ نہ ہی ان کے جنازہ کو کندھا دے سکا اس لیے راقم کے تصورات میں یزدانی صاحب کا چلتا پھرتا ہنستا کھیلتا میدانِ وغا میں دشمنان دین کو دھاڑتے اور سٹیج پر بدعتیوں ۔مشرکوں ۔بے دینوں ختم نبوت کے ڈاکوؤں اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے مخالفوں کو للکارتے للکارتے اور لتاڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی شہید رح کی ذات گرامی میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں۔ وہ محامد ومحاسن کا مجموعہ، اوصاف حمیدہ اور اخلاق جلیلہ کے مجسمہ تھے۔ عنفوان شباب میں ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام و مرتبہ وہ ہر دلعزیزی عطا فرمائی تھی جو بڑے بڑوں کو زندگی بھر محنتِ شاقہ سے بھی نصیب نہیں ہوتی ۔وہ دل کے غنی اور بات کے دھنی تھے۔ وہ حسن وجمال، زیبائی ورعنائی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے کردار کی پختگی اور اعمال کی درستگی میں بھی ان کو بے مثال خوبیوں سے نوازا تھا۔ ان کی خطابت کا طنطنہ، اس کی شجاعت کا دبدبہ، ان کی فصاحت کا ہمہ مسلم تھا ان کی خطابت کی جلوہ افروزیوں اور ان کی تبلیغ کی اثر آفرینیوں کا غلغلہ ہر جگہ سنا جاتا تھا۔

مولانا حبیب الرحمان یزدانی شہید گمنامی کی صفوں سے اٹھے اپنی محنت، خلوص جرأت ۔شجاعت۔ تہوّر، فصاحت، بلاغت۔ ذہانت ۔ فطانت اور زبان کی حلاوت سے شہرت کے آسمان پر پہنچے۔ شجاعت و بہادری میں اس دبلے پتلے انسان کو اللہ تعالیٰ نے شیرانِ غاب سے بڑھ کر قلب و اعصاب عطا فرمائے تھے۔ ۱۴ اگست ۱۹۸۴ کو دوپہر کے وقت جی ٹی روڈ کامونکی میں بھرے بازار میں بدعتیوں اور بزدلوں نے بلاوجہ مولانا یزدانی شہید پر چاقوؤں، چھروں اور خنجروں سے قاتلانہ حملہ کر دیا دشمنوں نے خنجروں کے پے در پے تیرہ وار کئے۔ مولانا یزدانی نے تمام تر وار اپنے سینہ پر برداشت کئے زخموں

کا معولی نشان بھی ان کی لپشت پر نہ تھا۔ دو ماہ ہسپتال میں موت و حیات کی کشمکش میں گزارے زخم اس قدر گہرے اور سنگین تھے کہ دیکھنے والا انہیں دیکھ کر ششدر رہ جاتا۔ اکثر احباب سرگوشیوں، چہ میگوئیوں اور اشاروں اشاروں میں یہ تبادلہ خیالات کرتے کہ شاید اب یزدانی شہید رحمہ اللہ کی گھن گرج ٹھنڈی پڑ جائے گی اور میدانِ وغا میں ان کی آواز خاموش ہو جائے گی لیکن ملک کا بچہ بچہ اس حقیقت سے آشنا ہے کہ مولانا یزدانی رحمہ اللہ جب صحت یاب ہو کر پھر سٹیج پر آئے تو ان کی گھن گرج للکار، یلغار اور دھاڑ پہلے سے بھی تیز تھی وہ فرمایا کرتے تھے جس قادرِ مطلق نے پے در پے تیرہ خنجروں کے حملوں سے مجھے محفوظ رکھا ہے اور مجھے دشمن کی گولیوں کی باڑ میں بھی محفوظ رکھے گا۔ ہر چہ بادہ باد میں توحید و سنت کا پرچم تلوار کی دھار پر کھیل کر بھی سر بلند رکھوں گا۔ اس راہ میں کٹ سکتا ہوں پلٹ نہیں سکتا۔ توحید و سنت کی راہ میں گردن کٹوائی جا سکتی ہے جھکائی نہیں جا سکتی۔

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسر میدان جھکی تو نہیں،

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا تختہ دار پر تڑپتا ہوا لاشہ اور ان کی والدہ محترمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی استقامت میرے لیے آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہے۔
خطابت کی رعنائیوں، فصاحت و بلاغت کی دل ربائیوں کے اعتبار سے وہ اپنے زمانے کے بے مثال مبلغ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطابت کو پہاڑوں کا سا شکوہ، دریاؤں کی سی روانی، آبشاروں کا خروش، سمندروں کی وسعت، صحراؤں اور کوہستانوں کی ہیبت، پھولوں کی سی مہک، مرغان خوش آواز کی حلاوت، بلبل کا نالہ، کوئل کی سی دل سوزی، سبزہ زاروں کی لطافت، بادشاہوں کا جلال، شاعروں کی رعنائی اور اہل اللہ کا سوز عطا فرمایا تھا۔ مولانا یزدانی بذاتِ خود ایک باکمال جامع خطابت انسان تھے۔ لیکن شہیدِ ملت علامہ مرحوم کی رفاقت نے ان کی خطابت کو دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ بنا ڈالا تھا۔ خطابت میں سیاست اور ادب و انشاء کی آمیزش نے ان کی خطابت کو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب بنا ڈالا تھا اب تو صورت حالات یہ تھی کہ مولانا یزدانی رحمہ اللہ اپنے تمام معاصرین اور پیش رو بزرگوں سے میلوں آگے نکل گئے تھے علامہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر کے بعد کوئی مبلغ نہ ٹک سکتا تھا نہ پبلک کو ٹکا سکتا تھا ملک بھر میں مولانا یزدانی کی واحد شخصیت

تھی جو علامہ صاحبؒ کی ساحری کے بعد عود کر لیتی۔ نوائے وقت کے کالم نویس نے کیا خوب لکھا ہے کہ یزدانی صاحبؒ بہت بڑے خطیب تھے علامہ صاحبؒ سے پہلے ان کا خطاب ہوتا وہ اپنی تقریر سے سماں باندھتے علامہ صاحبؒ ان کے خطاب کے بعد خطاب فرماتے اور ان کے سماں کو آسمان کی وسعتوں میں پھیلا دیتے قسام ازل سے مولانا یزدانیؒ کو فصاحت و بلاغت۔ تقریر و خطابت۔ وجاہت و سیادت، قابلیت و لیاقت کی تمام رعنائیاں بکثرت ملی تھیں جب لحن داؤدی میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے مجمع پر سکتہ طاری ہو جاتا بات ایسے سوز و گداز سے کرتے کہ سامعین کے دلوں میں اترتی چلی جاتی ان کی تقریر کی اثر آفرینی ما یخرج عن القلب یدخل فی القلب کی آئینہ دار ہوتی۔ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا تھا ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ پَر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

موصوف کی خطابت کی جولا نگاہ خیبر سے کیماڑی تک اور لاہور سے کوئٹہ تک پورا ملک تھا موصوف جب تبلیغی دوروں پر نکلتے تو سامعین دیدہ و دل فرشِ راہ کرتے ان کی محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ یوتھ فورس کے جیالے ان کے استقبال میں دیوانے ہو ہو جاتے کہتے ہیں کسی کی عظمتوں، رفعتوں اور بلندیوں کا صحیح اندازہ جیل میں لگتا ہے یا ریل میں اس بندۂ عاجز کو ان کے ساتھ جیل میں جانے کا تو کبھی اتفاق نہیں ہوا لیکن بسوں میں ریل میں اور ہوائی جہاز میں ان کے ساتھ بارہا سفر کیا ان کے ظاہر و باطن میں کبھی تضاد نہیں ہوا اور انہیں حضر کی طرح سفر میں بھی ہمیشہ بلند پایا انہوں نے کبھی دوستی دشمنی چھپا کر نہیں رکھی تھی دوستوں کے وہ سچے دوست تھے اور دشمن کا قبر کی دیواروں تک تعاقب کرنے کی وہ اہلیت رکھتے تھے لیکن جب کوئی ان کے در پر عفو و درگزری کے لیے حاضر ہو جاتا تو انہیں معاف کرنے میں انتہا درجہ کی لذت اور مسرت محسوس کرتے وہ متکبروں میں متکبر عاجزوں میں عاجز مہمان نوازی ان کی کمزوری تھی۔ عام مولویوں کی طرح گھر میں دوست و احباب سے ملنے سے گریز ان میں قطعاً نہیں تھا ان کا دستر خوان بہت وسیع تھا چونکہ خاندانی عالم تھے اس لیے ان کی ڈیرہ داری پورے ملک میں مشہور تھی جب کوئی مہمان آجاتا تو اکرام ضیف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی عزت و احترام اور خیر مقدم کے لیے بچھ بچھ جاتے وسعت ظرفی اور بلند اخلاقی

ان کی خاندانی عظمت تھی یتامیٰ۔ بیوگان، غریبوں، مسکینوں اور مفلوک الحال انسان سے محبت و احترام ان کا امتیازی وصف تھا۔ دو بار حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے تھے۔ ان کے حج کے رفقا اچھی طرح جانتے ہیں کہ دوران حج وہ کبھی کسی پر بوجھ نہیں بنتے تھے اور نہ کبھی انہوں نے یہ خواہش کی کہ میرا کام میری جگہ کوئی اور کرے حتیٰ کہ بعض چھوٹی عمر کے رفقاء سفر کے تقاضے کے باوجود اپنے کپڑے دھونے کیلیے انہیں نہیں دیئے گزشتہ سال حضرت مولانا محمد عبداللہ امیر جمعیت اہل حدیث پاکستان کی قیادت میں جمعیت اہل حدیث پاکستان کا جو وفد عراق اور سعودی عرب کے دورے پر گیا تھا مولانا موصوف بھی اس میں شامل تھے اور یہ وفد حج بیت اللہ کی فراغت کے بعد وطن واپس ہوا تقریباً دو ہفتے سے زائد ان کے ساتھ رفاقت رہی بیت اللہ میں تو ہم اکھٹے ہی رہتے تھے منیٰ میں بھی ہمارے خیمے قریب قریب تھے اس سفر میں بھی مولانا یزدانی" کا کردار، طرز عمل اور رفقاء سفر سے مل جل کر رہنا قابل رشک تھا۔

مولانا یزدانی" زندگی بھر صداقت کے علمبردار، حق کے حامی۔ راست گوئی و راست بازی کے مبلغ بن کر رہے کسی کی عظمت، شوکت، حشمت۔ قوت۔ اقتدار۔ اختیار اور دولت ان کو جادۂ حق سے نہ ہٹا سکی کوئی طمع و لالچ اور دولت کی عظیم پیش کش انہیں نہ خرید سکی اور نہ زیر کر سکی جمعیت اہل حدیث پاکستان کی نشاۃ ثانیہ میں ان کا کردار صاف ستھرا اور نہایت اجلا ہے وہ بات سوچ سمجھ کر اور من تول کر کرنے کے عادی تھے اور جب وہ فیصلہ کر لیتے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں متزلزل نہ کر سکتی اور دھڑے کے پکے اور سچی رفاقت کے صحیح علمبردار تھے دوستوں کے بارے میں سوء ظنی یا کسی وہم کا شکار ہونا ان کے نزدیک قطعی طور پر ناپسندیدہ فعل تھا۔ زندگانی کی گزرگاہوں میں انہیں بہت نشیب و فراز سے گزرنا پڑا۔ عمر بھر کی وہ کٹی منزلوں سے ہو کر گزرے پریشانیوں اور مشکلات نے بار بار ان کے راستے میں شدید رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی لیکن اخلاق و دیانت کا یہ پتلا نجابت و شرافت کا یہ مجسمہ، حق و صداقت کا یہ سراپا نہ کبھی ڈرا۔ نہ دبا۔ نہ بکا۔ وہ اکثر روایتی مولویوں سے بہت اعلیٰ و بالا تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں کسی منڈی کا مال نہیں جسے خریدا جا سکے ابھی کسی ماں نے وہ بیٹا نہیں جنا جو میرے ضمیر و ایمان کو خرید سکے۔ بعض جماعتیوں کی گھناؤنی سازشوں سے تنگ آ کر انہوں نے پاکستان جمہوری پارٹی

میں شمولیت کی بابائے سیاست، علمبردار جمہوریت نوابزادہ نصراللہ خاں ہمیشہ انہیں نہایت محبت پیار اور شفقت کی نظر سے دیکھتے اور اس پر فخر کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا یزدانی جیسا ہیرا اور لسان ہمیں عطا فرمایا ہے نواب زادہ نصراللہ خاں چونکہ ادیب، خطیب زعیم، صحافی، سیاست دان جمہوریت پسند، شاعر، سخن فہم اور سخن شناس انسان ہیں اس لیے وہ مولانا یزدانی سے بہت پیار سے پیش آتے بچوں کی طرح عزیز سمجھتے۔ مولانا یزدانی کا تدریسی علم بھی باقاعدہ تھا وہ عام جلسہ باز مولویوں اور قصہ گو واعظوں کی طرح سطحی علم نہیں رکھتے تھے ان کے ذوقِ علمی کا دائرہ خاصا وسیع تھا ان کی تحقیق و مطالعہ کا اندازہ ان کی تقریروں۔ ان کے خطبات جمعہ اور ان کی خریدی ہوئی کتب سے ہو سکتا ہے ان کی وسعتِ نظر کا اندازہ اس سے کیجئے کہ راقم اور بشیر انصاری صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو چھ روزنامے ان کی میز پر پڑے تھے جب ان سے دریافت کیا گیا کہ یزدانی صاحب چھ اخباروں کی کیا ضرورت ہے تو فرمانے لگے کہ ان اخباروں کا نقطۂ نگاہ الگ الگ ہے میں چاہتا ہوں کہ ان کے اداریے پڑھ کر اندازہ کر سکوں کہ صحیح موقف کس کا ہے بڑے دوست نواز ساتھی تھے وسعت ظرفی۔ بلند اخلاقی ان کی جبلت تھی۔ چند برس قبل راقم الحروف نے الاسلام اور ترجمان الحدیث کے اداریے لکھے جب ملتے تو خوب حوصلہ افزائی کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں تحمل، برداشت، حوصلہ اور رفقاء کے جذبات کے احترام کی خوبیاں بھی خوب عنایت فرمائی تھیں وہ اس قدر مخلص تھے کہ لبا اوقات جوش بیانی اور خطابت کی طغیانی میں ان سے اپنے مخالفوں کے بارے میں سبقتِ لسانی بھی ہو جاتی وہ دل کے اجلے اور کردار کے ستھرے تھے کینہ۔ بغض حسد۔ عداوت نام کی کسی چیز نے ان کے دل میں راہ نہیں پائی ان کے خلوص کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اکثر و بیشتر پاکستان اہل حدیث کانفرنس ماموں کانجن میں تشریف لاتے جب انہیں کرایہ وغیرہ پیش کیا جاتا تو وہ کہتے یہ میرا محسن ادارہ ہے میں اس سے کرایہ نہیں لوں گا کاموں کی سے گوجرانوالہ گوجرانوالہ سے نوشہرہ ورکاں سے مریدکے، مریدکے سے بدوملہی یہ ہمارا دائرہ کار رہا تھا۔ ماموں کانجن کانفرنس نے ہمیں ملک بھر میں متعارف کرایا وہ ادارہ جو ملک بھر میں تعارف کا ذریعہ بنتا ہے اس سے کرایہ لینا احسان فراموشی ہے اور سفلہ پن کی انتہا ہے صوم وصلواۃ کی پابندی

حج و زکوٰۃ کی ادائیگی منہیات سے اجتناب فضول گوئی سے احتراز ذکر و فکر کی عادت ان کا سرمایہ حیات ہے ایسا بے باک نڈر مخلص، ذہین و فطین، صاف گو۔ راست باز حق کا حامی صداقت کا علمبردار، جماعت کا مخلص راہنما۔ نظم و نسق کا پابند، مسلک کا شیدائی، توحید و سنت کا فدائی، لیل و نہار کی لاکھوں گردشوں کے بعد عالم وجود میں آتا ہے ایسی دیدہ ور شخصیت روز روز پیدا نہیں ہوتی ہائے ۲۳، ۲۴۔ ۱۹۸۷ کی مشترکہ رات کے بم کے دھماکے نے یہ متاعِ دین و دانش ہم سے چھین لیا۔ جبر و تشدد کے حامیوں نے ہماری متاعِ عزیز لوٹ لیا۔ مولانا یزدانی" بیوی بچے بچیوں۔ بوڑھی والدہ، بہنوں۔ بھائیوں اور کروڑوں انسانوں کو مغموم و سوگوار چھوڑ کر اپنے رب سے جا ملے۔ ہائے زمین کا ایک اور ستارہ لوٹ کر آسمان کے ستاروں سے جا ملا سچی بات ہے جب کاموں کی کے پاس سے گزرتے ہیں تو دل میں اک ہوک سی اٹھتی ہے دل بجھ کر رہ جاتا ہے جب حسرت بھری نگاہیں ان کے در و دیوار پر پڑتی ہیں تو بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے کہ

تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

میاں محمد جمیل کی موٹر میں راقم اور حافظ مقصود احمد جب شہر خموشاں میں ان کے ابدی گھر پر دعا کے لیے حاضر ہوئے تو پھر دل اور جذبات پر قابو نہ رہا اور وہاں سے فراغت کے بعد جب ان کی بیٹھک اور ڈیرے کی ویرانی کو دیکھا تو بے ساختہ زبان سے نکل گیا ؎ مجنوں جو چل بسا تو جنگل اداس ہے۔

یزدانی" صاحب کا خلا کہاں کہاں پُر ہو سکتا ہے یزدانی صاحب" کو ہم کیسے بھول سکتے ہیں۔ شاعر کی زبان میں یہی کہہ سکتے ہیں۔ ؎

خالی ہیں جام و سبو تیرے بعد

شائد علامہ اقبال رح ان کے بارے میں یہ کہہ گئے ہیں۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جذبات میں تلاطم ہے خیالات میں تموج ہے۔ مفصل کسی دوسری مجلس میں ان کی حیات مستعار پر قلم اٹھایا جائے گا اقبال رح کے اس شعر پر اپنے مغموم جذبات کو ختم کیا جاتا ہے ؎ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آہ! مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی رح

حضرۃ مولانا عبدالرشید صاحب راشد ہزاروی

یزدانی شہید

خطیب لاثانی، حق و صداقت کی نشانی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی شہید پاکستان بھر میں ایک منفرد اور یگانہ مقام رکھتے تھے شائد ہی کوئی قابلِ ذکر مقام ایسا ہوگا جہاں آپ نے کتاب وسنت کی آواز بلند نہ کی ہو مسلک اہل حدیث کی صحیح ترجمانی اور دعوتِ اتحاد کے لیے ہر لمحہ قوی جماعتی مسلکی درد دل میں رکھتے تھے حق گوئی کے لیے بڑی سے بڑی مصیبت کو بھی برداشت کیا۔ یوم آزادی کے موقع پر کاموںکی کے جی ٹی روڈ پر کس کا خون گرا؟ کس جرم میں؟ کس لیے ۱۱ خنجر لگے؟ علامہ حبیب الرحمان یزدانی ہی تھے فردِ جرم صرف اور حق گوئی ہی دکھائی دے رہا ہے۔

وما نقموا منهم الا ان یومنوا باللہ العزیز الحمید

یزدانی مرحوم کو موت کے منہ سے واپس رب العالمین نے کیا اور نئی زندگی عطا کی مگر یزدانی مرحوم کے خطاب میں ذرہ بھر بھی لچک نہ آئی اور نہ ہی کمی ہوئی بلکہ

اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے۔

کے مصداق مولانا نے اپنا مشن پہلے سے بھی زیادہ بہتر طور پر کھلے لفظوں پیش کرنا شروع کر دیا۔ ۱۸، اپریل ۱۹۸۶ء کو لاہور سے جس جلسہ عام کا آغاز ہوا اس کے بعد ملک کے بہت سے اہم شہروں میں کتنے ہی جلسہ عام ہوئے سب میں یزدانی شہید اور علامہ احسان الٰہی ظہیر کے خطاب مثالی ہوا کرتے اور سامعین ہر دو کے لیے جوق در جوق کھنچے چلے آیا کرتے تھے۔

کتاب وسنت

یزدانی شہید رحمۃ اللہ علیہ کو کتاب وسنت کی ترجمانی بلکہ اس کی اشاعت بزبانی یزدانی کا جو مقام ملا تھا اس میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ قرآن مجید کی آیات کو اپنے مخصوص انداز میں تلاوت کرتے تو سامعین بے اختیار سبحان اللہ پکار اٹھتے آیات کی تشریح میں احادیث سناتے

تو خطاب دو آتشہ ہو جاتا اور جب اس پر مزید پنجابی اشعار سناتے تو پھر یہ سہ آتشہ دکھائی دیتا۔ ہر خطاب کو کتنے ہی شائقین کیسٹوں میں محفوظ کر کے قریہ قریہ بستی بستی اور گھر گھر جا کر سناتے اور ہر جگہ سامعین ایمان کی تازگی کے لیے فرمائشی طور پر ان کا خطاب سنتے۔

تلاشِ حق کتنے ہی متلاشیان حق یزدانی شہید کے خطاب سے راہ مستقیم پر گامزن ہوئے اور کتنے ایسے بھی ہیں جو صرف مرحوم کی کیسٹ والی تقریر سن کر ہی خالص کتاب و سنت کے پیروکار بن گئے مرحوم کی فکر ہمیشہ گم گشتہ راہ بھائیوں کے لیے زیادہ ہوا کرتی اور کوشش کرتے کہ حق بات صاف صاف لفظوں میں پیش کر دیں

رفاقتِ حق جمعیت اہل حدیث پاکستان کی اعلیٰ قیادت میں مولانا یزدانی کا نام کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ناظم تبلیغ اور پھر نائب ناظم کے منصب پر اراکینِ شوریٰ نے ہمیشہ ان کو منتخب فرمایا ناظم اعلیٰ کے رفیق بنے

اور رفاقت کا حق خوب ادا کیا عموماً تبلیغی جلسوں پر دونوں اکھٹے جاتے اکثر علامہ صاحب کا اختتامی خطاب ہوتا یا پھر مولانا یزدانی کا اختتامی خطاب ہو جاتا۔ ہر دو جب جلسہ میں آجاتے تو یہ جلسہ کامیاب ترین ہو جاتا۔ آخری جلسہ میں بھی پہلے خطاب یزدانی شہید کا اور اختتامی خطاب شہید ملت کا ہوا اور آئندہ منزل پر بھی اسی طرح جا پہنچے کہ یزدانی شہید پہلے رخصت ہوئے اور ان کے بعد علامہ صاحب رختِ سفر باندھ گئے براستہ مدینہ منورہ جنت کی بہاروں میں جا شریک ہوئے۔

اللھم اغفرلھم وارحمھم آمین

مولانا یزدانی شہیدؒ	مولانا قدوسی شہیدؒ
شرک و بدعت لرزلرز جاتے	اک مفکر جناب قدوسی
جب گرجتا تھا شیر ربانی	علم پنہاں تھا جسکے سینے میں
سر چھپاتے کفر کے کرگس	وہ کہ تھا ایک گوہر نایاب
جب بھی میداں میں آتا یزدانی	اہل توحید کے خزینے میں

جناب محمد طاہر محمدی

مولانا یزدانی اپنے وقت کے ممتاز اور شعلہ نوا خطیب تھے ان کی خطابت میں تلوار کی سی کاٹ بھی تھی اور سخت سے سخت دلوں کو پگھلا دینے والا درد و سوز بھی یہی وہ جوہر جانِ خطابت ہوتی ہیں جن سے موصوف کی خطابت مزین تھی واقعہ یہ ہے کہ ایسے خطیب روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ لیل و نہار کی ہزاروں گردشوں کے بعد ہی ایسے خطیب جنم لیتے ہیں۔

علاوہ ازیں عزم و ارادہ کے لحاظ سے ایک پیکرِ آہن تھے اور میدانِ دعوت و تبلیغ میں کوہِ ہمالہ، شرک و بدعت کی تردید میں سیفِ بُرّاں تھے اور قوتِ استدلال میں برہانِ قاطع و حجتِ ساطع ان کی شخصیت بلاشبہ شرک و بدعت کے اندھیاروں میں قندیلِ ربانی کی حیثیت رکھتی تھی اور ان کی آستانہ اہل بدعت و اہل شرک کے لئے گرزِ ابرہہ شکن سے کم نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ وہ اہل بدعت کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتے تھے بلکہ ایک مرتبہ آج سے دو سال قبل ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا عطا فرمائی اور وہ صحت یاب ہو گئے اور پھر اسی طرح توحید و سنت کی اشاعت و تبلیغ میں مصروف ہو گئے اور تا دمِ واپسیں دعوت و تبلیغ کے مشن میں لگے رہے یہاں تک کہ جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ غفر لہ و رحمہ

مولانا یزدانی ابھی تقریباً جوان ہی تھے بمشکل چالیس سال عمر رہی ہو گی جوانی کی امنگیں اور جذبات بھی جوان تھے جوانی میں جذبات کی شدت کا جو عالم ہوتا ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں بالخصوص جبکہ خطابت کا جوش اور تکلم کا خروش بھی ہم عناں ہو تو پھر جذبات کی بے پناہی ایک سیلاب کا سا رخ اختیار کر لیتی ہے جو اپنوں اور بیگانوں میں تمیز نہیں کرتا جماعت میں تنظیمی اختلاف ایک عرصے سے چلا آ رہا ہے اس لئے بعض دفعہ جماعت کی دوسری تنظیم سے وابستہ افراد بھی ان کی خطابت کے جوشِ فراواں کی زد میں آ جاتے تھے اور یوں ان کی حریفانہ بذلہ سنجیاں اگرچہ بہت سے لوگوں کی تفریحِ طبع کا باعث ہوتیں لیکن جماعتی اختلافات کی

خلیج کو پاٹنے کے خواہاں افراد اسے ناپسند کرتے تھے چونکہ وہ اپنے جذبات کے اظہار میں کسی مصلحت خوف اور مفاد کو ملحوظ رکھنے کے روادار نہ تھے۔ اس سے جماعتی نقطۂ نظر میں بھی ان کی گفتگو بالعموم واضح، دو ٹوک اور اپنے خیال کے مطابق، زہر ہلاہل "کو" "قند" نہ کہنے کی پالیسی کی مظہر ہوتی تھی۔

بہر حال مولانا موصوف کلمۂ حق کہنے اور اس کی پشتیبانی میں نہ کسی زور رعایت کے قائل تھے نہ کسی مفاد کو خاطر میں لانے کے، جسے حق سمجھا اسے برملا بیان کیا، نہ اپنوں کی محبت اس میں آڑے آئی اور نہ بیگانوں کا خوف اس میں حائل ہوا، حتیٰ کہ قید و بند کی صعوبتیں اور دار و رسن کے اندیشے بھی انہیں دعوت و تبلیغ سے نہ روک سکے۔

یا اللہ! یہ تیرا بے باک بندہ اپنی حیاتِ مستعارہ کے ایام گذار کر اب تیرے حضور حاضر ہو گیا ہے اور یا اللہ! تو جانتا ہے کہ اس نے تیری توحید کا ڈنکا بجاتے ہوئے جام شہادت نوش کیا ہے۔ تیرے پیغمبر ﷺ کی سنت کا احیاء کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوا ہے۔ تیرے دین میں جو نئی نئی بدعات ایجاد کی جا رہی ہیں۔ ان کے خلاف جہاد کرتے ہوئے موت کا نشانہ بنا ہے۔ یا اللہ! اس کی تبلیغی خدمات قبول فرما کر اس کے گناہوں پر قلم عفو پھیر دے اس کی لغزشوں سے درگزر فرما کر اپنے دامانِ رحمت میں اسے ڈھانپ لے اور اپنے فضل و کرم کے سلسبیل سے اور اپنی مغفرت کے کوثر سے اسے سیراب فرما۔

تنظیم اہل حدیث
۲۶ مارچ ۱۹۸۷

کہتے ہیں آج قدوسی جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

مفکر اہلحدیث
حضرت مولانا عبدالخالق قدوسی
رحمۃ اللہ علیہ شہید

مولانا عبدالخالق قدوسی شہیدؒ

عمر فاروق ابن القدوسی شہید
و بنت القدوسی شہیدؒ

تلخیص و ترتیب : میاں محمد یوسف سجاد

مولانا عبدالخالق قدوسی عامۃ الناس کے لیئے ایک غیر معروف شخصیت ہو سکتے ہیں۔ لیکن اہل علم طبقہ میں آپ محتاج تعارف نہیں تھے۔ آپ ایک کہنہ مشق اُستاد۔ بلند پایہ محقق۔ کثیر المطالعہ شخصیت اور انتہائی متین عالم دین تھے۔ جمعیت اہل حدیث پاکستان کے مشیر باتدبیر اور صاحب الرائے دانشور تھے۔ اُردو بازار لاہور میں "مکتبہ قدوسیہ" کے نام سے ایک کاروباری اور اشاعتی ادارہ قائم کر رکھا تھا۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو قلعہ لچھمن سنگھ راوی پارک لاہور کے سانحہ میں شہید ہونے والوں میں آپ "شہید اول" ہیں۔ آپ بم کے اس دھماکہ میں موقع پر ہی انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ولادت۔

آپ ۱۹۳۹ء میں ضلع شیخوپورہ کے شمال میں گوجرانوالہ روڈ پر تقریباً دو میل کے فاصلے پر واقع ایک گاؤں "کوٹ رنجیت" میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حاجی غلام محمد صوم وصلوٰۃ کے پابند اور متقی اللسان تھے۔ دیگر افراد خاندان سے مختلف صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ پیشہ کھیتی باڑی تھا۔ لیکن جامع مسجد اہل حدیث میں امامت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔

مولانا قدوسی کو دس سال کی عمر میں شیخوپورہ کے پرائمری سکول میں داخل کروایا گیا۔ اور آپ نے پرائمری تک تعلیم امتیازی حیثیت سے حاصل کی۔ مزید رسمی تعلیم حاصل کرنے کی طرف راغب نہ ہو سکے۔ کیونکہ آپ کا طبعی میلان مذہبی تعلیم کے حصول کی طرف تھا۔ آپ کے والد نے آپ کو طب کی تعلیم کے حصول کے لیئے نزدیکی گاؤں "ودھیرا ڈوگراں" بھیج دیا۔ وہاں مولانا عمر الدین نے آپ کے میلانِ طبع کو دیکھتے ہوئے دینی تعلیم دینا شروع کر دی۔ یہاں آپ نے تقریباً پانچ ماہ کا عرصہ گزارا، ابواب الصرف کے ابتدائی بیس ابواب صرف بہائی۔ قانونچہ کیموالی۔ کلید مصادر۔ مالابدمنہ اور شکرستان پڑھیں۔ آپ کو کسی بڑے مدرسے میں جانے کا بہت شوق تھا۔ لہٰذا والدین کو اطلاع دیئے بغیر یہاں آپ جھوک داؤ وناندلیانوالہ میں حضرت میاں محمد باقر کے مدرسے میں چلے

گئے۔ یہاں آکر والدین کو یہاں آنے کی اطلاع دی۔ آپ نے یہاں بہت تکلیف وقت گزارا کپڑوں کا صرف ایک جوڑا اس مرد درویش کا اثاثہ تھا۔ اس کو دھوتے اور اسی کو پہنتے۔ روپیہ پیسہ ندارد۔ جب آپ جھوک دادو مدرسہ میں آئے تو کافی نصاب پڑھایا جا چکا تھا۔ انہوں نے میاں صاحب سے استدعا کی کہ دوسری جماعت میں بٹھا دیا جائے۔ لیکن میاں صاحب نے انکار فرمایا۔ اور پہلی جماعت ہی میں بیٹھنے کو کہا۔ مولانا قدوسی کے اصرار پر میاں صاحب نے اس شرط پر آپ کو دوسری جماعت میں بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرما دی کہ اگر آئندہ امتحان میں ناکام ہوئے تو پھر پہلی جماعت میں بیٹھنا ہوگا۔ آپ نے ان کی اس شرط کو خندہ پیشانی سے قبول کرلیا۔ جب امتحانات منعقد ہوئے تو آپ اول رہے۔ جس سے تمام اساتذہ آپ کی ذہانت کے معترف ہو گئے۔ یہاں آپ نے مولانا عتیق اللہ بن محمد باقر سے مالا بد منہ کے آخری اسباق اور چند دیگر کتب پڑھیں۔ مولانا سعید رشید سے دوسری جماعت کی تعلیم حاصل کی۔ نصاب میں قرآن مجید اور بلوغ المرام کے علاوہ نو مزید کتابیں تھیں آپ کو یہاں کا طریق تدریس بہت پسند تھا۔ اور آپ میاں محمد باقرؒ جیسی عالم باعمل شخصیت سے بہت زیادہ متاثر تھے۔

آمد جامعہ سلفیہ۔

ابتدائی دو جماعتیں جھوک دادو میں پڑھنے کے بعد آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد چلے آئے، اور یہاں تیسری جماعت میں داخل ہو گئے۔

یہاں آپ نے مولانا محمد صدیق فیصل آبادی۔ مولانا محمد اسحاق چیمہ اور مولانا محمد حسین سے کسب فیض کیا۔ مولانا چیمہ آپ کے پسندیدہ استاد تھے۔ بعد میں کچھ عرصہ آپ نے یہاں مولانا شریف اللہ سواتی مولانا عبد الغفار اور محدث العصر حضرت مولانا حافظ محمد گوندلویؒ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ اور اکثر کتب حضرت حافظ صاحبؒ سے پڑھیں۔ ان کے متعلق قدوسی صاحب کہا کرتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب علماء کے بے تاج بادشاہ ہیں۔

جھوک دادو میں واپسی۔

مولانا قدوسی صاحب نے جب جامعہ سلفیہ میں چوتھی جماعت کا امتحان دیا تو جامعہ سے،

ابتدائی جماعتیں ختم کر دی گئیں۔ اس پر آپ کو واپس جھوک دادو جانا پڑا۔ یہاں آپ نے مزید ایک سال گزارا۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد حسین۔ مولانا مختار احمد اور مولانا محمد یعقوب کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اس سال بھی آپ امتحان میں اوّل رہے۔ چونکہ آپ بہت صاحبِ تقویٰ تھے۔ اس لیئے مولانا محمد یعقوب آپ کو قدوسی کے نام سے پکارتے۔ جو بعد میں مستقلاً آپ کے نام کا حصہ بن گیا۔

دوبارہ جامعہ سلفیہ میں۔

اس سال کے بعد مولانا قدوسی نے پھر جامعہ سلفیہ جانے کا ارادہ کیا۔ جس میں آپ کامیاب ہو گئے۔ اور ۱۹۶۲ء میں جامعہ سے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس سال آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیئے داخل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مولانا محمد اسماعیل سلفی نے آپ کو یہ فرما کر روک لیا کہ تمہارے جیسے ذہین وفطین آدمی کی یہاں پاکستان میں زیادہ ضرورت ہے۔

تدریسی خدمات

۱۹۶۳ء میں آپ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں منصبِ تدریس پر فائز ہوئے۔ یہاں آپ پانچویں اور چھٹی جماعت کی کتب پڑھاتے۔ اور ساتھ ہی "کھوکھرکی" کی جامع مسجد اہلحدیث میں کارِ خطابت سرانجام دیتے۔ گوجرانوالہ اور شیخوپورہ میں خطبہ جمعہ بھی دیتے رہے۔ مولانا سلفیؒ کے حکم پر جامعہ سلفیہ کے امتحانی پرچہ جات بھی آپ ترتیب دیا کرتے تھے۔

ازدواج۔

اپریل ۱۹۶۵ء میں لاہور میں آپ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ مولانا عبدالمجید آپ کے سسر محترم تھے۔ آپ کی شادی میں بہت سے جمعیت اہل حدیث کے مرکزی قائدین شامل ہوئے مولانا سلفیؒ نے آپ کا نکاح پڑھایا۔

لاہور میں آمد۔

۱۹۶۶ء کے اوائل میں گوجرانوالہ کو خیر باد کہہ کر لاہور رہائش اختیار کی۔ اور مدرسہ دارالحدیث چینیانوالی میں تدریسی خدمات انجام دینا شروع کیں۔ اسی سال آپ نے جامعہ سلفیہ کے پرچہ جات

مرتب کیے۔ ان دنوں مولانا اسحاق الرحمان چینیانوالی مسجد کے خطیب تھے۔ اور مولانا قدوسی اپنے گاؤں کوٹ رنجیت میں خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے۔ مولانا اسحاق کی علالت کی بنا پر اُن کی جگہ چھ ماہ تک خطابت اور درس قرآن بعد از نماز فجر جیسی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ انہی دنوں شہید ملت حضرت مولانا احسان الٰہی ظہیر مسجد ہذا کے خطیب مقرر ہو گئے۔ اب مولانا قدوسی کو کوئی معقول سا ذاتی کاروبار کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ کاروبار کا انتخاب آپ نے اپنی طبیعت اور ذوق کے مطابق کیا۔ کچھ عرصہ علامہ شہید کے ساتھ مل کر بھی کاروبار کیا۔ مکتبہ قدوسیہ کے نام سے یہ ادارہ کچھ عرصہ تک مدرسہ دار الحدیث چینیانوالی میں جاری رہا۔ پھر شیخ محمد اشرف صاحب کے دفتر ایبک روڈ میں منتقل ہو گیا۔ یہاں سے پاپڑ منڈی اور کشمیری بازار سے ہوتا ہوا، اردو بازار میں منتقل ہو گیا جو اب تک قائم ہے۔

کراچی آمد۔

۱۹۷۰ء میں کاروبار کے سلسلہ میں آپ کراچی چلے گئے۔ وہاں آپ نے کاروبار کے ساتھ ساتھ جمعیت اہل حدیث کے ایک مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ درس و تدریس سے فراغت پاتے پر آپ دار الاشاعت کراچی، نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب اور مکتبہ عباسیہ میں چلے جاتے۔ اور اکثر کاروباری حضرات سے رابطہ رکھتے۔

علم دوستی۔

مولانا قدوسی ایک علم دوست شخصیت تھے۔ اعلیٰ علمی اور تحقیقی ذوق پایا تھا۔ علم اسماء الرجال کے شہسوار تھے۔ اردو۔ عربی اور پنجابی میں شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ ۱۹۷۴ء کی اسلامی سربراہی کانفرنس منعقدہ لاہور کے موقعہ پر آپ نے ایک عربی نظم لکھی، جو ہفت روزہ "الاعتصام" کے سرورق اور روزنامہ "نوائے وقت" میں شائع ہوئی۔

مسجد چینیانوالی میں تدریس کے دوران "طلوع اسلام" کے ایک مضمون نگار "تمنا عمادی" کے مضمون کے تعاقب میں امام ابن جریر طبریؒ کا دفاع کیا۔ آپ کی اس خالصتاً تحقیقی کاوش کی ملک کے علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی ہوئی۔

مقلدین حضرات اپنی بلا اہلحدیث کے سر پر ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کی طرف سے اہل حدیث کو انگریزوں کا وفادار ثابت کرنے کی سعیٔ مذموم کے جواب میں مولانا قدوسی نے " اسلافِ دیوبند اور انگریز " نام سے ایک طویل مضمون لکھا۔ جو "الاعتصام" میں اشاعت پذیر ہوا۔ اور بعد میں صاحبزادہ برق التوحیدی کی کتاب " علماء دیوبند اور انگریز " میں شامل ہوا۔

آپ نے محدث العصر حضرت حافظ محمد گوندلوی اور حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے حالاتِ زندگی لکھے۔ "مولانا محمد حسین بٹالوی و قادیانیت" پر آپ کا مضمون ایک معرکۃ الآراء دستاویز ہے۔ تاریخ اہل حدیث آپ کا خاص موضوع تھا۔ آپ نے تاریخ اہلحدیث پر ابھی لکھنا شروع ہی کیا تھا کہ جام شہادت نوش کرنے کا وقت موعود آن پہنچا۔ آپ تاریخ اہل حدیث کے نام سے ایک جامع اور مفصل تاریخ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جو خیر القرون سے دورِ حاضر تک چودہ سو سال پر محیط مکمل دستاویز ہو۔

مکتبہ قدوسیہ بظاہر مولانا قدوسیؒ کا ایک کاروباری ادارہ تھا۔ لیکن درحقیقت یہ ایک علمی اور تحقیقی مرکز تھا۔ جہاں اکثر اہل علم مولانا سے علمی گفتگو کرتے۔ اور حوالہ جات کے سلسلہ میں ان سے استفادہ کرتے۔

راقم الحروف کو جب کبھی مکتبہ پہ جانے کا اتفاق ہوا۔ یاد نہیں پڑتا کہ آپ کبھی فارغ بیٹھے ہوں سر جھکائے محو مطالعہ ہیں۔ اور کسی بھی تحریر کو بغیر پڑھے رکھنے کے عادی نہ تھے۔

"مجلہ جامعہ ابراہیمیہ" پر بھرپور تبصرہ فرمایا کرتے تھے۔ حوصلہ افزائی اور داد و تحسین کے ساتھ ساتھ بڑی معنی خیز اور تعمیری تنقید بھی ہوتی تھی۔ لیکن اس کے بعد مفید مشوروں اور اپنی قیمتی معلومات سے بھی نوازتے تھے۔ ان کی بھرپور انداز میں بحث سے میں بڑا محظوظ ہوتا۔ اور یہ محسوس کر کے بڑی فرحت ہوتی کہ مولانا قدوسیؒ نے مضامین مجلہ کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا ہے۔

جماعتی سیاست میں حصہ۔

مولانا قدوسیؒ جمعیت اہل حدیث میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ نے زمانہ طالب علمی

ہی میں جماعتی سیاست میں عمل دخل شروع کر دیا تھا۔ باقاعدہ سیاست کا آغاز گوجرانوالہ سے کیا۔ ضلعی جمعیت میں شامل ہوئے۔ اور ضلعی جمعیت کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔

گوجرانوالہ سے لاہور منتخب ہوئے۔ تو علامہ شہید کے مزاج سے ہم آہنگی کی بنا پر سیاست میں کافی آگے آ گئے۔ اور اب تو آپ کا جمعیت کے پالیسی سازوں میں شمار ہوتا تھا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید سے مراسم۔

علامہ شہید کے دستِ راست، رازدار اور انتہائی قابلِ اعتماد دوست تھے۔ علامہ صاحب نے کبھی کوئی کام ان کے مشورے کے بغیر نہیں کیا تھا۔ وہ اکثر اوقات مکتبہ قدوسیہ میں آ کر ان سے مختلف جماعتی و سیاسی اور علمی و تحقیقی موضوعات پر تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے۔ اور کسی مصروفیت یا دیگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہاں نہ جا سکنے پر مولانا قدوسیؒ کو اپنے مکان پر بلا لیتے تھے۔

مولانا قدوسیؒ نے علامہ شہید کی رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ اپنی زندگی میں علامہ صاحب کا دفاع کرنا گویا وہ ایک فریضہ سمجھتے تھے۔ ان کے خلاف کوئی بات سننا آپ کو قطعاً گوارا نہ تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے آپ کو انتہائی منکسر المزاج، حقیقت پسند۔ دلائل کی زبان میں گفتگو کرنے والا۔ سراپا علم و عمل اور جماعت کا درد رکھنے والا عالمِ دین پایا۔

اللّٰھمّ اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

اس بہادر نبی کے وارث اگر کوئی ہیں اس روئے زمین پر، تو صرف اہلحدیث ہیں۔ اسکا سبب یہ ہے کہ اوروں نے نبی کے بعد اپنی راہنمائی کیلئے اوروں سے رشتے استوار کر لیے اور ہم نے اوروں کے چہرے دیکھ کر اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور کہا ہے

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر ۔ اور اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

واللہ! ہم کو اس نگاہ کی ضرورت ہی نہیں ہے جو مصطفےٰ کے چہرے کو دیکھ کر کسی اور چہرے کی تلاش میں نکلے ہم اس نگاہ کو چاہتے ہی نہیں ہیں۔ ہمارے لیے تو بس یہ کا رخِ زیبا کافی ہے۔ جس کیلئے کہنے والے نے کہا تھا۔

یا صاحب الجمال ویا سید البشر ۞ من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ ۞ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(مجلہ الاعتصام ۱۲، ربیع الاول ۱۹۸۴ء جامع اہل لاہور)

مولانا عبدالخالق قدوسیؒ کی شہادت

تحریر قاضی محمد اسلم صاحب سیف فیروز پوری

جولائی ۱۹۵۷ء کی بات ہے کہ جامعہ سلفیہ کی سپیشل کلاس لاہور سے جامع اہلحدیث امین پور بازار فیصل آباد منتقل کر دی گئی سپیشل کلاس کے ساتھ ساتھ جامعہ سلفیہ کا عام داخلہ بھی شروع کر دیا گیا سلفیہ کی تعمیرات بڑے زور و شور سے مولانا عبیداللہ احرار مرحوم کی نگرانی میں شروع تھیں مولانا محمد اسحاق چیمہ ان دنوں خاموش زندگی گزار رہے تھے مولانا محی الدین احمد بی اے قصوری مرحوم ناظم تعلیمات تھے۔ مولانا سید داؤد غزنوی مرحوم ان دنوں جماعت کے امیر تھے مولانا محمد اسمٰعیل سلفی مرحوم جماعت کے ناظم اعلیٰ تھے۔ مولانا محمد صدیق فیصل آبادی جامعہ سلفیہ کے ناظم بنائے گئے لیکن وہ ابھی چند ماہ بھی اسے چلانے نہ پائے تھے کہ بری طرح ناکام ہو گئے، پھر اس کی نظامت مولانا محمد اسحاق چیمہ کے پاس آ گئی، مولانا محمد اسحاق چیمہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں محنت شاقہ مولانا محمد رفیق مدن پوری مرحوم، مولانا حکیم محمد یعقوب بھابڑہ، مولانا عبیداللہ احرار مرحوم ایسے رفقاء کے تعاون اور مولانا سید داؤد غزنوی مرحوم کی سرپرستی سے جامعہ سلفیہ کے نظام کو بہت اعلیٰ طریقے سے چلایا اسے تعلیمی و تدریسی بنیادیں مہیا کر کے دیں اور اس کے نظام چلانے کا ایسا طریق وضع کیا کہ آج تک وہی بنیادیں جامعہ سلفیہ کی نتائج خیزی کا باعث ہیں گویا کہ وہی نظام جامعہ سلفیہ مولانا محمد اسحاق چیمہ کا صدقہ جاریہ ہے۔ مولانا سید داؤد غزنویؒ نے ہمت مردانہ فراست مومنانہ اور بصیرت متقیانہ سے کام لے کر حاجی محمد ابراہیم انصاری مرحوم سے استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ محمد گوندلویؒ کو سلفیہ میں لے آئے مولانا محمد عبدہ الفلاحؒ مولانا شریف اللہ خانؒ اور مولانا عبدالحیٰ بھی ان دنوں جامعہ سلفیہ میں استاذ تھے طلباء کا داخلہ زیادہ تھا استاذ کم تھے۔ کام نیا نیا تھا۔ مولانا عبیداللہ احرار اور مولانا محی الدین احمد سلفی مرحوم نے راقم الحروف، مولانا محمد اسمٰعیل حلیم اور مولانا حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی کے ذمہ

چھوٹی جماعتوں کے کچھ اسباق لگا دیئے۔ مولانا عبدالخالق قدوسیؒ ، مولانا سلیم اللہ کیرپوری ،
مولانا محمد خان ثاقب داھلہ، مولوی محمد ایوب، مولانا محمد دین جاوید۔ مولانا حبیب اللہ بہاولپوری
ابتدائی جماعت میں تھے ان کے تین اسباق راقم کے ذمہ تھے وہ دن اور مولانا قدوسی شہیدؒ
کا آخری دن ہمارے تعلقات میں استواری تو آئی لیکن کمی نہیں آئی راقم السطور اور مولانا
محمد اسحاق بھٹی نے لاہور سے سہ روزہ منہاج جاری کر لیا۔ مولانا عبدالخالق قدوسی نے اپنی
تمام تر تعلیم جامعہ سلفیہ میں حاصل کی۔

مولوی فضل الرحمان بن مولانا محمد حسین بھی کچھ عرصہ وہاں رہے لیکن ٹک نہ سکے تعلیم سے
فراغت کے بعد مولانا عبدالخالق قدوسی کے لیے کئی راہیں تھیں لیکن اس درویش خدامست
نے فقرو فاقہ کی راہ اختیار کی عسر و تنگدستی کو خندہ پیشانی سے قبول کیا خوشحالی فارغ البالی
کی راہوں کو بھاری پتھر سمجھ کر چوم کر چھوڑ دیا لیکن اپنے ذوق علمی کی تسکین اور اپنے رجحان
تحقیق کا دامن نہ چھوڑا۔ مولانا قدوسیؒ ایک غریب خاندان کے چشم و چراغ تھے لیکن خودداری
عزت نفس کی پاسداری ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بکثرت ودیعت ہوئی تھی دینی غیرت
مسلکی حمیت، جماعتی نظم و نسق اور جماعتی عظمت کے احساس میں کوئی نوجوان عالم ان کی ہمسری
کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ خندہ روئی۔ خندہ پیشانی سے پیش آنا، حسن اخلاق، حسنِ معاملہ،
شیریں گفتگو، مولانا قدوسیؒ کے وہ امتیازی اوصاف ہیں جن کے یگانے تو یگانے بیگانے
بھی معترف ہیں۔ معاملہ فہمی، کردار کی صفائی، بصیرت کی اونچائی، معاملات کی درستگی
کاروبار میں دیانت داری کے اعتبار سے مولانا قدوسیؒ عصر حاضر کی ایک منفرد شخصیت
تھے اپنے تجارتی مکتبہ کے ساتھ ساتھ ان کا ذاتی کتب خانہ نہایت علمی کتابوں پر مشتمل
ہے فراہمی کتب، مطالعہ کتب، ذوق جستجو ان کا زندگی بھر کا لازمہ رہے مولانا قدوسی
کی سعی و جستجو سے خستہ حال مغلوں کے دورِ اوّل کا ایک لکھا ہوا قرآن پاک کہیں سے
دستیاب ہو گیا اس میں کئی اوراق خستہ اور پھٹے ہوئے تھے مولانا قدوسی نے ان خستہ
اور کٹے پھٹے اوراق کو درست کیا ہمت مردانہ اور سعی مسلسل سے کام لے کر خامی محنت و
جستجو سے ان اوراق میں قرآن کی پرانی کتابت کے مطابق خالی جگہوں کو قرآنی آیات
سے پُر کروایا محکمہ اوقاف پنجاب نے علم دوستی اور محبت قرآن کا ثبوت دیتے ہوئے
مولانا قدوسی کو ایک خطیر رقم دے کر وہ قرآن پاک حاصل کر لیا یہی رقم مکتبہ قدوسیہ

کا بنیادی پتھر ثابت ہوئی۔ مولانا قدوسیؒ نے اپنی مالی تنگ دامانی کے باوجود نہایت علمی تحقیقی اور ضخیم کتابیں شائع کر کے اہل علم کے ذوق کا سامان مہیا کیا۔ تاریخ اور رجال مولانا قدوسی کا خاص موضوع تھا مسلک اور اس کے نشیب و فراز اور تاریخ اہل حدیث کی کلیات اور جزیات پر ان کی نظر بہت وسیع تھی مولانا عبدالرشید نعمانی دیوبندیؒ نے ایک مرتبہ تاریخ و تحقیق کے نام پر اہل حدیث کے خلاف نہایت جارحانہ مضمون قلمبند مولانا عبدالخالق قدوسیؒ نے ہفت روزہ الاعتصام کی متعدد اشاعتوں میں ان کے جواب میں فاضلانہ محققانہ اور نہایت مدلل مضمون سپرد قلم کیا۔ مولانا قدوسی کی تحریروں میں جہاں تحقیق و تدقیق نمایاں ہوتی وہاں ان کی شوخ چشمانہ ادبی انداز بھی عیاں ہوتا زبان و بیان کی حلاوت ادب و انشاء کی شیرینی ان کی خامہ فرسائی کے جزو اعظم تھے شوکتِ الفاظ اور عظمتِ بیان کے اعتبار سے مولانا قدوسیؒ کی تحریروں میں مولانا سلفی مرحوم کی جھلک ہویدا تھی۔ گاہے گاہے ان کا حاصلِ مطالعہ اور ان کے رشحاتِ قلم "الاسلام" میں بھی شائع ہوتے رہتے تھے سیاسی بصیرت اور جمہوریت نوازی میں مولانا قدوسیؒ اپنے اقران و اماثل میں فائق سمجھے جاتے تھے علمی جدت و ندرت اور مطالعہ کے تنوع میں وہ مثالی نوجوان تھے ذوق تحقیق اور شوقِ مطالعہ میں نوجوان ہونے کے ساتھ ان کی وسعتِ علم۔ ان کی وسعت تحقیق ان کی دینی بصیرت ان کی سیاسی فراست اصاغر و اکابرین ہمیشہ مسلم رہی مولانا قدوسی کی مسلکی حمیت کا اندازہ کیجیے کہ فقر و فاقہ کے مجسم دبلے پتلے انسان نے لاہور میں کتابوں کے دل اردو بازار میں اہل حدیث مارکیٹ کے نام سے مسلکی نوجوانوں کی کتابوں کی ایک پوری مارکیٹ بنا ڈالی۔ مولانا قدوسی بظاہر ایک چھوٹے سے مکتبہ میں قوت لایموت کا سامان مہیا کرتے لیکن عملاً ان کا یہ آشیانہ علم و آگہی، تحقیق و دانش۔ ادب و انشاء، مسائل و احکام، تاریخ و سیر دین و دانش کے حصول کا ایک عظیم مرکز تھا جب بھی مولانا قدوسی صاحبؒ کو ملنے گئے تو دو چار اہلِ علم وہاں براجمان ہوتے وہ انہیں کتابوں کے حوالے مہیا کرتے ان کو مطالعہ کا انداز بتاتے اور وہ ان کے لیے کتب مطالعہ کی راہنمائی اور مختلف موضوعات پر ان کے سامنے جماعتی مؤقف بیان کرتے خطیب ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید سے انہیں والہانہ عقیدت تھی جمعیت اہل حدیث پاکستان کی نشاۃ ثانیہ میں نہایت مخلص ساتھی اور اس کے ابتدائی رفقاء میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔

جماعتی مجالس میں ان کی اصابت رائے ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھی جاتی۔ شہید ملت علامہ مرحوم کا ہمیشہ انہیں اعتماد حاصل رہا۔ وہ اپنی رائے کے اظہار میں بیباک، بے لاگ اور بے لوث تھے جماعت یا دینی تبلیغ کو انہوں نے کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا دبستان ابوالکلام کے وہ گل سرسبد تھے کئی سالوں سے وہ شدید بواسیر میں مبتلا تھے گزشتہ سال ہسپتال میں انہوں نے اس کا اپریشن بھی کروایا صحت خاصی کمزور تھی لیکن بایں ہمہ کبھی شکوہ و شکایت، بیزاری و بے چینی ان کے لبوں پر نہ آئی وہ پورے صبر و شکیب سے مرض کی طغیانیوں کو سہتے رہے فراغت کے بعد علم و آگہی کی جو راہیں انہوں نے اپنے لیے متعین کیں پوری وضع داری سے زندگی بھر انہیں نبھایا شوخی، تصنع، عجب، تعلی، کبر، نخوت، علمی غرہ پنداری ان سے کوسوں دور تھے لاہور میں رہتے ہوئے کبھی فیشن کو چھوا تک نہیں تقویٰ، تدین، زہد و ورع علم و عمل کی لازوال دولت سے خدا تعالیٰ نے انہیں نوازا تھا۔ اپنے بچوں میں بھی وہ اسی سادگی کے علمبردار تھے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کے لیے جیسے تیسے کر کے ایک آشیانہ تعمیر کر لیا تھا بعض دولت مندوں نے مولانا قدوسی پر دولت و سرمایہ کے ڈورے ڈالنے چاہے لیکن مولانا قدوسیؒ اپنی ایمانی قوت کی بدولت ان بزجمہروں کو طرح دیکر ٹال گئے فقر و فاقہ استغنیٰ، سکون قلب اور طمانیت خاطر کے اعتبار سے مولانا قدوسیؒ کی زندگی قابل رشک تھی وہ ؎

خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

کی عملی تصویر تھے اقبال نے مرد مومن کا جو تصور دیا ہے مولانا قدوسیؒ اس کا مصداق تھے۔ مولانا قدوسیؒ سے بندہ کی ہمیشہ یاد اللہ رہی ان کی ملاقات سے بغیر اگر واپس آجاتا تو ایک تشنگی سی محسوس ہوتی۔ وہ ان مخلص دوستوں میں سے تھے جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے جماعتی سلسلہ میں وہ بڑا ولولہ تازہ اور عزم جواں رکھتے تھے سیاسیات میں ان کی اصابت رائے مسلّم تھی ہمیشہ جمہوریت کے علمبردار اور حزب اختلاف کے حامی رہے ایوبی آمریت یحییٰ خانی فسطائیت اور بھٹو کی ڈکٹیٹر شپ کے دور میں ان کا کردار بڑا اجلا رہا جنرل ضیاء الحق کی پالیسیوں کے وہ شدید مخالف تھے۔ وہ افکار تازہ سے جہان تازہ پیدا کرنے کے حامی تھے۔

"ترجمان" اور "الاسلام" کی ادارت کے زمانہ میں وہ راقم السطور کے اداریوں، تبصرہ کتب کے کالم اور یادِ رفتگان کو بڑی عزت سے دیکھتے راقم کی اچھے الفاظ میں حوصلہ افزائی کرتے اور دوستوں کے پاس راقم کی تعریف بھی کرتے جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد بنیامین صاحب سے راقم کے بارے میں فرمایا کہ اگر ایک اد اسلم سلیقہ ہمیں مل جائے تو ہم عظیم نتائج پیدا کر کے دکھا سکیں گے۔ علماء خانپور کے نام سے خانپور ہزارہ کے علماء کے حالات پر ایک کتاب شائع ہو چکی ہے اس کا دیباچہ حضرت الاستاذ مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے راقم نے ترجمان الحدیث میں اس پر بے لاگ تبصرہ کیا جسے پڑھ کر وہ عش عش کر اٹھے میری راست گوئی اور صاف بیانی کی بڑی داد دی الغرض مولانا عبدالخالق قدوسیؒ بہترین انسان۔ جید عالم فاضل مصنف۔ وسیع معلومات کے حامل دانشور تھے ان کی زندگی اسلاف کا بہترین نمونہ تھی اتنا پاکباز شریف الطبع نجیب الطرفین اعلیٰ اقدار کا حامل علم و آگہی کا پتلا، دین و دانش کا منبع فضل و کمال کا مجسم خلوص و تقویٰ کا سراپا ظالم ہاتھوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھین لیا۔ قلعہ لچھمن سنگھ کا یہ جلسہ سیرت النبی مولانا قدوسی کے محلہ میں مولانا قدوسی کے اصرار سے ہی منعقد ہوا تھا ظالموں نے مولانا قدوسیؒ ایسے شفیق و رفیق اور بہادر ساتھی کو اپنی خون آشامی کا نشانہ بنایا چنانچہ ۲۳، ۲۴ مارچ کی درمیانی شب بم کے دھماکے کے معاً بعد ہی شہید ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولانا قدوسی کی شہادت قومی المیہ، ملی سانحہ، جماعتی حادثہ اور دینی فاجعہ کی حیثیت رکھتا ہے مولانا قدوسی کی شہادت علم کی دین کی تقویٰ کی۔ شرافت کی نجابت کی جرأت کی استقامت کی۔ اخلاق کی۔ وضع داری کی دیانت کی۔ ایمانداری کی اور خلوص کی شہادت ہے یہ فخر بھی جماعت اہل حدیث کو جاتا ہے کہ اس کے قائدین نے اسلام کی پشتیبانی دین کا دفاع توحید و سنت کی تبلیغ اور قرآن و سنت کے نفاذ کے لیے ایک پورے قافلہ قیادت نے اپنی گردنوں کا گرم خون پیش کرتے ہوئے اور اپنی جانوں کے نذرانے سے دنیا پر ثابت کر دیا کہ اہل حدیث ہی اس ملک میں قانونِ شریعت کی بالادستی چاہتے ہیں پاکستان کی تاریخ میں اتنی بے مثال قربانی کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی اور پھر رتبہ شہادت قسمت کی بات یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟ اور قرآن پاک نے شہدائے کرام کو بایں الفاظ خراجِ تحسین پیش کیا ہے

باقی ص ۲۴۵ پر

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

تحریر : اسماء قدوسی بنت مولانا عبدالخالق قدوسیؒ

۲۳ مارچ کا دن جو اپنے دامن میں مسلمانان پاکستان کی جدوجہد میں بہت اہمیت رکھتا ہے اس دن ہند کے مسلمانوں نے ایک عزم مستحکم کیا تھا۔ ایک عہد کیا تھا کہ اس خطہ پاک کو انگریزوں کے پنجہ استبداد سے آزاد کروا کے اس میں قرآن وسنت کے نظام کو عام کیا جائے مسلمان یہ خطہ سرزمین حاصل کرنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن اس عہد کا دوسرا حصہ جو اس خطہ پاک کو حاصل کرنے کا محرک بنا تھا۔ وہ وقت کے حکمرانوں کی بدعملیوں کے باعث فراموش کیا جا چکا ہے لیکن ۴۸ سال گزر جانے کے بعد بھی جمعیت اہلحدیث کے جوانوں نے اپنے اسلاف کی سنت کے مطابق اس دن تجدید عہد . . . کا ارادہ کیا۔ اس کے لئے انہوں نے اسی جگہ کے جلو میں جہاں مسلمانوں کی تاریخ کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا اس عہد اور عزم کو زندہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تو وقت کے فرعونوں کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہو گئی کہ کوئی موسیٰ ان کو سر بازار للکارے۔

اس دن کے سورج نے جب مغرب کی گود میں اپنا چہرہ چھپا لیا تو گلستان توحید کے عندلیبوں نے اپنی محفل عشق سجالی۔ ان کی قیادت وہاں جمع ہو گئی لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ آج کی ۲۳ مارچ کا سورج اپنی شفق کی سرخی سے آسمان کی پیشانی پر ان کے چار دلداروں کا نام لکھ گیا ہے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر، حبیب الرحمن یزدانی، عبدالخالق قدوسی اور محمد خان نجیب۔ اور شفق نے جنت تک ان کے گزرنے کے لئے اک رہگذر بنا دی ہے۔ اس راہ گذر پہ سب سے پہلے قدم رکھنے والا کون تھا؟ وہ جو دھیمی دھیمی آواز میں گفتگو کرنے والا مفکر و محقق اور جو میرے قائد علامہ احسان الٰہی ظہیر کا دست راست علامہ کا محبوب ساتھی اور بہت ہی پیارا رفیق اور میرا عظیم باپ عبدالخالق قدوسی شہید تھا جس نے شہداء کے اس ٹولے میں سے سب سے پہلے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس طرح شہداء کا پیش رو کہلانے کا حق دار ٹھہرا۔

اور جب اللہ والوں کی اس محفل عشق کا عروج زمانے کے فرعونوں کو ناگوار گزرا۔ ان کی محفل پہ انکی

نفرتوں اور ناگواریوں کے سیاہ بادلوں نے اپنے پر پھیلا دیئے۔ تو ان تاریکیوں میں کئی دل و جگر چاک چاک ہو گئے جب کسی نے اپنی آنکھیں کسی نے اپنی ٹانگیں کسی نے دل اور کسی نے جگر بطور نذرانہ اپنے رب کے حضور پیش کیا تو میرے ابی عبدالخالق قدوسی کا جسم تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم کی تفسیر بن گیا۔ تو ان کے لخت جگر ابو بکر ابن قدوسی نے ان کو اٹھایا آوازیں دیں "ابی جی ابی جی میں ابو بکر ہوں" تو نیم بے ہوشی کے عالم میں انہوں نے اپنا بازو اٹھایا اور ابو بکر کی گردن میں حمائل کیا۔ اس وقت ان کے جسم سے خون آب رواں کی صورت میں جاری تھا بقول ابو بکر "میں آپ کو بازوؤں سے پکڑتا تو آپ کے بازو خون کی روانی کے سبب میرے ہاتھوں سے پھسل پھسل جاتے تھے تب میں اپنے بازوؤں کا حلقہ آپ کے جسم کے گرد کس کر آپ کو اٹھایا" ان کو ہسپتال لے جایا گیا اس عالم میں جبکہ آپ پر بے ہوشی طاری تھی۔ آنکھیں راہ حق میں آپ کے باقی جسم و جان سے بازی لے گئی تھیں تو جب ان کی ٹھوڑی کا زخم سینے کے لیے ڈاکٹر ان کے داڑھی کے بال کاٹنے لگے تو ان کے ولی اللہ ہونے کا ثبوت ملا۔ ان کو اپنے نبی کی اس سنّت سے بڑی محبت تھی۔ زندگی کے ان آخری لمحوں میں جبکہ وہ عالم ہوش سے بیگانہ تھے تو ان کے بھتیجے ڈاکٹر ضیاء اللہ کے مطابق جو موقع پر موجود تھے۔ اس عالم بے ہوشی میں انہوں نے کہا "چھوڑو کیا کرنے ہو"

جب ان کی شہادت کی خبر گھر پہنچی تو میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ میرے اردگرد سسکیوں۔ آہوں اور کراہوں کی دردناک آوازیں پھیل گئیں اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا اور میں اپنے چھوٹے بہن بھائی کو اپنی آغوش میں سموئے حیران کھڑی تھی کہ دفعتاً میری نگاہ اپنی روتی ہوئی ماں پر ٹھہر گئی تو ذہن میں اک صدا گونجی۔ آج اس عورت کا سہاگ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ آج میری عظیم ماں مجھے جنم دینے والی بیوہ ہو گئی تو فرطِ غم سے میرا کلیجہ شق ہو گیا میرا دل و جگر چاک چاک ہو گیا۔

جب اس نے رختِ سفر باندھا کب ضبط کا یارا اس دن تھا
ہر درد نے دل کو سہلایا کیا حال ہمارا اس دن تھا

ابی کے جسم سے آخری وقت تک خون بہتا رہا تھمتا ہی نہ تھا۔ یہ بہتا خون شہید کی نشانی ہوتا ہے۔ ہمارے ابو کو پھولوں سے بڑی محبت تھی۔ موسم بہار ان کا پسندیدہ موسم تھا۔ کیا خبر تھی کہ پھول ہی ہمیں دھوکا دیں گے۔ فرعونوں نے اپنی فرعونیت کو ان خوبصورت پھولوں کا لبادہ پہنا کر ہی راوی روڈ میں منعقدہ محفل عشق میں رکھا تھا۔ تب ان پھولوں نے ہم سے بے وفائی کی ان پھولوں کی خوشبو

نے بارود کی بو کو اپنے دامن میں چھپالیا۔ لوگو اب گلدانوں کی رسم ختم کر دو۔

اس موسم میں گلدانوں کی رسم کہاں ہے

لوگو پھولوں کو اب آتش دان میں رکھنا

چونکہ آپ کبھی گھر سے باہر زیادہ دیر نہیں رہتے تھے اس لئے ہم اپنے باپ کے قرب کے عادی تھے۔ ہمیں ان کی جدائی بڑی گراں گزرتی تھی۔ ابی جب کبھی رات باہر گذارتے تو مجھے نیند نہ آتی۔ میں اکثر ابی سے کہتی آپ رات باہر نہ رہا کریں۔ مجھے نیند نہیں آتی اور اب ــــ کتنی ہی بے خواب راتیں گذر گئی ہیں کتنے ہی بے چین دن تمام ہو گئے ہیں بے خوابی میری آنکھوں میں آکر ٹھہر گئی ہے۔ اور بے چینی و ویرانی نے دل میں بسیرا کر لیا ہے۔

آپ بے حد محبت کرنے والے انسان تھے۔ بچوں سے بالخصوص لڑکیوں سے آپ کو بے حد محبت تھی بحیثیت باپ میں نے آپ کو بے حد شفیق پایا۔ وہ ہمارے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے۔ ہم ہر قسم کی بات ان سے کر لیتے اور بحیثیت استاد میں نے ان کو بے حد محنتی پایا۔ وہ بڑی توجہ اور نرمی سے پڑھاتے اس انداز سے پڑھاتے کہ ان کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ طالب علم کے سینے میں پیوست ہو جاتا۔ آپ طلباء کے محبوب استاد تھے طلباء آپ کو بے حد پسند کرتے اور آپ کا بہت احترام کرتے تھے آپ اپنے ان شاگردوں کو بہت پسند فرماتے جو حاضر جواب محنتی اور نافذ فہم کے ہوتے آپ نے پچھلے سال دارالحدیث جینیانوالی میں شاہ ولی اللہ کی معروف تالیف حجۃ اللہ البالغہ پڑھائی۔

آپ بے حد ذہین تھے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے آپ خود ذکر کرتے ہیں کہ غالباً جھوک دادو میں جہاں آپ نے سب سے پہلے داخلہ لیا وہاں گئے تو آپ نے میاں باقر صاحب سے کہا کہ مجھے دوسری جماعت میں داخل کریں لیکن وہ جماعت اول میں داخل کرتے تھے آپ کا اصرار بڑھتا گیا اور ان کا انکار قائم رہا تو آپ نے شرط پیش کی کہ اگر میں سہ ماہی امتحان میں جماعت دوئم سے فیل ہو گیا تو آپ مجھے دوسری جماعت سے پہلی جماعت میں بھیج دیں ورنہ میں دوسری جماعت ہی میں رہوں گا تا آپ کا اصرار کارگر ہوا۔ آپ نے پہلی جماعت کی کتابیں بھی پڑھیں اور دوسری جماعت کے سہ ماہی امتحان کی تیاری بھی کی جب امتحان ہوا تو آپ سب لڑکوں میں اول آئے۔

جب جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی تکمیل ہوئی تو آپ مدرسہ تاندلیانوالہ میں زیر تعلیم تھے۔ جامعہ کی تکمیل کے بعد مدرسہ کے ذہین طلباء کو جامعہ منتقل کر دیا گیا۔ تو آپ ان میں سرفہرست تھے۔ جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد جب مدینہ یونیورسٹی بھیجنے کے لئے لڑکوں کا چناؤ کیا گیا تو آپ کامیاب ہوئے لیکن

مولانا اسماعیل سلفی نے آپ کو یہ کہہ کر یونیورسٹی جانے سے روکا کہ تمہاری یہاں زیادہ ضرورت ہے۔ اس لئے آپ مدینہ یونیورسٹی نہ جا سکے۔

آپ اگرچہ باقاعدہ خطیب نہ تھے لیکن پھر بھی اپنی جائے پیدائش کوٹ رنجیت سنگھ میں جامع مسجد اہلحدیث میں کئی سال باقاعدہ خطبہ جمعہ دیتے رہے چند سال سے اس تسلسل میں کمی آگئی تھی وگرنہ ہر جمعہ اور نماز عیدین کی امامت آپ ہی کراتے تھے۔

آپ کا ذوق علمی و تحقیقی تھا۔ تقریباً ہر موضوع کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ تھیں لیکن اسماء الرجال ان کا خاص موضوع تھا۔ اس پر انہیں مکمل عبور حاصل تھا۔ اس موضوع پر انہوں نے تمام زندگی مطالعہ کیا۔ برصغیر کے علم الرجال کے متعلق کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو ان کے مطالعہ میں نہ آئی ہو اس میدان میں انہیں اکثر بزرگان دین کے کوائف اور علمی کارنامے ازبر تھے۔ اکثر ہمیں ان کے متعلق آگاہ کرتے رہتے تھے آپ ساری ساری رات مطالعہ کرتے حتیٰ کہ صبح کے تین بج جاتے۔ رات جب ہم سوتے تو آپ پڑھ رہے ہوتے اور رات کے کسی بھی حصے میں ہم بیدار ہوتے تو آپ کو مسلسل مطالعہ میں مشغول پاتے۔ نماز فجر کے بعد آپ کو لکھنے کی عادت تھی اور کافی دیر لکھتے رہتے۔

تاریخ اہلحدیث جو آجکل آپ کے زیر قلم تھی اس کے متعلق آپ فرمایا کرتے میں ایسی کتاب لکھ جاؤں گا کہ اس کے بعد کسی کو اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اگر کوئی قلم اٹھائے گا تو اس میں کوئی اضافہ ذکر سکے گا۔ ہائے افسوس اگر زندگی وفا کرتی تو یقیناً ایسا کرتے۔

تاریخ اہلحدیث کی اس کتاب کے متعلق آپ نے خود لکھا۔

"یہ اہلحدیث کی ایک جامع اور مفصل تاریخ ہوگی جو خیر القرون سے دور حاضر تک چودہ سو سال پر محیط مکمل دستاویز ہوگی جس میں مضمون کے متعلق ہر بات پر سیر حاصل گفتگو ہوگی ــــــ یہ کتاب چودہ جلدوں میں مکمل ہوگی یعنی ہر صدی کے لئے ایک جلد مختص ہوگی۔ ہر صدی پر لکھتے ہوئے اس صدی کے سیاسی حالات کا عمومی جائزہ ہوگا ــــــ اس کے بعد اس صدی میں موجود اعتقادی اور فقہی مذاہب کا مختصر جائزہ ہوگا ــــــ اس صدی کے علماء اہلحدیث کا تفصیلی ذکر ہوگا ــــــ ان کے علمی اور سیاسی کارناموں کو ان کے سوانحی خاکہ پوری تفصیل سے ذکر کیا جائیگا۔"

مگر وائے ناکامی بقول ابوالکلام آزاد۔

"افسوس ہے کہ زمانہ میرے دماغ سے کام لینے کا کوئی سامان نہ کر سکا۔ غالب کو تو صرف

اپنی ایک شاعری کا رونا تھا نہیں معلوم قبر میں میرے ساتھ کیا کیا چیزیں جائیں گی۔"
واقعی اس اچانک حادثے سے ایک بڑا علمی کارنامہ جس کے لئے انہوں نے عمر کھپادی۔ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ ہمارے قلب پہ یہ صدمہ بہت بھاری ہے۔

ہر تحریک کے پسِ منظر میں بعض قوتیں ایسی ہوتی ہیں جو تحریک کو جلا بخشتی ہیں اور جو بلاشبہ تحریک کی کامیابی کا سبب ہوتی ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب حضرت علامہ شہید نے جمعیت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کام شروع کیا تو ۔ آپ علامہ صاحب کے دستِ راست تھے آپ کی عادت تھی کہ آپ ہر ضروری اخبار سنبھال کر رکھتے تھے جس دن جنگ فورم میں مناظرہ تھا اس سے ایک دن قبل آپ علامہ صاحب کی رہائش گاہ پر گئے اور شریعت بل سے متعلق تمام ضروری اخبارات لے گئے۔ سارا دن وہاں رہے۔ شام کو علماء کا اجلاس وہیں منعقد ہوا۔ اس میں شرکت کی پھر تقریباً رات دس بجے قائد شہید آپ کو خود چھوڑنے آئے۔ مجھے معلوم ہوا میں نے کہا "کیوں کوئی خفیہ بات رہ گئی تھی جو کار میں کرنی تھی" مسکرا کر کہا۔ ہاں چند ضروری باتیں تھیں۔

آپ کو قائد سے اور قائد کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ قافلہ سالار شہداء اہلِ حدیث کی آپ سے والہانہ محبت کا اندازہ ان کے طرزِ عمل سے ہوتا تھا۔

ہم نے کبھی ان کے منہ سے کوئی ایسا لفظ نہیں سنا جس سے ان کا قائد سے معمولی اختلاف یا ناراضگی کا معمولی سا شائبہ بھی ہوتا۔ ان دونوں حضرات کا کبھی ایسا اختلاف نہیں ہوا جو ناراضگی پر منتج ہوا ہو۔ قدوسی شہید بڑے ملنسار اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ بڑے دوستوں سے محبتیں نبھائیں لیکن حضرت قائد کی محبت سب دوستوں کی محبت سے بازی لے گئی تھی۔ آپ قائد کے فیصلوں پر صحت مند تنقید کرتے تھے جس کو قائد سنتے اور قبول فرماتے تھے۔ اس حادثہ سے تقریباً ایک ماہ قبل آپ نے ایک صبح اٹھ کے فرمایا ہمارا تو کام ہوگیا جب میں نے استفسار کیا تو کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے مرحوم استاد میاں باقر صاحب تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قدوسی صاحب میں تمہیں لینے آیا ہوں میرے ساتھ چلو۔"

توکل علی اللہ آپ کا خاص وصف تھا ہر کام میں اللہ پر بھروسہ کرتے تھے دولت حاصل کرنے کے لئے کبھی خود کو مشکل میں نہ ڈالتے۔ معاملات میں بالکل کھرے استقامت میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ بہت زیادہ خود اعتماد تھے۔ اس لئے جب بھی بات کرتے انتہائی ٹھوس ہوتی کبھی جلد فیصلہ نہ کرتے۔ جو

بھی فیصلہ کرتے خوب سوچ سمجھ کر کرتے اور اپنے فیصلے بدلا نہ کرتے تھے نہایت متقی اور دیندار تھے۔ آپ کے مزاج میں صبر و ضبط بدرجہ اتم موجود تھا۔ کبھی کسی سے بحث ہوتی تو مخالف کی بات بہت تحمل سے سنتے آپ کبھی غصہ میں زور سے نہ بولتے تھے بلکہ مخالف کی تند و تیز بات سن کر کچھ دیر خاموش رہتے پھر دلائل اور نرم روی سے اس بات کا جواب دیتے اور آپ کبھی باآواز بلند نہ ہنستے تھے۔

جس دن حادثہ ہوا ہے اس دن آپ جلسہ سے قبل خود سٹیج کا جائزہ لینے کے لئے گئے اور جب قائد اور یزدانی صاحب آئے تو آپ بے حد خوش تھے۔ کھانا تینوں نے اکٹھا ہی کھایا۔ کھانے کے بعد قائد نے چائے منگوائی اور اکٹھے ہی پی۔ یزدانی صاحب پہلے سٹیج پر تشریف لے گئے تھے پھر کچھ دیر بعد قدوسی شہید گئے پھر علامہ صاحب سٹیج پر تشریف لے گئے۔ پھر گیارہ بج کر پینتیس منٹ پر زمانے کے فرعونوں کی فرعونیت نے لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالا۔ ان بزدلوں نے بظاہر ہمیں ختم کرنے کے لئے یہ بزدلانہ کام کیا لیکن انہیں خبر نہیں کہ ہمارے شہیدوں کے لہو سے زمین و آسمان اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سارا جگمگا اٹھا ہے اور ان کے لہو نے ہمارے جوانوں کے دلوں کو گرما دیا ہے۔ اگرچہ صدمہ اسقدر بڑا کہ ہم خود کو بھول گئے لیکن چند لمحے کے لئے۔ پھر ہم نے جینے کا عزم شہیدوں کے لہو میں انگلیاں ڈبو کے کیا کہ اب ہم جئیں گے تو اپنے شہداء کا انتقام لینے کے لئے اس سے پہلے ہم نہیں مر سکتے۔ انشاءاللہ ہم نے اتنی قربانی دی۔ ہاں مگر فرعونوں نے جو اسلام دشمنی کا ثبوت دیا ہے اس کے لئے ہم صرف یہ کہیں گے کہ :۔

میں تو ہر طرح کے اسباب ہلاکت دیکھوں

اے وطن کاش تجھے اب کے سلامت دیکھوں۔

آج اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری حالت سدھر جائے اور ہمارا مستقبل سنور جائے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ ہم دوئی اور منافقت کی پالیسی ترک کر دیں اگر ہم مسلمان کہلانا چاہتے ہیں اور اسلام سے اپنے رشتے کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ہم مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں اور تمام اسلامی تعلیمات کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ اور اس بات پر یقین کریں کہ معاشرت سے لیکر سیاسیات تک اور عمرانیات سے لیکر فوجی معاملات تک ہر چیز کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی موجود ہے اور ہمیں اس بات پر مکمل اعتماد ہے۔

تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھ لیجئے کہ فرعون جیسے جابر شاہوں کے نام گالی کے مترادف ہیں مگر ابن تیمیہؒ کا نام تاریخ کی پیشانی پر جگمگا رہا ہے۔ (شہید ملت)

خون دل دے کے نکھاریں گے رخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

نوجوان رہنما
شہید
جناب محمد خان نجیب
رحمۃ اللہ علیہ
صدر اہل حدیث یوتھ فورس

تحریر: جناب رفیق کوثر

پیدائش

پاکستان کے سلفی نوجوانوں کی ملک گیر تنظیم "اہلِ حدیث یوتھ فورس" کے پہلے صدر اور اس قافلۂ جاں نثارانِ توحید و سنت کے شہیدِ اوّل محمد خاں نجیبؒ ۱۱ جون ۱۹۶۰ء کو سیالکوٹ کی ایک چھوٹی سی بستی "گڑھی گوندل" میں پیدا ہوئے جو شہر اقبال سے دس میل دور شمال میں واقع ہے۔

آبائی وطن

شہید کے آباؤ اجداد کا اصل وطن کشمیر ہے۔ جہاں سے انہوں نے اگست ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے وقت ہجرت کی اور ہندوستان کی سرحد کے قریب ہی اس امید پر عارضی قیام کر لیا کہ کشمیر دراصل پاکستان کا حصہ ہے جو وقتی طور پر ایک "بندر بانٹ" کے تحت اگرچہ ہندوستان کے قبضہ میں چلا گیا ہے لیکن بہت جلد جب حقائق سامنے آئیں گے تو ہم اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے....

اس امید پر ابھی تک یہ لوگ وہیں منتظر بیٹھے ہیں اللہ کرے ایسے ہو کہ اُن کی امیدیں بھی بر آئیں۔

مقبوضہ کشمیر میں ان کی رہائش جموں شہر سے دس میل کے فاصلے پر مشہور بستی "مالپور" میں تھی اور کھیتی باڑی ان کا پیشہ تھا اور اچھی خاصی مالداری بھی تھی۔

خاندان

شہید کے والد محترم جناب محمد شفیع ولد عبدالرحمٰن ولد بدرالدین اپنے چاروں بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں اور ان کی اولاد میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ نجیب شہید کا تیسرا نمبر تھا۔ ان سے بڑے دونوں بھائی شادی شدہ ہیں اور خود ان کی اپنی نسبت بھی طے پا چکی تھی اور اسی سال مارچ میں شادی کا پروگرام تھا جو ایک نجی وجہ سے اکتوبر تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا تھا۔

منظور اسے کیا ہے کوئی جانتا نہیں
خاص مصلحت اس کی کوئی پہچانتا نہیں

مجھے اب بھی وہ وقت بہت اچھی طرح یاد ہے کہ جب انہوں نے شادی کے موضوع پر اسلام آباد اپنے کمرے میں قاضی عبدالقدیر خاموش صاحب اور بعض کارکنان کی موجودگی میں کہا تھا کہ قاضی صاحب میں مارچ میں اپنے تمام دوستوں کو شایانِ شان طریقے سے اپنا گاؤں دکھانا چاہتا ہوں اور میں نے دوستوں کے ناموں کی فہرست بنانا شروع کر دی ہے۔

آہ ! اے زندگی تجھے لاؤں کہاں سے

ایک اتفاق خاندان کے سلسلے میں یہ عجب اتفاق ہے کہ نہ صرف شہید خود چار بھائی تھے بلکہ باپ اور دادا بھی چار چار بھائی تھے اور نجیب شہید کے بڑے بھائی کے بھی چار ہی بیٹے ہیں۔

نام انتہائی دین دار اور نیکوکار والدین نے اپنے اس بچے کا نام اپنے لئے سب سے عزیز ترین ہستی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت و محبت کے اظہار کے طور پر "محمد" رکھا اور تادم زیست نہ صرف والدین بلکہ پوری بستی انہیں اسی نام سے جانتی اور پکارتی رہی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محمد خاں نجیب شہید تک شہید جب اپنی عمر کے پانچویں سال میں تھے تو والد محترم انہیں سکول داخل کروانے لے گئے۔ ماسٹر صاحب نے نام پوچھا تو بزرگوار نے کہا کہ بچے کا نام "محمد" ہے۔ ماسٹر صاحب نے استفسار کیا کہ محمد تو ہوا لیکن اس کے ساتھ اصل نام کیا ہے۔ انہوں نے جواباً فرمایا کہ بس یہی اصل نام ہے۔ سکول ماسٹر مسلسل اضافے کیلئے اصرار کر رہے تھے کہ انہیں یہ کہہ کر اجازت دے دی کہ ہم نے تو نام رکھنا تھا رکھ لیا ہے۔ اب تم نے جو رکھنا ہے تم رکھ لو اور داخل کر لو یہ کہہ کر پلٹنے لگے کہ ماسٹر صاحب نے باقی بچوں سے نام پوچھے تو انہیں جواباً محمد سلیمان اور محمد لقمان بتلائے تو اس مناسبت سے انہوں نے محمد کے ساتھ خاں کا اضافہ کر لیا اور پھر دستاویزی طور پر ان کا نام "محمد خاں" ہی تھا۔

میٹرک کرنے کے بعد جب دینی تعلیم کی تحصیل کے دوران انہوں نے تحریکی زندگی میں بھرپور انداز سے حصہ لینا شروع کیا تو "نجیب" تخلص کر لیا اور ۳۰ مارچ کی اس رات تک محمد خاں نجیب ہی تھے کہ رات ہی رات اللہ کے حضور اپنی شہ رگ کے خون کا نذرانہ پیش کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محمد خاں نجیب شہید بن گئے۔

رتبہ شہید ناز کا گر جان جائیے
تو قربان جانے والے کے قربان جائیے

ابتدائی تعلیم قرآن پاک کی ابتدائی تعلیم مقامی مسجد اہل حدیث کے جن اساتذہ سے حاصل کی ان میں مولانا محمد یوسف مرحوم، مولانا عبدالغنی صاحب، اور حافظ نذیر احمد مرحوم شامل ہیں۔ پرائمری اور مڈل تک کے امتحانات بھی مقامی سکول سے پاس کئے۔ میٹرک کا امتحان ۱۹۸۰ء میں سائنس کے مضامین کے ساتھ گورنمنٹ ہائی سکول مرکیوال سے امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔

تحصیل علوم اسلامیہ

میٹرک سے فراغت کے بعد راقم اور شہیدؒ دونوں مولانا ابراہیم صاحب کی معیت میں اپریل ۷۷ء کو دینی تعلیم کے لئے فیصل آباد جامعہ سلفیہ پہنچ گئے فیصل آباد کی مخصوص آب وہوا شہید کو راس نہ آئی جس کی وجہ سے بمشکل ایک سال مکمل کیا اور آئندہ سال جامعہ سلفیہ کی بجائے دارالحدیث چنیانوالی لاہور پہنچ گئے۔ اور وہیں سے ۱۹۸۲ء میں شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبیداللہ عفیف صاحب سے بخاری شریف پڑھ کر درس نظامی کی تکمیل کی۔ شیخ الحدیث کے علاوہ جن اصحاب سے تحصیل علم کی ان میں مولانا اسماعیل علوی۔ مولانا حفیظ الرحمٰن لکھوی۔ مولانا حافظ عبداللہ بھٹوی مولانا ذکریا، مولانا عتیق اللہ اور مولانا منیر احمد صاحبان شامل ہیں جبکہ فیصل آباد میں مولانا عمر فاروق سعیدی اور مولانا مہدی حسن کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کئے تھے۔

ایف اے، بی اے

آپ نے لاہور جیسے بڑے شہر میں اپنے قیام کو غنیمت جانتے ہوئے درس نظامی کے دوران ہی ایف اے اور بی اے کے امتحانات بھی بالترتیب ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۱ء میں پاس کر لئے۔

فاضی کورس اور وفاق

۱۹۸۱ء میں اگرچہ وہ اپنی عمر کے اکیسویں برس میں تھے لیکن اللہ کی عطا کردہ خاص صلاحیت وقابلیت سے نہ صرف دینی تعلیم سے مالامال ہو چکے تھے بلکہ عصری تعلیم سے بھی آراستہ تھے تاہم انہوں نے خوب سے خوب تر کی تلاش کے جذبہ سے وفاق المدارس سلفیہ اور ۱۹۸۲ء ہی میں 'فاضی کلاس' جیسے قابل قدر دونوں امتحان پاس کر لئے۔ فاضی کلاس میں جن اساتذہ سے انہوں نے قانون پڑھا ان میں جسٹس خلیل الرحمان۔ سید منین ہاشمی۔ پروفیسر عبدالقیوم پروفیسر یوسف کاظم اور پروفیسر قاضی مقبول احمد شامل ہیں۔

ایل ایل بی

۱۹۸۳ء میں انہوں نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پاکستان میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں داخلہ لے لیا اور آخر تک وہیں زیر تعلیم تھے یہاں ان کے اساتذہ میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالباری سراج المصری، پروفیسر امجد علی، پروفیسر یوسف کاظم۔ پروفیسر حامد شریف، پروفیسر فرخ کریم، پروفیسر عمران احسن نیازی، پروفیسر عبدالاکبر المصری، پروفیسر سیف الاسلام پروفیسر فاروق المصری۔ اور پروفیسر خلیل الرحمان صاحبان شامل ہیں۔

تحریکی زندگی

لاہور شہر کے سیکرٹری اور دارالحدیث چنیانوالی میں صدر رہنے کے بعد ۱۹۸۲ء میں پہلی دفعہ مرکز میں جمعیۃ طلباء اہل حدیث پاکستان کے جوائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے۔ سال بھر جس لگن، اخلاص اور محنت سے کام کیا اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ نومبر

۱۹۸۳ء میں ہونے والے انتخابات میں بلامقابلہ جمعیت طلبہ اہل حدیث پاکستان کے صدر منتخب ہوگئے۔

طلبہ تنظیموں پر پابندی اور اہل حدیث یوتھ فورس کا قیام

فروری ۱۹۸۳ء میں حکومت پاکستان نے جب طلبہ کی تمام تنظیموں کو غیر قانونی قرار دے دیا تو انہوں نے حکومت کی عائد کردہ پابندی کی وجہ سے ایک خصوصی اجلاس میں جمعیت طلبہ کی قیادت نے ایک نئے نام کا فیصلہ کرنا تھا طلبہ کی خصوصی دعوت پر حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ بھی بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت علامہ شہید نے فرمایا:۔

"مجھے اپنے نوجوانوں پر اب یہ اعتماد ہو چلا ہے کہ وہ اپنے اندر حالات سے نپٹنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں اور مسلک کی راہ پر چلنے سے انہیں کوئی رکاوٹ روک نہیں سکتی اور پھر یہ راستے کی رکاوٹیں سچی تحریکوں کی علامت ہوا کرتی ہیں لیکن حق پرستوں کا یہ ہمیشہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اللہ پر اعتماد اور یقین کے ساتھ اپنا سفر بہرحال جاری رکھتے ہیں۔ میری زندگی میں جب بھی مشکل مقام آیا تو میں نے کٹھن حالات میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، احمد ابن حنبلؒ، امام ابن تیمیہؒ اور اسماعیل شہیدؒ جیسی عظیم المرتبت اور لازوال شخصیات کی زندگیوں سے روشنی حاصل کی"۔

خطیب ملتؒ کے اس ولولہ انگیز خطاب کے بعد اہل حدیث نوجوانوں کی تنظیم کے لئے ایک نئے نام کے فیصلے کا مرحلہ تھا۔ بہت سے ناموں میں سے جو نام بالاتفاق پسند کیا گیا وہ تھا "اہلحدیث یوتھ فورس" اس کے بعد انتخابات کا مرحلہ تھا جس میں باقی عہدیداروں سمیت محمد خان نجیبؒ پہلے صدر منتخب ہوئے۔

تنظیم کے نام اور قیام کے باوجود ایک وقت تک اس کی تشہیر نہ کی گئی۔ تاہم ۱۴۔ اگست ۱۹۸۴ء کو جس دن کامونکی لاری اڈہ پر چند بدطینت اور جہالت کی زینت لوگوں نے اپنی بزدلانہ روایت کو دہراتے ہوئے چپکے سے شبیر یزدانی پر تیز دھار خنجروں سے حملہ کر کے شدید زخمی کرایا تو ایک ہنگامی نوٹس کے تحت بلائی جانے والی میٹنگ میں ایک احتجاجی جلوس گورنر ہاؤس تک لے جانے کا فیصلہ کیا جس کی قیادت رانا شمشاد سلفی اور محمد خان نجیب شہید نے کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اہل حدیث یوتھ فورس کھل کر اپنے اس نام سے سامنے آئی۔

محمد خان نجیب شہیدؒ اسلام آباد میں:۔

اسلام آباد ملک کے تمام شہروں سے صرف اس لئے ہی ممتاز نہیں کہ وہ ملک کا

دارالحکومت ہے بلکہ رہ کئی لحاظ سے منفرد ہے مغربی طرز کا مزاج رکھنے والے اس شہر نے اپنے باسیوں کے لئے جہاں بہت سی آسائشیں اور آرام کے سامان پیدا کئے ہیں وہاں بہت سے ضابطوں اور قاعدوں میں جکڑ کر انسان کی پوری زندگی کو مشینی بنا دیا ہے یہاں انسان کے لئے چلنے اور ٹھہرنے کے اوقات مقرر ہیں، مزید اس میں جکڑا ہوا ہے اس کے علاوہ لوگوں کی ذاتی مجبوریاں ہوتی ہیں جن کے پیش نظر اپنے معمولات سے ہٹ کر کوئی تنظیم بنانا اور اسے چلانا بڑا کٹھن کام ہے لیکن اس نوجوان قائد نے حالات کا شکار ہونے کی بجائے حالات کو اس حد تک شکار کر لیا تھا کہ آج وہاں جمعیت اور یوتھ فورس کا ہر فرد اور کارکن ان کی کمی محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ اس چیز کو نہ صرف سمجھتا ہے بلکہ کھلے بندوں اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ واقعی انہوں نے جس کے تحفظ کی قسم کھائی تھی۔ وہ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ نہ صرف راولپنڈی جمعیت اہل حدیث کے دست و بازو بن کر اس میں ایک نئی روح پھونک دی بلکہ اسلام آباد میں جمعیت اہلحدیث کی از سر نو تنظیم سازی کے علاوہ ان دونوں شہروں میں یوتھ فورس کے مضبوط یونٹ قائم کئے اور اسلام آباد میں کسی بھی نئی سیکٹر سکیم میں اہل حدیث کی مسجد پہلے تعمیر کرواتے رہ مساجد کی تعمیر کے سلسلہ میں انہیں مخالفین کی طرف سے جس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا یہ ایک طویل داستان ہے جس کا کچھ اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہیں ہر وقت مسلح رہنا پڑتا تھا بلکہ اکثر و بیشتر خطبات جمعہ بھی اس حال میں پڑھائے گئے کہ ان کے ایک ہاتھ میں قرآن پاک اور دوسرے میں ریوالور کو لہراتے اور بتاتے کہ ہم تو ہر وقت تیار ہیں کوئی کسی غلط فہمی میں نہ رہے کسی کی گیدڑ بھبکیوں سے خدا اور خانہ خدا کو چھوڑ کر جانے والے نہیں ہیں علاوہ ازیں مساجد کی تعمیر اور آبادکاری کے دوسرے تقاضے بھی جس ایثار اور محبت سے پورے کرتے تھے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اسلام آباد یوتھ فورس کے سیکرٹری اطلاعات برادرم خالد جاوید صاحب الاسلام میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"میں مسجد امام بخاری میں کھڑا تصور ہی تصور میں ماضی میں کھو چکا ہوں مجھے یاد آرہا ہے کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں تین سال پہلے اہل حدیث یوتھ فورس پاکستان کے شہید صدر محمد خان نجیب سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب اس مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی تو کبھی ہاتھ میں کدال سے زمین ہموار کرتے کبھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر مستری کو دیتے کبھی اینٹیں پکڑائی بند کر کے ہاتھ میں جھاڑو لیکر جگہ صاف کرتے اور ساتھ ہی ساتھ ساتھیوں کو ہدایات بھی دیتے جا رہے تھے انہوں نے اس مسجد کی بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی خود ہی پہلا خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرمایا اور جب مخالفین کی جانب سے مسجد پر قبضہ کی کوششیں کی گئیں تو دسمبر کی سرد راتوں میں کھلے آسمان کے نیچے وہ اس کی حفاظت کے لئے پہرہ دیتے رہے"

جامع مسجد الامام البخاری یہ وہ مسجد ہے جو انہوں نے اسلام آباد میں اپنے قیام کے پہلے سال (۱۹۸۳ء) سیکٹر ۴/۸/ج میں تعمیر کروائی تھی اس سے اگلے سال ۱۹۸۴ء میں سیکٹر ۹/۴/ج میں جامع مسجد اسماعیل شہید کا سنگِ بنیاد رکھا اور دسمبر کو پہلا افتتاحی جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس سے اگلے سال مارچ ۱۹۸۵ء میں جامع مسجد امام ابن تیمیہؒ جو سیکٹر ۲/۹ ج میں ہے کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس کے علاوہ بھی ایک دو مسجدیں ہیں لیکن ان کے نام اور مقام کا مجھے علم نہیں ہے۔

- دنیا کی بے ثباتی کا کون گواہ نہیں زندگی کی بے وفائی کا کسے احساس نہیں۔ رنگ و بو کے اس جہاں میں کیسے کیسے ذی نشان لوگ آئے۔ آب و گل کی اس کائنات میں کن کن با جبروت شخصیتوں نے جنم لیا لیکن ان کی شعلہ بار آنکھیں، تنی ہوئی گردنیں اور ابھرے ہوئے سینوں کا نشان تک باقی نہیں۔ جس زمین پہ وہ تکبر سے چلتے تھے اس زمین کی مٹی انہیں نگل گئی اور اگر زندگی کی حقیقت یہی ہے تو پھر چھینا جھپٹی، نفسا نفسی اور مادہ پرستی کیوں اور کس لئے ؟

- یہ زمانے کی بے مروتی اور دنیا کی بے ثباتی کے قصے ہیں کہ خطہ ارضی کی عظیم سلطنتوں اور زمین کے جابر و قاہر حکمرانوں کا نشان تک باقی نہ رہا۔ بابل و نینوا کے کھنڈرات پہ ریت اور مٹی اڑتی ہے۔ ہڑپہ اور موئن جو داڑو کی تہذیبیں دھرتی کی سلوٹیں بن چکی ہیں۔ کبھی نمرود کی خدائی کا چرچا تھا اور کبھی فرعون کی بادشاہی کے ڈنکے بجتے تھے۔

- جاؤ قبرستان میں جاکر دیکھو، بکھری بکھری مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر چنے ہوئے ہیں قبریں کچی بھی ہیں اور پکی بھی، نئی بھی ہیں اور پرانی بھی، شکستہ بھی ہیں اور سالم بھی۔ کوئی اندر کو دھنسی ہوئی ہے اور کوئی ہے کہ بالکل ٹیڑھی ہو چکی ہے اور بہت ہیں جن کا صرف نشان باقی رہ گیا ہے اور کسی کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ ایک ایک قبر کے نیچے آٹھ آٹھ مدفن ہیں۔ ایک ایک لحد میں کئی کئی مردوں کی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں اور خوبصورت جسم سرمہ بن کر مٹی میں شامل ہو چکے ہیں۔

(زندگی اور اس کی حقیقت کے متعلق یہ چند اقتباسات محمد خان نجیب کی ذاتی ڈائری سے لئے گئے ہیں)

آہ! آدمی اپنے انجام سے بے خبر ہو کر حرص و ہوس کے جال میں پھنسا ہوا ہے یہ خزانے کس کام کے اگر انسان ان کی موجودگی میں سکون سے جی سکتا ہے نہ آرام سے مر سکتا ہے۔ ●

محمد خان نجیب شہیدؒ

جناب حکیم راحت نسیم سوہدروی

کاروانِ انسانیت کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ جس کو آنا ہے اسے بالآخر جانا ہے آنے اور جانے والوں کا یہ سلسلہ روزِ اول سے جاری ہے اور تا ابد جاری رہے گا مگر ان آنے اور جانے والوں کی داستان حیات تو کجا نقش قدم تک نہیں ملتے۔ مگر بعض اوقات یہی کاروان انسانیت ایسی ہستیوں کو جنم دیتا ہے کہ جن کے نقش قدم تو کجا داستانِ حیات کا ہر لمحہ تاریخ کے روشن ابواب بن جاتے ہیں ایسی ہی عظیم ہستیوں میں ۲۳ مارچ ۸۷ء کو قلعہ لچھمن سنگھ راوی روڈ لاہور کے حادثہ فاجعہ میں شہید ہونے والے حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی، مولانا عبدالخالق قدوسی تھے اور دیگر شہداء کے علاوہ اہلحدیث نوجوانوں کے محبوب قائد محمد خان نجیب کی ہستی بھی شامل ہے۔

سوچتا ہوں کہ علامہ شہید کی یاد میں آنسو بہاؤں یا یزدانی شہید کا تذکرۂ غم کروں۔ اسے بدنصیبی کہہ لیں کہ جماعت اہل حدیث اس وقت آلام کے گہرے بادلوں کی لپیٹ میں ہے۔ کتنی ہی عظیم شخصیات جماعت کو داغِ مفارقت دے گئیں جن کی یادوں اور کارناموں کو احاطہ تحریر میں لانے کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔ کبھی وہ دن تھے کہ اہل حدیث سوئے ہوئے تھے اور قائد اہل حدیث علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ جاگ رہے تھے پھر بھی ہر سو بہار تھی رنگارنگ پھول اپنی تمام تر خوشبو کے ساتھ اہل چمن کے دل و دماغ معطر کر رہے تھے۔

تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا ان حضرات نے اپنے اسلاف سید احمد شہید اور سید اسمٰعیل شہید کی راہ کے راہی ہو گئے اور بہت سے گل سرسبز مرجھا گئے راہِ حق میں ان کی قربانیوں نے ہر اہل حدیث کو بیدار کر دیا۔ بموں کے دھماکے بھی ان کو راہِ حق سے نہ ہٹا سکے، شہادت ان کی آرزو تھی۔ اللہ نے یہ آرزو پوری کر دی اور مرتبہ شہادت پر فائز کر دیا۔ راہِ حق میں قربانیاں ہمارے اسلاف کی تاریخ ہے سو تاریخ کو دہرا کر یہ

تاریخ میں سرخرو ہوئے ان شہداء میں ایک شہید محمد خاں نجیب ہیں۔ محمد خاں نجیب جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے کو ہم سے جدا ہوئے کئی مہینے گزر چکے ہیں لیکن دل دوسرے شہداء کی طرح ان کی جدائی ماننے کے لیے تیار نہیں: جیسے یہ ماننے والی بات ہی نہ ہو ویسے بھی وہ ہم سے جسمانی طور پر جدا ہوئے ہیں یہ تو زندہ ہیں شہید زندہ ہوتے ہیں۔ ان کی روح نہیں مری وہ تو حیات جاوداں پا گئے اگرچہ محمد خاں نجیب آج موجود نہیں، طاغوت کے بے رحم ہاتھوں نے ان کو ہم سے جدا کر دیا مگر ان کی حیات جدوجہد اور تڑپ آج بھی ہمارے دلوں کو مہکا رہی ہے وہ نوجوان اپنی ذات میں ایک انجمن تھا قدرت نے اسے جلال و جمال کی نعمتوں سے نوازا تھا وہ اسلامک لاء کا طالب علم

ابھرتا ہوا قائد بلا کا مقرر طاغوتی قوتوں کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار سلفی نظریات کے حامل نوجوانوں کا محبوب صبح صادق کی روشنیوں سے لے کر رات گئے کی تاریکیوں تک مسلک توحید کی سربلندی کے لیے وقف تھا۔ وہ بہت کچھ تھا اہل حدیثوں کو مستقبل میں اس نوجوان سے بہت امیدیں تھیں مگر ۲۳ مارچ کے حادثہ فاجعہ نے جب ہماری متاع عزیز ہمارے اکابرین کو ہم سے لوٹ لیا تو یہ نوجوان بس اپنے قائد علامہ احسان الٰہی ظہیر کی رفاقت کو نبھاتا ہوا راہی ملک عدم ہوا اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوا اور پھر وہ تو شہدا بالاکوٹ کا عاشق تھا۔ ہر تقریر میں ہر تحریر میں ان کی راہ کو اپنی راہ قرار دیتا ان کے نقش پا کو راہبری قرار دیتا شہادت سے چند لمحے قبل بھی وہ شاہ اسمٰعیل شہید کی خدمات کا تذکرہ کر رہے تھے اور اپنی گرجدار آواز میں تقریر کرتے ہوئے اپنا راستہ ان کے نقش پا بتا رہے تھے اور واقعی وہ قول کا سچا نوجوان تھا کہ چند لمحے بعد ہی اس نے یہ راہ اختیار کر کے شہدائے بالاکوٹ کے پیروکاروں کی صف میں شامل ہو کر اپنا نام پیشانی تاریخ پر ثبت کر دیا ہے۔

سینچا ہے کچھ اس طرح چمن اپنے لہو سے
کہ ہر دور میں تاریخ کا عنوان رہیں گے

مجھے مرحوم سے صرف اس قدر تعلق تھا کہ ایک دو بار مرکز اہل حدیث ۵۳ لارنس روڈ پر ملاقاتیں ہوئیں ان کے اخلاق قائدانہ صلاحیتیں اور سلفی نظریات کا درد آج بھی قلب ناتواں پر محسوس کرتا ہوں۔ انہیں اس بات کا قلق تھا کہ سوہدرہ جو حضرت مولانا غلام نبی الربانی جیسے

عارف باللہ مولانا عبدالمجید خادمؒ جیسے مصنف مقرر اور مجاہد امام خان نوشہرویؒ جیسے صاحب قلم و مؤرخ ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی جیسے مفکر و مصنف اور حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی جیسے صاحب فکر و نظر دین معرفت کی قندیلیں روشن کرنیوالوں کا مسکن و مولد ہونے کے باوجود آج باعث عبرت کیوں ہے آج مرکز توحید کیوں نہیں ... میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں سوہدرہ میں اس کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کام کروں گا چنانچہ حضرت علامہ شہید کے جلسے کا پروگرام ترتیب دے رہے تھے کہ مرحوم ہم سے جدا ہو گئے۔ بلاشبہ میرے دوست ہم رخصت ہو گئے مگر سلفی نظریات کی سربلندی کا مشن جاری رہے گا ہم شہداء بالاکوٹ کے پیروکار ہیں راہ حق میں قربانیاں ہمارے اسلاف کی تاریخ ہیں بموں کے دھماکے ہماری راہ میں مزاحم نہیں ہو سکتے یہ مشن جاری ہے یہ سفر جو جذبوں، جرأتوں اور عزیمتوں کا سفر ہے پل پل مشکلات اور آزمائشوں کے بھنور میں بھی یہ کامیاب سفر جاری ہے اور جاری رہے گا انشاءاللہ ....

مجھے اس عظیم نوجوان سے اپنی ملاقاتوں پر ناز ہے اور رہے گا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلک توحید کا ہر پروانہ سربکف ہو جائے۔ شہداء کا خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا، یہ خون رنگ لائے گا۔ سید احمد شہید اور سید اسمٰعیل شہید کے خون نے قیام پاکستان کی راہ ہموار کی ۲۳ مارچ کے شہداء اہل حدیث نے کتاب و سنت کے نظام کے نفاذ کی راہ ہموار کر دی ہے اور اب اسلامی انقلاب آ کر رہے گا۔

حرفِ اعتذار

ترجمان الحدیث کے شہداء اہلحدیث پر خصوصی اشاعت کیلئے

اھل قلم حضرات نے بڑی فراخ دلی سے مضامین ارسال فرمائے مگر ترجمان الحدیث کی تنگ دامانی کے پیش نظر تمام مضامین کو ھم شائع نہ کر سکے امید ھے اھل قلم حضرات اسے ھماری مجبوری کے علاوہ اور کسی محل پر محمول نہیں فرمائیں گے۔ انشاء اللہ باقی مضامین آئندہ گاھے بگاھے ترجمان الحدیث میں شائع ہوتے رھیں گے

(ادارہ)

جناب قاری محمد ایوب فیروزپوری

"خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

۲۳ مارچ کا دن پاکستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے لیکن مذکورہ بالا تاریخ جو گذشتہ ۱۹۸۷ء میں گذری اس دن ایک ایسا دلدوز، جانگداز اور قومی سانحہ پیش آیا جس کی ہولناکیوں اور تباہیوں کی داستان اہلِ حدیث کے لئے لمحہ فکریہ اور اس دور کے حکمرانوں کے ماتھے پر ایک کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوا جسے کسی طرح بھی کھرچا جائے تو وہ محو نہیں ہو سکتا۔ اس جماعتی المیے نے جمعیت اہلحدیث پاکستان اور دنیا بھر کے توحید و سنت کے متوالوں کو ایسے غم و اندوہ میں مبتلا کر دیا کہ جس کا فراموش کرنا بس کی بات نہیں۔ اتنا عرصہ بیت جانے کے باوجود جب وہ بھیانک منظر، شہداء کی لاشیں اور زخمیوں کے پھول جیسے اجسام سامنے آتے ہیں تو آنکھیں بے اختیار ڈبڈبا جاتیں، دل لرزتا اور جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔

منصوبہ جس نے بھی بنایا، جس نے بھی اس کی سرپرستی کی، تار کہیں سے بھی ہلائے گئے ہوں وہ اپنے مجوزہ پروگرام اور منصوبے میں کامیاب ٹھہرا۔ وہ جیت گئے اور ہم ہار گئے۔ ہم متاعِ بے بہا اور گنج ہائے گراں مایہ سے محروم ہو گئے۔ ہماری بدبختی لاشوں اور زخمیوں کی صورت میں ناچنے لگی جس عظیم نقصان سے ہم دوچار ہوئے اس کا بیان الفاظ میں ناممکن ہے۔ ہم شہیدِ اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر کی للکار، خطیب ربانی کی یلغار، علامہ عبدالخالق قدوسی کی پکار اور محمد خاں نجیب کی دھاڑ سے محروم ہو گئے۔ ہم یہ کہنے پر مجبور کر دیئے گئے کہ الٰہی! یہ ہستیاں کس دیس بستیاں ہیں؟ ہاں! ہاں! وہ خوبصورت چہرے جن کی زبانیں ہمیشہ قال اللہ اور قال الرسولؐ کے نغمے الاپتی اور مسلک اہل حدیث کی ترجمانی کرتی تھیں آج خاموش ہو گئیں۔

خطیب لاثانی کی جیب سے نکلنے والا قرآن مقدس ان کے خون سے تر ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح ان کی شہادت کا گواہ بن گیا۔ آہ! جن کے خوبصورت چہرے معمولی سے گرد و غبار کو بھی

ظاہر کر دیتے تھے وہ خاک و خون میں تڑپ گئے۔ بلکہ بقول حضرت فضیل بن عیاضؒ:۔ ع

مَن کانَ یَخضُبُ خَدَّہٗ بِدُموعِہٖ　　فَنُحُورُنا بِدِمائِنا تَتَخَضَّبُ

(آنسوؤں کے بجائے رب کے حضور اپنا خون پیش کر کے انہوں نے اپنے سینے رنگ لئے)

شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے آپ کو اکثر وہابی اور اہل حدیث کا بیٹا کہہ کر متعارف کرایا کرتے تھے۔ آپ نے کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے اہل حدیث افراد کو مقام دلوایا۔ باعزت اور باوقار طریقے سے رہنے کا درس دیا۔ دوسری سیاسی اور مذہبی جماعتوں سے اہل حدیث کو متعارف کرایا۔ پاکستان عرب بلکہ یورپین ممالک تک اہل حدیث کو بطور طاقت منوایا۔ ان کی کس کس خوبی کس کس ادا اور کون کون سی جرأت و جسارت کا ذکر کروں؟ انہیں بحیثیت سیاسی لیڈر، مذہبی قائد بہترین انشاء پرداز، سخن فہم، سخنور اور عظیم خطیب کے پیش کروں۔ ان کی خطابت کے بارے میں تو اتنا ہی کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ع :۔

وَاِذا خَطَبتَ فَلِلمَنابِرِ ھِزَّۃٌ　　تَعرُو النَّدِیَّ وَلِلقُلُوبِ بُکاءٌ

۲۳/مارچ ۱۹۸۷ء کے تمام شہداء کے بارے میں کچھ کہنا میرے بس سے باہر کی بات ہے۔ کیونکہ قلم کو چارا نہیں اور دل سہارا نہیں پکڑتا۔ آنکھیں ہیں کہ جھیل کا منظر پیش کر رہی ہیں۔ افق کے اس پار جانے والوں کی یادیں دل میں ایسی سمائی ہیں کہ جب بھی ان کے نقوش سامنے آتے ہیں تو دل لخت لخت اور جگر پارہ پارہ ہوتا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے بالآخر زبان سے یہی نکلتا ہے۔

لَانَقولُ اِلّا مایَرضٰی بِہٖ رَبُّنا (او کما قال)

ع　لہو کے قطروں کے بیج بو کر　　ہزار گلشن سجانے والو

سلام تم پر سلام تم پر　　سلام تم پر سلام تم پر

آج کی فرصت میں اس قافلے کے کم عمر شہید محمد خاں نجیب کے بارے میں چند باتیں حوالہ قلم و قرطاس کرنے کو جی چاہتا ہے تفصیلی گفتگو تو مرحوم جمعیت طلبہ اہل حدیث یا اہل حدیث یوتھ فورس کے ارکان، عہد بیدار یا شہید کے سفر و حضر کے ساتھی ہی کر سکتے ہیں۔ مجھے تو بس ان کی یاد میں بہنے والے آنسوؤں نے مجبور کیا ہے کہ میں انہیں الفاظ کی شکل دے کر آپ کے سامنے رکھ دوں۔ مختصر سی جماعتی زندگی اور تھوڑی سی عمر میں جو خدمات اس نوجوان نے سرانجام دیں مکمل طور تو وہ بھی میری معلومات سے باہر ہیں۔ تاہم شہید نے نوجوانوں کو منظم کر لے اور ان تک خالص قرآن و سنت کا پیغام پہنچانے میں جو مساعی اور کاوشیں کیں وہ جماعت اہل حدیث کی تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ محمد خاں نجیب

کے معصوم، غیر تراشیدہ، سنجیدہ اور فہمیدہ چہرے پر جب بھی نظر پڑتی تو اس کی نیکی، تقویٰ اور طہارت کے اثرات قلب و نظر پر ضرور اثر انداز ہوتے۔ میں نے دیکھا کہ جب بھی اس سے ملاقات ہوتی وہ جماعتی معاملات اور نوجوانوں کے سلسلہ میں راہنمائی کا طالب ہوتا اور اس عزم کا اظہار کرتا کہ ہم انشاء اللہ دریاؤں صحراؤں اور سنگلاخ مقامات کو عبور کرتے ہوئے ہر جگہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچائیں گے۔ اس کی پیشانی سے عزم و ہمت اور صبر و استقامت کی شعاعیں پھوٹتی نظر آتیں "یہ فلاں شباب" کو لے کر جب چلتا نظر آتا تو میں اپنے لڑکپن کی سوچوں کو حقیقت کا رنگ دھارتے دیکھتا اور زبان سے ان کی کامیابی و کامرانی کی دعائیں نکلتیں۔

نجیب جب اپنے سے کسی بڑے سے محو گفتگو ہوتے تو نہایت دھیمی میٹھی زبان سے اور ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر بات کرتے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے یہی گمان ہوتا کہ بوقتِ تقریر بھی اونچی آواز نکالنے میں شاید تحمل سے کام لیں گے لیکن دیکھنے اور سننے والے نجیب صاحب کو جب قرآن و سنت کے لولوئے لالہ بکھیرتے، خرد کی گتھیاں سلجھاتے، مخالفین پر دھاڑتے، گرجتے برستے، حکمرانوں کو للکارتے، نوجوانوں کو دعوتِ اتحاد دیتے، کارواں میں شمولیت کے لئے پکارتے اور کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان استعمال کرتے دیکھتے تو وہ دنگ رہ جاتے۔

ان حروف کے راقم کی پہلی ملاقات نجیب شہید سے ۲۳ دسمبر ۱۹۸۳ء کو خانیوال میں ہوئی میں ان دنوں جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں شعبہ حفظ و تجوید کے صدر مدرس کی حیثیت سے متعین تھا کہ میرے ایک بزرگ دوست ڈاکٹر عبدالرشید صاحب پٹیالوی کی صاحبزادی کے نکاح کا دعوت نامہ ملا۔ ان دنوں جمعیت طلبہ اہل حدیث کی سٹیج سے نوجوان مصروف کار تھے۔ خانیوال کی جمعیت طلبہ کے ارکان عزیزم محمد دین چوہدری، عبداللطیف انور، ظفر چوہدری اور دیگر نوجوانوں نے مذکورہ تاریخ پر محمد خان نجیب مرحوم کو ایک پروگرام کے انعقاد کے لئے دعوت دی ہوئی تھی اور اس عاجز کو بھی اس میں دعوتِ شمولیت تھی۔ شام کو ایک مقامی ہوٹل میں ارکانِ جمعیت اکٹھے تھے۔ نجیب شہید کے ساتھ غالباً صوبائی سطح کے ایک عہدیدار قاری محمد یوسف لکھوی بھی تھے۔ ہم تقاریر سے فارغ ہوئے تو نجیب میرے ساتھ اس طرح گفتگو میں منہمک ہوئے جیسے ہم مدتوں سے ایک دوسرے سے آشنا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جماعتی اخبارات و رسائل میں آپ کے خیالات پڑھ کر ہماری حوصلہ افزائی ہوتی اور ڈھارس بندھتی ہے۔ نوجوان ہر جماعت اور پارٹی کا مستقبل کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر انہیں جماعتی سٹیج مہیا نہ کی جائے تو یہ تنکوں کی طرح بکھر کر اپنی اپنی راہ لیتے ہیں۔ جیسا کہ قیامِ پاکستان کے بعد

اب تک ہوتا چلا آیا ہے۔ اللہ بھلا کرے علامہ احسان الٰہی ظہیر کا جو ہماری سرپرستی فرما کر نوجوانوں کے اتحاد کا باعث بن رہے ہیں۔ میں نے اپنی طرف سے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔

اسی طرح گذشتہ سال یوتھ فورس نے ضلعی مقامات پر اپنے کنونشن منعقد کئے۔ ماہ جولائی میں ۹، ۱۰ اور ۱۱ تاریخ کو بالترتیب خانیوال اور ملتان پروگرام تھے میں حکومت کی طرف سے ڈالی گئی ایک مداری کی ڈیوٹی کی بناء پر خانیوال نہ پہنچ سکا البتہ ملتان کے پروگرام میں جب حاضری دی تو پروگرام اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ اس دن محمد خاں مرحوم کے ساتھ اہلِ حدیث یوتھ فورس کے موجودہ صدر غازی اسلام رانا محمد شفیق پسروری اور مرکزی نائب صدر عزیز گرامی حافظ محمد انور ساجد بھی تھے۔ پسروری صاحب تو تقریر کرتے ہی لاہور واپس ہو گئے۔ مجھے دیکھتے ہی حبیب اور ساجد کہنے لگے کو کل سے تمہیں ڈھونڈا جا رہا ہے آج رات ہم نے آپ کے ہاں ٹھہرنے کا پروگرام بنایا ہے میں نے مرحبا کہا اور ان دونوں کو لے کر مسجد حمزہ اہلِ حدیث آ گیا کیونکہ ان دنوں میں اپنے دیگر چار پانچ دوستوں کے ہمراہ وہیں قیام پذیر تھا۔ رات کافی دیر تک جماعتی حالات اور اہلِ حدیث یوتھ فورس کی تعمیر و ترقی کے لئے بات چیت ہوتی رہی۔ صبح یہ قافلۂ جرأت وجسارت عازم دہاڑی ہو گیا۔ اس کے بعد یہ ملاقاتیں محبت اور باہمی تعلقات کی پختگی کا سبب بن گئیں اور پھر ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

لیکن آہ! ان میں گذشتہ ۲۳ مارچ کے دن نے ایسا رخنہ اور کٹاؤ پیدا کر دیا جس کے پُر ہونے اور میل ملاپ کی دنیا میں کوئی صورت نظر نہیں آتی ۲۳ مارچ کو سال ہونے کو ہے ہمارے لعل و گہر خون میں تڑپ گئے۔ ملک ہی نہیں بیرونی دنیا بھی اس حادثے پر سراپائے احتجاج اور غم و اندوہ کا اظہار کر رہی ہے لیکن حکومت ہے کہ وہ دوسرے قتلوں کی طرح ۲۳ مارچ کے مقتولین اور مجروحین کے ذمہ دار اور درندہ صفت افراد کو اپنی گرفت میں لینے سے ترساں اور گریزاں ہے۔ ہم حیران ہیں کہ ان کے قاتلوں اور دھماکے کے ذمہ داروں کو آسمان نے اُچک لیا یا زمین کھا گئی؟ حکومت کی انٹیلی جنس کہاں ہے؟ اگر وہ اس قسم کے قومی حادثات کے مجرموں کا کھوج لگانے میں ناکام ہے تو ایسے محکمے کا برقرار رکھنا چہ معنی دارد؟ جب سے یہ حادثہ پیش آیا ہے چھوٹے سے لے کر اعلیٰ حکام تک کے بیانات مختلف اور غیر ذمہ دارانہ ہوتے ہیں۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ ۲۳ مارچ کے حادثے کے مجرم پاکستان سے فرار ہو کر باہر جا چکے ہیں۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ موجودہ حکومت کی ساری مشینری ملکی انتظامات میں ناکام ہو چکی ہے ملک میں قتل و غارت، افراتفری، ڈاکے، چوریاں عام، سرحدیں غیر محفوظ، اور مجرم باڈر رینجرز کی موجودگی میں سرحدیں پار کر کے باہر بھاگتے اور پاکستان میں داخل ہو کر تباہی اور بربادی کا سبب بن رہے ہیں۔ اگر یہی

صورت حال ہے اور یقیناً ہے تو پھر ہماری حکومت کے ذمہ دار "سب اچھا" کا راگ کیوں الاپ رہے ہیں؟ انہیں اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے گوشۂ تنہائی میں چلے جانا چاہیئے کیونکہ اسلام تو حکام پر رعایا کی حفاظت فرض قرار دیتا ہے۔ مذکورہ حادثے پر جتنے آنسو بہائے جا چکے ہیں انہیں مدنظر رکھا جائے اور شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر، شہید اسلام مولانا حبیب الرحمان یزدانی، علامہ عبدالخالق قدوسی کے معصوم اور مظلوم بچوں کی آہیں اور محمد خاں نجیب اور دیگر شہداء کے بوڑھے والدین کی دعائیں ایک نہ ایک دن انشاء اللہ ضرور رنگ لائیں گی کیونکہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

..... وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ لَيْسَ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَهُ حِجَابٌ۔

ان تمام شہداء کا خون ضائع نہیں جائے گا۔ حکمرانوں کو جبار و قہار کی بے آواز لاٹھی سے ڈرنا چاہیئے۔ اقتدار ایک ڈھلتی چھاؤں ہے اس نے ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ کرسی میں وفا کی بجائے بے وفائی کی صفت زیادہ ہے انہیں اپنے پیشروؤں سے ہی عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلک اہل حدیث کے متوالوں جیالوں اور نوجوانوں سے یہ اپیل ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ وقت کے دھارے کو پہچانیں اور اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کر کے دنیا کے ہر کونے تک اہل حدیث کی دعوت کو پہنچانے کی کوشش کریں یہی ۲۳ مارچ کے شہداء کا مشن تھا۔ اٹھیئے! ان کی آواز پر لبیک کہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

تحریر :- مولانا محمد عبید اللہ خان صاحب عفیف

برخوردار محمد خان نجیب شہید رحمۃ اللہ الحمید

دستور تو یہ ہے کہ قابل اور صاحب قلم شاگرد اپنے اساتذہ کے سیر و سوانح قلمبند کیا کرتے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے، یا اپنے اساتذہ کے ثقہ معاصرین سے سُنا اور پڑھا ہوتا ہے۔ اسکو احاطہ تحریر میں لاکر اپنے اساتذہ کے علمی کانہ کو آگے بڑھایا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اسی عنوان پر بات چل نکلی تھی میں نے کہا کہ حضرت محدث گوندلوی رحمہ اللہ کے مسودات ضائع ہو رہے ہیں۔ ابھی تک جماعت نے ان علمی شاہ پاروں اور انکے تحقیقی رشحات قلم کو منظر عام پر لانے کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔ تو محمد خان نجیب جھٹ بول اٹھا "استاذ جی تسیں اللہ دا ناں لے کر لکھی جاؤ میں انشاء اللہ تعالیٰ تہاڈے مجموعہ فتاویٰ سمیت تمام قلمی مسودات نوں ضائع نہیں ہون دیاں گا" میں نے جزاکم اللہ الخیر دعا دیتے ہوئے کہ آپ کے والدین ماجدین کیطرح مجھے آپ سے ایسی بہت سی توقعات ہیں۔ لیکن یہ کسے خبر تھی کہ اتنے بلند عزائم رکھنے والا میرا یہ برخوردار جلد ہی شہادت فی سبیل اللہ کی خوناب قبا پہنے میو ہاسپٹل کے مردہ خانہ میں ایک اسٹریچر پہ خاموش پڑا ہوگا۔ اور يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کی نوید پر کیف سے حسب معمول ہونٹوں پر مسکراہٹ مچل رہی ہوگی۔ اور مجھے اس کو آخری بوسہ دینا ہوگا۔ اور پھر مجھے بھیگی آنکھوں، دھڑکتے دل، پھٹے جگر، کانپتے ہاتھوں اور لرزتے قلم سے اس جوان رعنا کے سوانحی خاکہ میں اپنے مشاہدات اور معلومات کا رنگ بھرنا پڑے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہائے اے موت تجھے موت ہی آئی ہوتی۔

؎ کیا اس لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

نین نقشہ!

سانولی رنگت، متوسط قد و قامت، گٹھی ہوئی جسامت، چوڑی چھاتی، شرم و حیا والی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں، خوبصورت ناک، کشادہ جبیں پر سلیقت کا جھومر، چہرے پر ذہانت و شرافت کے درخشاں نخایل، مقراض سے نا آشنا

پیاری پیاری مسنون ڈاڑھی، ہونٹوں پر مسکراہٹ کا سماں، خوش کردار، خوش گفتار عقیدے کے سلفی شخصیت کے وجیہہ، بات کے دھنی، قول کے پکے، وعدہ کے سچے، فکرِ اہلحدیث کے داعی اور ساعی، اہلحدیث یوتھ فورس پاکستان کے صدر، جمعیت اہلحدیث پاکستان کے بے خوف، بے لوث اور خود دار نوجوان رہنما، دارالحدیث چنیانوالی کے نامور سپوت علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ، کے شیدائی اور میرے وفادار برخوردار، یہ تھے جناب محمد خان نجیبؒ جن کا انتقال پُر ملال شہدائے اہلحدیث یعنی بین الاقوامی سکالر، مشہور مصنف، بیباک قومی لیڈر خطیب عالم اسلام اور غیور اہلحدیث عالم دین علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ، خطیب اہلحدیث مولانا حبیب الرحمن یزدانیؒ اور محقق و مورخ اہلحدیث مولانا عبدالخالق قدوسی اور دوسرے چھ رفقاء کی معیت میں ۲۳ اور ۲۴ مارچ ۱۹۸۷ء کی درمیانی شب کو بوقت ۱/۲ ۱۱ بجے قلعہ لچھمن سنگھ لاہور کے بم کے دھماکہ میں ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ دھماکہ کیا ہوا ایک قیامت صغریٰ بپا ہو گئی اور چشم زدن میں چاروں طرف یا تو دھواں ہی دھواں تھا یا پھر خون ہی خون تھا۔ ایک سو سے زائد افراد زخمی ہو گئے۔ اور اہلحدیث قیادت خاک و خون میں تڑپ کر رہ گئی۔ ے

روش روش، چمن چمن، اِدھر لہو اُدھر لہو
میں کیا کہوں یہ حادثہ کہاں کہاں گزر گیا

ولادت اور خاندان | محمد خان بن میاں محمد شفیع بن عبدالرحمن بن بدرالدین گجر۔ آبائی وطن مقبوضہ جموں وکشمیر۔ تشکیل پاکستان کے وقت ۱۹۴۷ء میں یہ کھاتا پیتا خاندان ہجرت کر کے پاکستان چلا آیا اور شہر اقبال کے شمال میں بفاصلہ ۱۰ میل واقع موضع گرڈھی گوندل میں آباد چلا آرہا ہے۔ محمد خان نجیب شہید ۱۱ جون ۱۹۶۰ء میں اسی بستی میں پیدا ہوئے۔ سلفی العقیدہ والد محترم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے قلبی لگاؤ اور بے پناہ محبت کی مناسبت سے اپنے اس بچے کا نام محمد رکھا۔ اور پھر بعد ازاں محمد خان نجیبؔ کے نام سے لازوال شہرت پائی۔ مکتبی اور مڈل تک کی تعلیم مقامی اسکول میں حاصل کی۔ اور پھر مراکیوال گورنمنٹ ہائی اسکول سے امتیازی شان کے ساتھ میٹرک کی ڈگری حاصل کی۔

دارالحدیث چنیانوالی میں آمد | میٹرک پاس کر لینے کے بعد والد محترم نے اپنے اس ہونہار بیٹے کو دینی تعلیم دلانے کیلئے فیصل آباد کے جامعہ سلفیہ

میں داخل کرا دیا۔ مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہ آسکی۔ لہٰذا کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد مرحوم شہید ۱۹۷۸ء کو لاہور چلا آیا اور راقم کے پاس دارالحدیث چینیانوالی میں داخل ہوگیا۔ داخل کیا ہوا کہ پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ کہ اپنی شرافت، ذکاوت اور سلیقہ مندی کی وجہ سے حضرت علامہؒ اور راقم کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔ اور ساری دینی تعلیم یہیں حاصل کی۔ عربی ادب کی بعض کتابوں کے علاوہ جلالین، شرح نخبۃ الفکر شرح عقیدہ طحاویہ، ہدایہ اولین، سنن ابی داؤد اور صحیح البخاری وغیرہ بڑی بڑی کتب مجھ سے پڑھیں اور دوسری کتب دوسرے اساتذہ سے پڑھیں۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں دلچسپی جاری رکھی۔ لہٰذا ۱۹۷۹ء میں ایف۔ اے پھر ۱۹۸۱ء میں بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا۔ اور ۱۹۸۲ء کو راقم سے صحیح البخاری پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

میدان سیاست قدرت کی طرف سے شہید مرحوم کو جہاں بہت سی صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں وہاں زندگی بھی مختصر ملی تھی۔ اور قسام ازل نے ان سے کچھ دینی کام بھی لینا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ بڑی برق رفتاری کے ساتھ مگر انجام سے بے خبر اپنی منزل کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ اسی سال جب سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کر چکے تو علامہ شہید نے ان کی ذہانت و محنت اور قابلیت کے پیش نظر مدرسہ میں مدرس تعینات کر دیا۔ تدریس کے ساتھ ساتھ وفاق المدارس سلفیہ کے سالانہ امتحان میں باضابطہ شرکت کر کے جب فسٹ ڈویژن میں ایم۔ اے عربی کی ڈگری حاصل کر لی تو علامہ صاحب نے اس فاضل نوجوان کو اسلامی قانون کی اعلیٰ ڈگری دلانے کیلئے ملک کی بین الاقوامی یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ۔ اسلام آباد میں داخلہ دلوا دیا۔ دوران تعلیم ۱۹۸۲ء میں جمعیۃ طلبہ اہلحدیث پاکستان کے پہلے جائنٹ سیکرٹری اور بعد ازاں صدر چن لیے گئے۔ پھر جب جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے تمام طلبہ تنظیموں پر قدغن عائد کر کے انہیں کالعدم قرار دیا تو علامہ شہید نے اپنے مخلص رفقاء کار کے ساتھ مل کر اہلحدیث یوتھ فورس کی طرح ڈالی۔ اس فورس کے اراکین نے آپ کو صدر منتخب کر لیا۔ اس نوزائیدہ تنظیم نے اپنی لیڈر شپ کی ذہانت، سیاسی بصیرت کی تجرباتی راہنمائی کی وجہ سے اتنی سرعت کے ساتھ ترقی کی کہ دوسری پرانی تنظیمیں دیکھتی رہ گئیں۔ اور ملک کے در و دیوار اس تنظیم کی للکار اور یلغار سے تھرانے لگ گئے۔ غرضیکہ اس تعلیمی

مصروفیات کے باوجود اپنی زندگی کے نصب العین یعنی دعوت الی اللہ ورسولہٗ اور جماعتی سرگرمیوں میں سرمو کمی نہیں آنے دی۔ رات کو اپنے محبوب قائد علامہ شہید کے دوش بدوش جماعتی اور قومی جلسوں سے خطاب کرتے اور دن کو اپنی کلاس میں بیٹھے ہوتے۔ اسی طرح جب علامہ صاحب دعوت وتبلیغ وغیرہ کیلئے بیرون ملک تشریف لے جاتے تو اپنا منبر اُن کو دے جاتے۔ اسیطرح میں جب ۱۹۸۳ء میں حج کے لیے سعودی عرب گیا تو مسلسل تین ماہ جامع مسجد لسوڑے والی میں میری جگہ خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اسلام آباد میں تعمیر مساجد اہلحدیث مسلک اہلحدیث کی نشرو ترویج کے شوق فراواں اور ولولہ کا تو یہ عالم تھا کہ اسلام آباد کی مختصر اقامت میں متعدد اہلحدیث مساجد کی نہ صرف بنیاد رکھی بلکہ تحریک اہلحدیث کی احیاء دین کے سلسلہ میں تجدیدی مساعی اصلاحی خدمات اور ملی اور سیاسی کارناموں کو مزید چار چاند لگانے اور انکو زندہ جاوید بنانے کیلئے ان مساجد کو امیرالمومنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ، صاحب سیف وقلم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ اور قائد حریت مجاہد ملت شاہ اسماعیل شہیدؒ دہلوی المتوفی ۶ مئی ۱۸۳۱ء / ۱۲۴۶ھ جیسے اعاظم رجال محدثین اور عبقری علماء امت کے ناموں کے ساتھ ان مساجد کو موسوم کیا۔ اور وہ مساجد یہ ہیں۔ (۱) مسجد امام بخاریؒ یہ وہ مسجد ہے جو مرحوم شہید نے اسلام آباد میں اپنے قیام کے پہلے سال ۱۹۸۲ء سیکٹر ۸/۴/G میں خود تعمیر کی تھی اور اس کا سنگ بنیاد بھی خود اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔ اور دسمبر کی سردی میں کھلے آسمان کے سایہ میں راتوں کو پہرہ دیا کرتے۔ جب اسکی کچی پکی چھت مکمل ہو چکی تو پہلا خطبہ جمعہ بھی خود ہی دیا تھا۔

(۲) مسجد شاہ اسمٰعیل شہیدؒ:- ۱۹۸۴ء میں سیکٹر ۹/۴/G میں اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور دسمبر ۱۹۸۴ء میں اقامت جمعہ کا آغاز بھی اپنے خطبہ سے کیا۔

(۳) مسجد امام ابن تیمیہؒ۔ یہ وہ مسجد ہے جسے مرحوم شہید نے سیکٹر ۱۰/۲/G میں تعمیر کی تھی۔ ان تینوں مساجد کے علاوہ دو ایک اور مسجدوں کا بھی سنا ہے تاہم ان کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ موصوف نے نہ صرف ان مساجد کی بنیادیں رکھیں بلکہ ان میں جمعہ وجماعت کی اقامت کیلئے ائمہ اور خطباء کا انتظام بھی کیا۔ جیسا کہ اسلام آباد کے درو دیوار آج بھی اسکے شاہد عدل ہیں۔ لہٰذا جہاں یہ مسجدیں توحید وسنت

کے مواعظ حسنہ کی للکار سے قیامت تک گونجتی رہیں گی وہاں ہمارا نجیب بھی نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ اس کے درجات وحسنات میں اضافہ بھی ہوتا رہے گا۔

وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون ۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مرحوم شہید ابھی کنوارے ہی تھے ۔ حضرت حافظ عبدالغفور جہلمی مرحوم المتوفی ۱۹۸۶ء کی وساطت سے جہلم شہر میں گجر برادری کے ایک کھاتے پیتے اور سلفی العقیدہ گھرانے کی ایک اعلیٰ تعلیمیافتہ دوشیزہ سے نسبت ہو چکی تھی ۔ عالم اسلام کی ایک قدآور شخصیت کی آمد پر بعض مخلصین نے نکاح کر دینے کا مشورہ دیا ۔ تو نجیب شہید نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے نکاح کی اس فوری تقریب میں میرے الشیخ (راقم) شریک نہ ہو سکیں گے۔ اب کہ شادی کی تاریخ طے پانے ہی والی تھی کہ اپنے بوڑھے والدین حفظھما اللہ اور بہن بھائیوں کی ساری امنگوں اور اپنی منگیتر کی تمام آرزوؤں کو ادھورا چھوڑ کر ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو قوم سے آخری ولولہ انگیز اور یادگار خطاب کر کے اللہ کی راہ میں شہید ہو کر اپنے سر پر حیات سرمدی کا خوناب سہرا سجا کر واصل بحق ہو گیا ۔ کان ماشاء اللہ وما لم یشاء لم یکن ۔ ؎

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا!

میرے مثالی شاگرد یوں تو بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ میرے تلامذہ کا سلسلہ سینکڑوں سے متجاوز ہے ۔ جن میں بعض نامور مدرس، خطیب اور ماسٹر ہیں اور بعض فوج میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں وَھُمْ اَجْرًا لھم نذر فرید مگر چار ایسے مثالی شاگرد بھی ہیں ۔ بقول خلیفہ مامون الرشید پرانے زمانہ کے سلفی طلبہ کا سوکھا آنکھوں کے سامنے گھومنے لگ جاتا ہے ۔ دو بنگالی ہیں ایک مولوی سراج الدین اور دوسرے مولوی فضل الرحمٰن ۔ ان دونوں نے ۱۹۶۹ء و ۱۹۷۰ء میں اپنے دوسرے تین ساتھیوں کے ہمراہ مجھ سے مکمل صحاح ستہ پڑھی ۔ دارالحدیث چینیانوالی میں اب کی طرح ناشتہ اور کھانے کا انتظام نہ تھا ۔ صرف تیس روپے ماہانہ وظیفہ ہوتا تھا ۔ اور لاہور میں یہ قلیل سا وظیفہ نہ ہونے کے برابر تھا ۔ بیچارے بنگالی دام گی سے کھانا لا کر گزر بسر کرتے

تھے۔ اور کھانا لانے کیلئے کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ مولوی سراج الدین بغیر کسی ناشتہ کے سارا دن بھوکے اسباق پڑھتے۔ کھانا لانے کیلئے نہ جاتے۔ اگر ساتھی کھانا لے آتا تو عصر کے بعد کھاتے ورنہ دونوں وقتوں کا کھانا رات کو کھاتے۔ میں جب کہتا کہ آپ کھانا لا کر کیوں نہیں کھاتے تو وہ جواب میں کہتے کہ مولوی صاحب میں بنگال سے پڑھنے کیلئے آیا ہوں۔ کھانا لینے کیلئے جاؤنگا تو میرا سبق رہ جائے گا۔ اور یوں انہوں نے دو سال برابر اسیطرح بھوکے رہ کر پڑھا۔ اس مولوی صاحب کی دوسری خوبی کہ جس میں میرے جیسے کاہل مدرسین اور اکثر و بیشتر طلبہ عام طور پر محروم دیکھے گئے ہیں۔ یہ تھی ہر نماز کی اذان سے پانچ سات منٹ پہلے مسواک لیکر وضو کیلئے ٹونٹیوں پہ آجاتے۔ وضو کرتے اتنے میں اگر کوئی دوسرا اذان پڑھ دیتا تو فبہا ورنہ اذان بھی خود پڑھتے مولوی فضل الرحمٰن صاحب تقویٰ، راست گوئی اور دوسری اعلیٰ اقدار کے مالک تھے اتنے شریف النفس تھے کہ میں نے دو سال کے عرصہ میں ان کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی جو تقویٰ کے منافی ہو۔ اکل حلال میں تو وہ اپنی مثال آپ تھے۔ حالانکہ بہت غریب اور نادار طالبعلم تھے ایک دفعہ ملک محمد حسین مرحوم صدقہ کے چمڑے کے بیس پچیس روپے مدرسہ میں جمع کرانے کیلئے لائے میرے مشورہ پر انہوں نے یہ بنگالی طلبہ میں تقسیم کر دیئے۔ تیسرے دن جب مولوی فضل الرحمٰن بنگالی کو پتہ چلا تو میرے پاس آیا اور کہنے لگا مولانا صاحب یہ پیسے واپس لیجیے کہ میرے لیے حرام ہیں۔ یہ کہہ کر پیسے واپس کر دیئے۔ اللہ اللہ۔ یہ تھے مولوی فضل الرحمٰن بنگالی۔

(۳) مولوی محمود قاسم شہید بن حکیم جان محمد آف بصرہ کالونی مریدکے منڈی۔ اس نے بھی نجیب شہیدؒ کے ساتھ بخاری پڑھی تھی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ صاحب فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بڑے مستعد اور بیباک تھے۔ بڑی اچھی تقریر کر لیتے تھے اگر شہید نہ ہوتے تو یقیناً آج میدان خطابت میں نمایاں ہوتے۔ فہمیدگی اور سنجیدگی کا تو یہ عالم تھا کہ تین سال میرے پاس رہے مگر اس طویل عرصہ میں نہ صرف مجھے شکایت کا موقعہ نہیں دیا بلکہ میرے سامنے کبھی آنکھ اٹھائی اور نہ قہقہہ لگایا۔ اگر کوئی سوال پوچھنا ہوتا یا کبھی کوئی بات کرنا ہوتی تو بڑی دھیمی آواز میں حضرت جی کہہ کر بات کرتا۔ نجیب شہیدؒ اور اپنے دوسرے آٹھ طلبہ کے ساتھ بخاری شریف پڑھ چکا تھا۔ تقریب بخاری میں بھی شریک ہوا۔ امتحان کے بعد سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کرنے ہی والا تھا کہ اس کے بدمعاش اور لوفر چچیرے بھائیوں نے ۱۹۸۲ء کے شعبان میں

باقی صفحہ ۳۱۱ پر

تعزیتی پیغامات

اور خراج عقیدت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب امیر جمعیۃ اہلحدیث پاکستان

اہل حدیث کا سورج کہاں سے طلوع ہوا اور کہاں جا کر غروب ہوا خطابت و سیاست کے اس شہسوار کو وہی ارض مقدس نصیب ہوئی جس کے ساتھ اسے بے حد محبت تھی ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ نے اسے ان کا ساتھی بنایا جو کتاب و سنت کے مبلغ اور عامل تھے جمعیۃ اہلحدیث پاکستان ایک بہترین قائد، سیاستدان، خطیب، مفکر، عالم، دانشور اور ادیب سے محروم ہو گئی ہے دراصل جماعت کی نشاۃ ثانیہ کا محرک ہم سے جدا ہو گیا ہے لیکن وہ شہید کن کے پہلو میں محو آرام ہے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور ان کی رفاقت میں دین کی سربلندی کے لیے قربانیاں دی تھیں۔

جماعت اہلحدیث کا عظیم نقصان ہوا۔ (مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی)

علامہ احسان الٰہی ظہیر نے اسلام کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں ۔
(صدر ضیاء الحق)

مولانا کی وفات سے ملک ایک نامور عالم اور سیاستدان سے محروم ہو گیا
(وزیر اعظم جونیجو)

علامہ مرحوم ایک عظیم محب الوطن تھے ۔ (گورنر سجاد قریشی)

مولانا نے اسلام کے لیے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔
(وزیر اعلیٰ نواز شریف)

تشدد کے سوداگروں نے عزیز ترین متاع چھین لی ہے۔

(نوابزادہ نصراللہ خاں)

علامہ ظہیر کی خدمات تاریخ میں ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی۔

(مولانا سلیم اللہ خاں)

اس طرح کی موت بلاشبہ اعزاز ہے۔

(ڈاکٹر اسرار احمد)

ملک محبّ وطن، مذہبی رہنما سے محروم ہوگیا۔ جتوئی

(پنجاب اسمبلی میں خراج عقیدت (جتوئی)

علامہ ظہیر محبّ وطن اور جید عالم دین تھے۔ مرحوم کے سوگ میں دس منٹ کے لیئے اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔

پندرہ سال سے ہمارے ساتھ جمہوریت کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔

(ملک قاسم)

جناب ایس ایم ظفر

علامہ صاحب کی شہادت کے بعد خطابت کا جنازہ نکل گیا ہے وہ وہی بات زبان پر لاتے تھے جو ان کے دل میں ہوتی تھی۔ وہ شورش کے بعد سب سے بڑے خطیب تھے۔ ان کی جرأت وبے باکی ہمارے لیے مینارہ نور ہے۔

جناب خان عبدالولی خاں

مرحوم نے ہر جمہوری تحریک میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا تھا اور وہ اپنے موقف سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے مرحوم کے قاتلوں کی گرفتاری کے لیے جمعیۃ اہلحدیث کی جانب سے جو تحریک بھی شروع کی جائے گی اے این پی اس تحریک کا بھرپور ساتھ دے گی ۴ مئی ۱۹۸۷ء

جناب عبدالحنان سامرودی بھارت

شہدائے اہل حدیث نے اپنا خون دے کر چمن مسلک کی آبیاری کی ہے۔

سلطان محمد بن القاسمی حاکم شارجہ

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی شہادت سے عالم اسلام ایک ممتاز عالم دین سے محروم ہوگیا ہے

الشیخ طارق العیسیٰ مدیر امور خارجہ جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت

علامہ احسان الٰہی ظہیر، عالم اسلام کی ایک عظیم متاع تھے ان کے اٹھ جانے سے بہت سی مسندیں خالی ہو گئی ہیں

ڈاکٹر عبد الباری صاحب صدر جمعیۃ اہل حدیث بنگلہ دیش

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی شہادت سے عالم اسلام ایک دلیر مجاہد، نامور سکالر، مسلک کے فدائی اور جرأتمند قائد سے محروم ہو گیا ہے۔

جناب محمود ھارون سابق وزیر داخلہ پاکستان

علامہ مرحوم کی قومی و ملی اور دینی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ علامہ مرحوم عالم اسلام کی عظیم متاع تھے۔

جماعۃ الدعوہ الی القرآن والسنۃ مدینہ منورہ

علامہ احسان الٰہی ظہیر اسلام کے بہادر سپوت اور جرأتمند سپاہی تھے ان کی شہادت سے اہل حدیث جماعت ایک مایہ ناز خطیب سے محروم ہو گئی ہے۔

جمعیۃ اہلحدیث جموں وکشمیر سرینگر

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی شہادت پورے عالم اسلام کا سانحہ ہے ان کی ہمہ جہت خدمات فراموش نہ کی جا سکیں گی۔

پروفیسر صبغت اللہ لیڈر افغان نیشنل لبریشن فرنٹ

علامہ احسان الٰہی ظہیر ایسے دینی اسکالر، اور بے مثال خطیب کی شہادت صرف پاکستان کا ہی نہیں بلکہ افغان مجاہدین کے لیے بھی ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

مولانا فضل کریم عاصم امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث برطانیہ

سانحہ لاہور کی خبر تو بجلی بن کر گری۔ یہ جمعیۃ اہل حدیث کا ہی نہیں بلکہ مسلک اہل حدیث کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس آزمائش سے سرخرو فرمائے اور ہمارا

حامی وناصر ہو۔

سانحہ کے کیس کے سلسلہ میں قائدین جماعت مسلسل تگ ودو میں مصروف ہیں مگر اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت تفتیش میں تساہل سے کام لے رہی ہے یہی وجہ ہے کہ ابھی تک مجرم گرفتار نہیں ہو سکے

احباب جماعت مقیم کویت

علامہ شہید، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کا بدل تھے۔

احباب جماعت مقیم مکہ مکرمہ۔ الریاض

علامہ شہید بین الاقوامی شہرت کے اسکالر، مایۂ ناز خطیب اور ملک وملت کے سچے سپاہی تھے ان کی علمی وفکری، مدبرانہ اور قائدانہ صلاحیتوں کی دنیا معترف ہے۔

جناب حسن اهدل ڈائریکٹر رابطہ عالم اسلامی لندن

علامہ احسان الٰہی ظہیر سے جب بھی میری ملاقات ہوئی میں ان کے خیالات، غلبۂ اسلام کے لیے تڑپ اور باطل عقائد کے انسداد کے لیے بےچینی سے بے حد متاثر ہوا۔

مولانا عبدالعزیز عمر السلفی ناظم مجلس الدعوۃ الاسلامیہ دہلی

مسلک حق کے ساتھ اس طرح کا معاملہ روز اول سے جاری ہے۔ شہداء کے مشن کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔

جناب مولانا فضل الرحمٰن ہزاروی مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے گنجہائے گرانمایہ وہ کیا کیے

علامہ صاحب کی وفات نے جس طرح پوری جماعت کو ہلا کر رکھ دیا ہے وہ ناقابل بیان ہے واللہ وہ اپنی ذات میں ایک فرد نہیں، ایک کارواں تھے۔ ایسی شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ آپ ان کے علم وفضل فکر و تدبر اور قیادت وخطابت سے بخوبی واقف ہیں ان سے آپ کی رفاقت کم وبیش ربع صدی پر محیط ہے اس خوش نصیب کو کتنی اچھی موت نصیب

ہوئی کہ توحید کا علمبردار، توحید بیان کرتا ہوا، دنیا سے چلا گیا۔ اب ہمیں ان کے کام اور نام کو زندہ رکھنے کے لیے اسی جذبہ، اسی لگن، اسی محنت اور خلوص کے ساتھ کام کرنا ہے۔۔۔۔ ورنہ زمانہ ہمیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دے گا۔ جس قدر ہمارا مسلک سچا اور سچا ہے اسی قدر پکے اور سچے خادموں کی ضرورت ہے جو کتاب وسنت کی بالادستی کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیں اور کیا لکھوں ؟ جذبات و احساسات بہت ہیں مگر صفحہ قرطاس پر لانے کی ہمت نہیں۔

جناب پروفیسر محمد اسد اللہ غالب راجشاہی یونیورسٹی بنگلہ دیش

علامہ احسان الٰہی ظہیر اپنے وقت کے عدیم المثال مقرر، محرر، متکلم و عالم دین تھے تحریک اہل حدیث کے بے باک مجاہد تھے کیا علامہ ظہیر چلا گیا ؟ شر پسندوں نے اسے مار ڈالا؟ کبھی نہیں القادیانیۃ، البہائیۃ، الشیعہ والقرآن، البریلویۃ ان کی دیگر قیمتی کتب ان کا ترجمان الحدیث، ان کی جمعیت، سب کے سب تو آپ کے زندہ کارنامے ہیں۔ فروری ۸۵ء میں ڈھاکہ کانفرنس میں شعلہ انگیز خطاب تو ہم اب تک سن رہے ہیں۔ بنگلہ دیش کے آئندہ سفر میں تو وہ بنگلہ میں تقریر کرنے کا وعدہ کر گئے تھے اور ہم لوگ جمعیت شبان اہل حدیث بنگلہ دیش کی آئندہ کانفرنس میں ان کو "شیر پاکستان" کا خطاب دینے کا مصمم عزم کر چکے تھے کیا ان کے انتقال کے بعد ہم ان کو وہ لقب نہیں دے سکتے ؟

سنٹرل بار ایسوسی ایشن مظفر آباد

علامہ صاحب کی وفات عالم اسلام کے لیے ایک عظیم نقصان ہے۔

جناب رشید احمد صدیقی صدر یو کے اسلامک مشن لندن

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی موت، ایک بے باک خطیب، محبِ وطن سیاستدان اور عظیم علمی شخصیت کی موت ہے۔

مولانا عطاء اللہ خاں صاحب امیر جمعیۃ اہلحدیث بھونڈی بھارت

سانحہ لاہور میں ملوث ان شر پسندوں کو شاید معلوم نہیں کہ یہ قافلۂ جادۂ حق ہمیشہ اس قسم کے آزمائشی اور سازشی قسم کے لوگوں کی سازشوں کا نشانہ بنا رہا ہے مگر جادۂ حق کے متوالے ہمیشہ کامیاب و کامران اور استقامت و عزیمت کے کوہِ گراں ثابت ہوتے ہیں الحق یعلو ولا یعلیٰ

(باقی آئندہ)

مولانا قدوسیؒ کے ایک مکتوب کا عکس

المکتبۃ القدوسیۃ

اہل حدیث مارکیٹ اردو بازار
لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخی الکریم جناب جاوید عارف محمدی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جزاک اللہ خیرا - میں بحمد اللہ خیر و عافیت سے واپس حسب پروگرام پہنچ گیا ہوں
آپ اور آپ کے رفقاء نے کویت میں دوران قیام جمعیت اہل حدیث کے
ساتھ محبت اور تعاون کا جو مظاہرہ فرمایا اکابرین جماعت خاص کر محدث صاحب
اس پر بہت خوش ہوئے آپ کے لئے اور رفقاء کے لئے دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ آپ
کو مزید توفیق عطاء فرمائے کہ آپ اسی طرح دلجمعی سے جماعت کے ساتھ تعاون جاری
رکھیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عنایت فرمائے آمین ثم آمین۔
میں نے پیپرز کے معاملے میں محدث صاحب سے بات کی تھی ان شاء اللہ تعالیٰ
اس سلسلے میں آپ کو دوبارہ شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔
جمعیت نے جو دفتر خریدا ہے اس کے باقاعدہ نقشے تیار ہو رہے ہیں جو عنقریب
مع مشاریع آپ تک پہنچ جائیں گے۔
جامع صلح کے متعلق ان دنوں کافی پیش رفت ہوئی ہے دعا جاری رکھیں۔
امید ہے آپ نے میری کتب روانہ کر دی ہوں گی۔
جو آپ نے عرض کیا تھا ان کتب کے کاغذات بلٹی وغیرہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
آرام باغ کے ایڈریس پر روانہ کرنا ہے میں نے ان کو اس سلسلے میں خط لکھ دیا ہے
توفیق صاحب اور جناب صلاح الدین صاحب کو میری طرف سے سلام عرض کر دیں
بہانہ آپ کا دیا ہوا فلور فرش کر دیا تھا باقی کام دو تین دنوں میں ہو جائے گا۔
صلاح الدین کا پیغام میں نے حافظ احمد اللہ مولانا صاحب کی خدمت میں پہنچا دیا تھا امید
ہے ان کا کام آپ کے حسب خواہش ہو جائے گا۔

والسلام
عبدالخالق قدوسی
۸ ۳/۸۶

محمد خان نجیب شہید کی تحریر کا عکس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

میں خانیوال کے ضلعی کنونشن میں شرکت کے سلسلہ میں
اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حاضر ہوا، کنونشن میں نوجوانوں کے
جذبات نے نہایت متاثر کیا اور کنونشن کے انتظام پر بھی یہ سب کچھ
دیدنی تھا۔ آخر میں دفتر کے افتتاح کی سعادت بھی بندہ کو
نصیب ہوئی، دفتر کے اندر پاؤں رکھا اور نظر چاروں طرف
دوڑائی تو دفتر کی آرائش اور خوبصورتی یہاں کے نوجوانوں
کے باذوق ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔ جب یہ مجھے
فخر ہے کہ اہلحدیث یوتھ فورس کے کارکنان کسی میدان
میں بھی تنظیمی طور پر کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ کرے
ان کے جذبات کو نظر بد نہ لگے۔ آمین۔

والسلام

محمد خان نجیب
صدر اہلحدیث یوتھ فورس پاکستان
۱۰-۲-۸۵

جہالت و جمود کے خلاف جہاد
ممتاز ڈائجسٹ
لاہور
زیر ادارت : حافظ عبدالاعلیٰ درانی

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ [illegible]

جمعیتِ توحید پہ اللہ کا احسان — علامۂ آثار و سنن حافظِ قرآن
تقریر و خطابت کا امڈتا ہوا طوفان — تحریر میں تصویرکشِ گوہر و مرجان

زینت دہِ ہر طرز، سخن سنجِ ہر اسلوب
بوڑھوں کا بھی محبوب جوانوں کا بھی محبوب

ہر چند یہاں روشنیٔ علم و ہنر ہے — ہر گام بپا معرکۂ فکر و نظر ہے
لاریب یہاں دورۂ عرفان دگر ہے — رفتارِ جہاں گرچہ باندازِ دگر ہے

لیکن وہ کسی سے کبھی مرعوب نہیں تھا
وہ بزم کہاں تھی جہاں مطلوب نہیں تھا

مسلک کیلئے رحمت و احسانِ الٰہی — آبروئے ادا مرکا تومتاعِ نواہی
وہ سنت و قرآن کا بیباک سپاہی — اغیار بھی دیں جسکی جسارت کی گواہی

آزادیٔ اظہار و تفکر کا نوا گر
اللہ کا عباد، محمدؐ کا ثناگر

ظلمت میں صباحت کے علم کھولنے والا — جابر کے شکنجے میں بھی سچ بولنے والا
میزانِ حقائق میں اسے تولنے والا — کانوں میں احادیث کا رس گھولنے والا

علامہ ظہیرؒ آں رجلِ کا رِ عظیمے
اربابِ ہمم را عمل آموز زعیمے

آیا تو وہ اک دولتِ بیدار کی صورت — چمکا سرِ محفل دُرِ شہوار کی صورت
برسا تو وہ اک ابرِ گہربار کی صورت — گزرا جو زمانے سے تو اسرار کی صورت

رزمِ حق و باطل میں جوالمردِ وغا تھا
باطل کی صفوں کے لیے اک تیرِ قضا تھا

وہ صاحبِ توقیر بنا علم و عمل سے — رکھا نہ سروکار کچھ اربابِ دول سے
لڑتا رہا اس دور کے ہر لعل و ہبل سے — گلزارِ بقیع اسکو ودیعت تھا ازل سے

طیبہ میں یہ انعام ہے مولائے صمد کا
اللہ دے یہ مرتبہ احسانؒ کی لحد کا

نظم: [illegible]

حافظ ظہیرؒ

مذہبِ حق کے علمبردار تھے حافظ ظہیر
مسلکِ نبوی کے پیرو کار تھے حافظ ظہیر

جو رسول اللہ کے ارشاد سے منہ موڑ لے
اسکے حق میں عمرؓ کی تلوار تھے حافظ ظہیر

کفر و باطل کے مقابل شرک و بدعت کے خلاف
دہر میں توحید کی للکار تھے حافظ ظہیر

کیفِ حبِ مصطفیٰ سے بیخود و سرمست تھے
بادۂ توحید سے سرشار تھے حافظ ظہیر

دین کی حفظ و اشاعت انکا پہلا فرض تھا
راہِ حق میں ہر گھڑی تیار تھے حافظ ظہیر

کُو بہ کو قریہ بہ قریہ بستی بستی شہر شہر
دینِ حق کی تیغِ جوہر دار تھے حافظ ظہیر

حفظ و ناموسِ پیمبران کا عینِ ایمان تھا
جاں نثارِ سیّد ابرار تھے حافظ ظہیر

از : پروفیسر خالد بزمی صاحب
ایم۔ اے (عربی)، ایم۔ اے (اُردو)، ایم۔ اے (علوم اسلامیہ) گولڈ میڈلسٹ
صدر شعبہ عربی۔ گورنمنٹ ایم اے او کالج لاہور

جناب مولانا نذیر احمد سبحانی

دھڑکن ہمارے سینے دلوں کی ظہیرؒ تھا
علامہؒ زمانہ تھا روشن ضمیر تھا

عالم تھا۔ بے مثال محدث تھا بے نظیر
جتنا بھی اسکا علم تھا خیرِ کثیر تھا

بخشا۔ ہے حق نے اسکو شہادت کا مرتبہ
غازی تھا نوجواں تھا مجاہد کبیر تھا

تاباں تھا قلب اسکا معارف کے نور سے
پیکر وفا و خلق کا، دیں کا سفیر تھا

حق گوئی میں جری تھا وہ صدق اللسان تھا
اِک مردِ حق پرست تھا حق کا فقیر تھا

تبلیغِ دیں میں محو وہ صبح و مسا رہا
اس کاروانِ صدق کا مخلص امیر تھا

جنتی ہیں کم ہی پائیں کچھ ایسے جری جواں
میدانِ علم و فضل میں جیسا ظہیرؒ تھا

پڑھ پڑھ کے رو رہا تھا جو یہ نظم تعزیت
سبحانی ایک مدح سرائے ظہیرؒ تھا

زخموں سے چُور ہو کے گیا وہ خدا کے گھر
پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا

علامہ یزدانی شہیدؒ

کیوں نہ تجھ کو یاد ہر اک آج یزدانی کرے
اے خطیبِ قوم حق تیری نگہبانی کرے

مردِ حق آگاہ تھا تو مردِ حق آموز تھا
حق تعالیٰ روزِ محشر تجھ پہ آسانی کرے

سرخیٔ خونِ شہیداں مٹ نہیں سکتی کبھی
یوں تری تائید یہ ارشادِ قرآنی کرے

کر رہا ہے یہ دعائیں آج سبحانی ترا
"آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے"

شہید اسلام علامہ حبیب الرحمٰن یزدانی

جناب ابو سعید فاروق حافظ عصمت اللہ

دلوں کو سنا سائے توحید باری
سنا کر اراکین نے بنیاد ڈالی

شجاعت، صداقت سے قرآں سنایا
مرابطؒ خوب سب کو دکھایا

وہ پروانۂ خاتم الانبیاء تھا
دل و جاں سے قربان بنام خدا تھا

اطاعت سے ملتی بہشت بریں ہے
یہ بات اس کی حقا بڑی دلنشیں ہے

بجز شرک و بدعت ضلالت سے ہردم
موحد ہی جیتے ہیں عزت سے ہردم

خدا سے ڈرا اور ڈرایا اسی سے
اسی کی عبادت کا پرچار کر کے

بلند اس کا مولا نے رتبہ کیا ہے
وہ بے شک شہید رہ مصطفیٰ ہے

عنایات اپنی سے کر مستفیض
اسے بخش دے اے سمیع و بصیر!

مفکر، جہاں دیدہ، قانون دان
دعا گو ہیں سب شبلی، مشتاق[1] و ساجد[2]

ہمیں بخش دے رب عرش عظیم
تو نعم البدل دے اے نعم النصیر

●

علم و دانش سے وہ گل بداماں ہیں
خوبیٔ قسمت سے رشک خوباں ہیں

منتظر تھی جنت بقیع اس کی
اپنے قائد پہ ہمیشہ نازاں ہیں

خطرۂ دار و رسن سے بے پروا
عمر بھر اس کے مشن سے شاداں ہیں

جادۂ خیر الوریٰ کے پروانے
عامل دیں صبح و شام کوشاں ہیں

جاں نثاری سے ملا ہے یہ رتبہ
تا ابد حافظ ظہیر تاباں ہیں

[1] پروفیسر حافظ مشتاق احمد صاحب
[2] پروفیسر ساجد میر صاحب

شہدائے لاہور

جناب راسخ عرفانی

لہولہان ہے انسانیت کی پیشانی
زمین نے آگ وہ اگلی کہ جگر ہوا پانی

بھرے ہجوم پہ ٹوٹی قیامت صغریٰ
پلک جھپکنے میں بکھرا غبار ویرانی

ہوئے نگاہِ تحیر سے ناگہاں اوجھل
سپوت قوم و وطن کے ظہیر و یزدانی

کوئی نڈھال ہے زخموں سے جاں بلب کوئی
نہ کام آئی طبیبوں کی سعی امکانی

لہو میں غرق ہے قدوسی شہید کی لاش
بدن پہ زخم ہیں خنداں مگر ہے پیشانی

یہ سانحہ بھی ہمیں وقت نے دکھایا ہے
خس و گیاہ سے ارزاں ہے خون انسانی

لواحقینِ شہیداں کا حال کیا کہیئے
ہر ایک چہرے پہ چھائی ہے غم کی ویرانی

ادھر ہیں ماؤں کے سینے فراق چھلنی سے
ادھر ہے بچوں سے بچوں کی اشک فشانی

جواں جنازے ہیں بوڑھوں کے دوش پر راسخ
بڑا ہی سخت ہے دستورِ عالم فانی

ہمارا مطالبہ

شہدائے اہلحدیث کے "قاتلوں کو گرفتار کرکے
سر عام پھانسی پر لٹکایا جائے۔

مجلة « ترجمان الحديث » نقدم فى خدمة المسلمين ،
بعد انقطاع لمدة طويله والسبب لذلك التأخير هو شهادة العلامه احسان الٰهى ظهير رحمه الله تعالى وقد تأثرت من شهادة المذكور المرحوم جمعية اهل الحديث ومعسكر الشباب وغيرها من الدوائر الاخرى وكذلك « المجلة » المذكورة .
الشيخ رحمه الله تعالى كان رجلا فى امة ، وامة فى رجل ، خطيب مع الخطباء ، رائد الصحفيين ، وصاحب الرأى فى السياسة وله كانت صوت فيها لا شك انه كان بحرا زخارا وكان له يد طولى فى التأليف والتصنيف والخطابة ، والمناظرة والمجادلة . والشيخ رحمه الله تعالى كان صاحب قلب سليم وكان يفكر دائما ان يعمل عملا للأمة . صاحب العزم والجزم .
هذه الأسباب التى جعلته قائدا للعالم كله فى ميادين مختلفة .
وقيل فى الشعر : اهل الزمان لم يعرفوا قدر العالم
ولكنه عرف نفسه بنفسه
الشيخ رحمه الله تعالى كان معروفا فى ادب العلماء لأجل صلاحياته العلمية ولكن الأيدى الظلمة قتله وسفكت دمه .
قال الشاعر : قطعت زهرة من البستان فلم يبق جماله .
فلا شك ان شهادته الميتة شديدة ، نقصان عظيم للجمعية وللأمة ولا يمكن اجبارها . ومع الأسف الشديد قد مضت مدة طويلة لشهادة العلامه احسان الٰهى ظهير رحمه الله تعالى وزملاءه الشيخ حبيب الرحمٰن يزدانى والشيخ عبد الخالق قدوسى والشيخ محمد خان نجيب وغيرهم ولكن الى الآن لم تأخذ الحكومة الأيدى المجرمين . فلا شك انه عار وندامة للحكومة التى تدعى بالعدل والديموقراطيه .
وقد استمرت احتجاجات ضد المجرمين منذ مدة طويلة ولكن الحكومة لم تنجح فى اخذ المجرمين . فلا ندرى الحكومة تغمض عينها عن المجرمين او انها لم تنجح فى التفتيش والبحث . فنحن نطالب من الحكومة

ان تجیب هذه الأسئله ۔

ترجمان الحدیث ۔ قد طبعت اول مرة فی نومبر ۱۹۶۹م (شعبان ۱۳۸۹ھ) والمدیر الاعلیٰ کان الشیخ احسان الٰهی ظهیر رحمه الله تعالیٰ وکنت مساعداله ۔ فبعد العلامة احسان الٰهی ظهیر رحمه الله تعالیٰ نیابتی للجمعیة والمجلة « ترجمان الحدیث » لا یسرنی بل یبرنی اننی کنت معتمداً عنده فی السنوات الماضیه لمدة ۳۰ سنة ، فهذا الاعزاز یکفینی ، والحمدلله قد استمرت هذه العلاقة بینی وبینه ولم تتاثر لشئ من الاشیاء وفی حین حیاة الشیخ احسان الٰهی ظهیر رحمه الله تعالیٰ اراد ان ادیر الجمعیة ، والمجلة « ترجمان الحدیث » ولکنی اعتذرت الیه لأجل اعمالی ومصروفیاتی ، قد وصلنا الی النتیجة فی امور من الأمور وقد کملنا الموضوع « المسیحیة والرد علیها » المسیحیة دراسة مقارنه » وبدأنا الموضوع « الاشتراکیة » ولم یکمل ۔ قال الشاعر :— ولم یبق الکأس ولا الساقی ۔

باذن الله تعالیٰ نحن نقدم الکتاب الاول فی خدمتکم فی مستقبل قریب ویتمر اعمالنا علی عزار العلامه احسان الٰهی ظهیرؒ ان شاء الله

ونبدأ المجله هذه بذکری شهداء الاسلام ، الاعزاء وقد مرت بنا اثناء هذه الایام المصائب والمشاکل والیأس ولنا قدوة حسنة فی قول العلامه الشهیدؒ یقول : ان اولی العزم من الناس لم یأسوا فلم یترکوا الجد والجهاد ولکنهم دائما وابدا استمروا اعمالهم البادرة فلم یتاثروا ، بالشدائد والمصائب بل هم اظهروا رجولتهم وشجاعتهم وهم استمروا جهادهم فی سبیل الله ولم یقصروا من تقدیم التضحیه ، تضحیة النفس والمال والوقت ۔ مع ذلک کله انهم یترکون خلفهم الدروس والعبر ولا یمکن ان یمحوا هذه الآثار بل تبقی ذکرلهم ۔

وبالنسبة الاغراض والمقاصد والاهداف لهذه المجله « ترجمان الحدیث » مذکور فی المجلة الاولیٰ ونحن نکرر هذه المقدمة فی خدمة القراء « بمناسبة بدایة المجلة « ترجمان الحدیث » نقدم للقراء ونقول باذن الله تعالیٰ ان هذه المجله هدفها لنشر الکتاب والسنة وضد الکفر والالحاد ولا یمکن منعها من القوة ولا تتاثر المجلة بالحرص والطمع ۔ ولا

شك نحن الضعفاء ومع ضعفنا ونحن كانسان ضعيف ولكن عزمنا اننا نضحي انفسنا وجميع وسائلنا في عظمة الاسلام والدفاع عن القرآن والسنة المحمديه وفي سبيل هذا نحن نقدر ان نضحي كل شئ التي نملك عن الاموال ، والانفس والعزة بالعزم والجزم .

نحن نعرف هذه الحقيقة ان الاسلام غريب والذين يرغبون الاسلام ويحبون الاسلام مطرودون ويظلمون من قبل المسلمين ومن غيرهم الاغيار يظلمون عليهم لانهم مسلمون والمسلمون يظلمون انفسهم لانهم يرون خلاف مصالحهم الدنيوية .

مع ذلك كله نحن نعتقد ان العَلَم الذي رفعه باسمه الاسلام لن تخضعو ولم تسقطوا ونور الاسلام لم يطفئوا بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون . كما قال الله تعالى :- يريدون ليطفئوا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون

وفقنا الله سبحانه تعالى بتمسك كتاب الله وسنة رسوله والجهاد في سبيل الله . آمين ثم آمين .

بقیہ :- برخوردار محمد خاں نجیب شہید

اس کی اپنی بنائی ہوئی اہلحدیث مسجد کے سامنے صبح صبح صرف اسلیئے شہید کر دیا کہ وہ ان کو بُرے کاموں سے منع کیوں کرتا ہے ۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجعون ۔ مگر نجیب الیا متقی ، ذہین فطین بلند اخلاق ، وسیع الظرف زیرک ودانا ، صائب الرائے ، معاملہ فہم ، مجسم قناعت ، علم وعمل کا پیکر ، جہد مسلسل کا خوگر اور فکر اہلحدیث کا نقیب مجھے آج تک میسر نہیں آیا ۔ وہ میراشاگرد ہی نہ تھا بلکہ وہ اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں کے برتے پر میرا مخلص اور وفادار برخوردار بھی تھا ۔ غرضیکہ جمعیت اہلحدیث پاکستان کے اس در شہوار اور گوہر آبدار کی مختصر علمی اور قومی زندگی کے جماعتی کارنامے اور دینی طلبہ کیلئے سبق آموز حالات تو بڑی تفصیل کے متقاضی ہیں ۔ تاہم مختصر یوں کہا جا سکتا ہے ۔ کہ اسلام کی گود میں پلا ، کتاب وسنت کو پڑھ کر بنا سنورا جتنا جیا کتاب وسنت کے لیئے جیا اور مرا تو کتاب وسنت کے نفاذ کی جدوجہد میں مرا ۔ طَابَ اللّٰہ ثَرَاہُ وَجَعَلَ الجَنَّۃَ مَاوٰہُ ۔

جبیں تیرے در پہ قدم تیری راہ میں
میں تیرا نمازی میں تیرا سپاہی

هذه عجالة نافعة فی ترجمة الشیخ احسان الٰہی ظہیر احد اعلام الفکر الاسلامی رحمه الله تعالیٰ۔

نسبه هو ترجمان السلف، قائد اهل الحدیث، رائد اهل السنة، بطل الحریة جندی الاسلام الباسل، العالم البادع، العلم البارز، الصحفی الاسلامی، الناقد المصنف، الامام الشجاع، مجاهد الملة خطیب الامة، الشیخ الحافظ العلامة احسان الٰہی ظہیر بن الشیخ الحاج ظہور الٰہی۔

مولده ولد الشیخ فی مدینة "سیالکوت" احدی المدن من مقاطعة "بنجاب" عام ۱۹٤٠ المیلادی هذه المدینة قد برز منها کبار اعلام الفکر الاسلامی فی الأونة الأخیرة مثل الملا عبد الحکیم صاحب المعقولات والشاعر الاسلامی الکبیر الدکتور محمد اقبال وامام عصره الشیخ محمد ابراهیم میر رحمهم الله رحمة واسعة وغفر لهم۔

نشأته وتعلیمه ولد شیخنا فی أسرة تاجرة متدینة متمسکة بالکتاب والسنة منتمیة الی اهل الحدیث وبیئة إسلامیة خالصة معروفة بالعمل بالقرآن والحدیث۔ حفظ القرآن الکریم فی صغر سنه حیث کان عمره تسع سنوات مع الحصول علی الدراسة الرائجة فی بلاده من الابتدائیة والمتوسطة وبدأ دراسة الاسلامیة وأخذ فصوله الابتدائیة من المدرسة الشهابیة بمدینة "سیالکوت"، ثم انتقل إلی الجامعة الاسلامیة بمدینة "غوجرانواله"، حیث أخذ علوم القرآن والحدیث واصولها والفقه واصوله وغیر ذلك من العلوم الدینیة علی أیدی کبار العلماء مثل الشیخ الحافظ الجوندلوی حافظ الحدیث والقرآن والشیخ الامام المحدث أبی البرکات أحمد وغیرهما کان والد الشیخ احسان حریصا علی تعلیمه حیث کان یتابع نشاطات هذا الولد النجیب والابن الصالح وینفق علیه ما یستطیع لاجل دراسته وکان یأتی بطعامه یومیا من مدینة "سیالکوت"

الی مدینۃ « غوجرانوالہ » والمسافۃ بینہما حوالی ثلاثین میلا۔

ثم ذھب الشیخ الی الجامعۃ السلفیہ بمدینۃ « فیصل آباد » واخذ العلوم العقلیۃ من المنطق والفلسفۃ علی أیدی الشیخ الحافظ الجوندلویؒ والشیخ محمد شریف اللہؒ والحافظ المحدث عبد اللہ البدھیمالویؒ۔

وانتھی من دراسۃ العلوم الاسلامیۃ والدینیۃ سنۃ ۱۹۶۰م۔ وکان الشیخ رحمہ اللہ مع دراسۃ العلوم الاسلامیۃ یتابع دراسۃ العلوم العصریۃ فاخذ اللیسانس فی اللغۃ العربیۃ من جامعۃ بنجاب سنۃ ۱۹۶۰م واخذ شہادۃ القانون من جامعۃ کراتشی وأخذ الماجستیر فی اللغۃ الفارسیۃ سنۃ ۱۹۶۰م۔ والماجستیر فی اللغۃ الاوردیۃ سنۃ ۱۹۶۱م۔

ثم التحق بالجامعۃ الاسلامیہ بالمدینۃ المنورۃ حیث التقی بکبار المشائخ والأئمۃ الاعلام وتعرف علیہم واستفاد منہم مثل سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز الرئیس العام لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد، ومحدث العصر الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی والشیخ الجلیل محمد الامین الشنقیطی والشیخ الکبیر محمد عطیۃ سالم قاضی المحکمۃ الشرعیۃ بالمدینۃ المنورۃ۔ الشیخ عبد المحسن العباد نائب رئیس الجامعۃ الاسلامیۃ سابقا۔ والشیخ عبد القادر شیبۃ الحمد والشیخ محمد المنتصر الکتانی والشیخ عبد الغفار حسن والشیخ الحافظ الجوندلوی والدکتور محمد الاشقر والشیخ محمد شقراء وغیرہ۔

وتخرج علی أیدیہم وفی الاختبار النہائی طلع شیخنا « ممتازا اولا » وقدم الیہ التدریس فی الجامعۃ الاسلامیہ لکنہ أنکر بحجۃ « فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم إذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون » وقال اهل بلدی أحوج إلی منکم۔

میدان العمل والحیاۃ ثم شاء اللہ أن یدفعہ الی میدان العمل بعد ان صرف کثیرا من الجہد والوقت فی الحصول علی العلم والعرفان والاستعداد النفسی للنزول فی ھذا المیدان۔ فرجع إلی بلادہ عام ۱۹۶۷م وبدأ عمل الدعوۃ ودخل فی حیاتہ الدعویۃ العلمیۃ حیث عُیِّن خطیبا فی مسجد چینیانوالی فی لاھور نیابۃ عن الشیخ السید داود الغزنوی رحمہ اللہ۔ کما عین مدیرا لمجلۃ « الاعتصام » التابعۃ لجمعیۃ اھل الحدیث فی باکستان۔ وقبل ذلک

كان يكتب فى المجلات الأدبية والعربية مثل « الصخرة » و الليل والنهار ، والأقدام الصادرة من لاهور وحضارة الاسلام ، الصادرة من ، دمشق. وأسس ادارة علمية باسم « ترجمان السنة » وأصدر مجلة شهرية باللغة الأردية باسم « ترجمان الحديث » ولا تزال تصدر .

بعد الرجوع من المملكة تابع الدراسة فأخذ الماجستير في الفلسفة والتاريخ كما أخذ الماجستير فى السياسة وفى الشريعة من جامعة بنجاب . حيث أخذ المرحوم ست ماجستيرات . بدأ الشيخ يصحح مسار الاسلام الخالص ويدعو الناس الى التمسك بالكتاب والسنة ويدافع عن الحق ويناقح اهل الضلال ويقمع البدع والخرافات ويمحو الشركيات والضلالات ويرد على الفرق الضالة والطوائف المنحرفة ويبين عوارهم ويهتك ستارهم ويكشف اسرارهم ويعرض على الناس منهج السلف الصالح فى العقيدة والعمل من خلال كتاباته وخطبه حتى طارت صيته وعمت شهرته وعرف اسمه فى أرجاء البلاد . وعرف الشيخ بلقب « العلامة » لغزارة علمه وسعة اطلاعه ورفعة فكره وتوقد خميره مع حداثة سنه وتفوق على أقرانه وعلى كثير من علماء عصره بعلمه النافع وعمله الجاد واسلوبه الممتاز وجهده المتواصل وخطاباته البارعة وصحافته الصافية حتى الذين كانوا ينافسونه ويسابقونه نزلوا على إجلاله وإكرامه وتقديمه على انفسهم .

كانت حياته حافلة ومعمورة باعمال جبارة . والناس قد التفوا حوله وبدأوا يدعونه لإلقاء الخطب والمحاضرات والندوات حتى لم يأت عليه يوم ولا ليل إلا وله فيه خطبة او محاضرة فى جميع أنحاء البلاد إضافة إلى خطب الجمع والعيدين وصلاة التراويح وإلقاء الملخص من الدروس فيها والمناسبات الا نادرا . وهكذا رحمه الله كان ينتقل من مسجد إلى مسجد ومن جامع إلى جامع ومن قاعة الى قاعة ومن منصة الى منصة يدعو الناس الى توحيد الله عزوجل والتمسك بهدى نبيه صلى الله عليه وسلم لا مجاملة عنده امام الكتاب والسنة ايا كان حتى ولو دعى إلى اجتماعات سياسية او شخصية كان يعرض منهجه الصافى المنتقى من القرآن والحديث .

لم تقف خطبه الدعوية وكتبه القيمة عند الحدود الجغرافية فقط

بل تجاوزت حدود البلاد الی افریقیة وامریکا والبلاد العربیه والشرق الاوسط واوربا وآسیا۔

عقیدته کان شیخنا رحمه الله سلفی العقیدة والمنہج علی طریقة اهل السنة والجماعة لا إفراط ولا تفریط لا غلو ولا تقصیر۔ کان مؤمنا بالله عزوجل. شدید الحب للرسول الخاتم صلوات الله وسلامه علیه واصحابه وزوجاته محبا لکتاب الله الکریم ولسنة رسوله العظیم۔ شدیدا علی اعداء الاسلام والکائدین لاهله حنیفا علی الفرق الباطلة والافکار الهدامة مبطلا لباطلهم ومفندا لآرائهم۔ مجاهدا متواصلا ضد الکفر والطاغوت والبدع والخرافات والضلالات والمنکرات، رافضا للطرق الصوفیه الضالة والفرق الغالیة المنحرفة والباطنیة الزائفة۔

منہجه کان الشیخ قد عرف بالصدق والامانة والوفاء والعدل التی والوضوح وصراحة القول وجدیة الفکر والاخلاص فی العمل والفکر والاخلاق کان جریئا علی القول بالحق کائنا ما کان۔ لا یخاف فی الله لومة لائم۔ صامدا امام الباطل لا یتزلزل ولا یتزعزع ولا یتنازل عن الحق۔ شدید التمسک بالکتاب والسنة وداعیا الی الالتزام بهما ما کان یقبل شیئا ثالثا دونهما۔ وکان یدعو الی ان یجعل المسلمون شئون حیاتهم تابعة لهما وان یردوا جمیع امورهم إلیهما وعمل علی ذلک طول حیاته۔ کان إذا رأی شیئا یخالف امرالله وامر رسوله ماکان یتملل ان یسکت علی ذلک بل یرد علیه حالا ما کان ینتظر فرصة أخری۔ ما کان یجامل ولا یتساهل ولا یختار اسلوبا سهلا ضد اعداء الله ورسوله وصحابته وضد الملحدین بل کان یشدد علیهم ویشن الهجوم علیهم۔ محبا للاحبابه واصدقائه والمحبین لکتاب الله ولرسوله والمنہج السلف والعقیدة السلفیه۔ متأثرا بافکار الإمام الجلیل احمد بن حنبلؒ وشیخ الاسلام ابن تیمیه والامام اسماعیل الشهید وموافقهم الجبارة فادیا نفسه وماله وعرضه وروحه وجسده وقلمه ولسانه لله عزوجل ولرسوله۔ یقول فی مقدمة کتابه "التصوف" لأن نفسی وجسمی ومالی وعرضی جعلتها فداء لوجه ربی وابتغاء مرضاته۔ "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریک له وبذلک امرت وانا اول المسلمین" فنفسی وعرضی ومالی فداء لشریعته تعالی وسنة

نبيه وصفيه خير البرية .

" فان ابي ووالدتي وعرضي .... لعرض محمد منكم وقاء "

خطابته بدأ الشيخ خطابته منذ غرة شبابه وعرف خطيبا ناجحا بارعا. فانقالكا بصوته الجهوري وقوة البيان الساحرة وعرض الحجة الدافعة وإحاطة المعلومات الواسعة حسن الاستدلال وجودة الحفظ وحضور البديهة واستحضار الآيات والاحاديث والابيات وصوت الاسد وجريان الماء والحماسة الدينية - وكان يلقي الخطب والمحاضرات في المؤتمرات الكبيرة والاجتماعات الحاشدة كانه اسد يصول و يجول يتغلب على مسامع الناس ويقرع ابواب قلوبهم ويشنف آذانهم ويحرك مشاعرهم ويستميل عواطفهم ويثير احاسيسهم ويهز المنابر ويهيز المجامع ويلعب بمئات الالوف من الناس سواء كان الاجتماع سياسيا او دينيا فكان مرشدا يرشد الناس الى طرق الخير والفلاح وقائدا يقودهم إلى سبل الهدى والسلامة ويأخذ بايديهم الى الاسلام الصحيح . ما عرف مثله في تاريخ باكستان في الخطابة مع حداثة سنه .

اذا كان الناس يسمعون باعلان محاضرة الشيخ احسان ياتون إليه رجالا وركبانا جماعات ووحدانا يتهافتون عليه تهافت الظمآن على الماء ويلتفون حوله وكان اذا حضر في الاجتماع كان الناس يستقبلونه بكلمات الترحيب والاستقبال بحماسة ونشاط مدة طويلة . واذا كان يلقي الخطبة كان الناس منهمكين بسماع الخطبة كان على رؤوسهم الطير وحبا وشوقا لا تحول ولا ملال بل يستزيدون واذا اجتمع في المؤتمر اكثر من خطيب واحد كان الشيخ يفوق جميع الحاضرين والناس كانوا ينصرفون بعد سماع خطبته ولذلك كان المسئولون يؤخرون محاضرته لكي يبقى الناس جالسين . ما حضر في مجلس الا وقد تسيطر على اسماع الناس وقلوبهم بعلمه الغزير واطلاعه الواسع ورأيه الصائب في تعبير بعض الأدباء كانت الالفاظ مصفوفة اقامه أمثال محاضرته يختار منها ما يشاء . كان يحضر خطبة الجمعة آلاف من الناس .

وقد شهد له بالنبوغ في هذا الشان القاصي والداني والقريب والنائي والصديق والعدو . وقد اعترف بخطابته كبار الخطباء في عصره مثل شورش الكاشميري والشيخ محمد الأمين الشنقيطي والشيخ مصطفى الباعي حيث قال " انا أخطب

من يسكن في العرب ولكن أنا أقول انت أخطب مني، حينما سمعه يخطب في المسجد النبوي الشريف ايام دراسته. كان الله عزوجل اودع الخطابة فطرة شيخنا رحمه الله تعالى. ترن المنابر وتحن المحاريب وتئن الجامع وتبكي المجالس الى خطبه الحماسية والمثيرة دهرا طويلا.

سياسته في البلاد بدأ الشيخ رحمه الله يدلي في سياسة البلاد منذ عام ۱۹۶۷م حينما ألقى خطبة عيد الفطر في ميدان "اقبال" في لاهور ونقد على اعمال حكومة الرئيس محمد ايوب خان وقدم مشاعره وأحاسيه الى الناس تجاه الحكومة.

ثم التحق بحزب "الاستقلال" السياسي عام ۱۹۷۲م وعُيِّن فيه امين الاعلام حتى وصل الى مرتبة نائب الرئيس في هذا الحزب وشارك في ثورة "عدم تسليم بنغلاديش" وأوذي بالسجن والاعتقال. وشارك ايضا في الثورة ضد القاديانية باسم "ختم النبوة"، ثم شارك في الثورة الاسلامية ضد حكومة ذوالفقار علي بوتو عام ۱۹۷۷م وكان الشيخ يحرك الناس ويهزهم بخطبه الحماسية والمحاضرات المثيرة لا زال الناس يذكرونها حتى كان يدير الثورة في بنجاب بعد اعتقال جميع الزعماء السياسيين.

فلما جاءت حكومة الرئيس محمد ضياء الحق عُيِّن مستشارا للرئيس كما عُيِّن عضوا في مجلس العلماء الاعلى. ولكن بعد سنة واحدة استقال عن هذا المنصب كما استقال ايضا عن الحزب "الاستقلال".

في بداية الأمر كان يؤيد حكومة الرئيس محمد ضياء الحق ولكن لما رأى ان محمد ضياء الحق لم يوف عهده وميثاقه بتطبيق الشريعة الاسلامية وتنفيذ أحكامها انتقد عليه. وكان شديد الانكار على حكومة الرئيس محمد ضياء الحق لسياسته السيئة ودبلوماسيته الخاطئة وكان دائما يوجهه ويرشده نحو مبادي الشريعة الاسلامية الغراء والملة الحنيفية السمحاء.

نشأة جديدة لأهل الحديث ثم توجه الشيخ الى تنظيم السلفيين في باكستان في حين كانوا منعزلين عن السياسة ونشاطات اجتماعية من حيث الجماعة بينما كان اهل الحديث يمارسون اعمال السياسة في شبه القارة الهندية الباكستانية أفرادا ووحدانا حيث لم تنشأ ولم تحدث اي حركة أو اي ثورة الاسلامية

إلا ولأهل الحديث فيها خدمات جبارة ونصيب وافر ومساهمة غالية وثمينة فعقد مؤتمراً كبيراً في مدينة "غوجرانواله" على مستوى باكستان عام ١٩٨١م نُعيّن فضيلة الشيخ محمد عبد الله اميراً لأهل الحديث والشيخ محمد حسين أميناً عاماً لهم. ولم يقبل الشيخ احسان الٰہی أی منصب فی الجمعية لكن بعد محاولة شديدة وإصرار مستمر من الناس عُيّن اميناً عاماً للجمعية مؤخراً عام ١٩٨٢م وبدأ ينظم اهل الحديث السلفيين فى طول البلاد وعرضها ليلاً ونهاراً ونجح نجاحاً تاماً ونظمهم تنظيماً دقيقا وجمعهم جمعاً رهيباً حتى وصل إلى ان عقد مؤتمرات سياسية كبيرة على مستوى الدولة فى أنحاء البلاد بعد دفع الاحكام العرفية وقدم للناس منهج اهل الحديث ديناً وسياسة علماً وعملاً. ولم يجامل فى المصالح السياسية كعادة الناس بل وضع سياسته على أسس ومبادی الاسلام فى حفظ الدين وسياسة الدنيا به. ونادى بعدم فصل الدين عن السياسة وأعلن ذلك فى الخطب والمحاضرات فى الجرائد والمقابلات الشخصية والمناظرات الحادة التى جرت بينه وبين مخالفيه ومارس السياسة من الوجهة الاسلامية وعرف وفاقتها واعترف له خصومه فى هذا الميدان مع تصرعهم فى هذا المجال.

فانه وقف لسانه وبيانه وقلمه وقرطاسه لنشر العقيدة السلفية وتحكيم الشريعة الاسلاميه واحياء القيم المثلى واحكام السياسة الشرعية. بعد تنظيم جديد كان كالقلب والروح لجمعية اهل الحديث فقد اعطى الجمعية فكرة جديدة واسلوبا جديداً وقوبا جديداً ونشاطا جديداً حتى وصل بالجمعية إلى حيث بدأت الاحزاب السياسية تطلب التعاون معهم من اهل الحديث فى المجال السياسى بعد ما كان اهل الحديث رهائن لاحزاب اخرى سياسية وكانت الجرائد اليومية تنشر أخبار الجمعية يوميا على مستوى عالٍ كان الشيخ احسان يحب الشباب المؤمنين كثيراً فجمعهم ايضا تحت لواء العقيدة السلفية ووضع أمامهم طريق العمل الجاد المتواصل والجهد البالغ وأراد ان يؤسس مؤسسه سلفيه تكون مركزاً لاهل الحديث فى باكستان فاشترى ارضا كبيرة المساحة فى قلب لاهور بمبلغ قدره سبع ملايين روبية. وفعلاً بدأ مشروعا ضخما يشتمل على مكاتب جمعية أهل الحديث وإدارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والإرشاد والمطبعة والجامعة ودار الضيوف وقاعة المحاضرات متقدرا بمبلغ قدره ثمانين مليون روبية وحصل فى السنة الماضية كمبيوتر العامل باللغة العربية والاردية والانجليزية وكان

يريد أن يصدر مجلات بالعربية والانجليزية لكن وافته المنية قبل أن تتم أمنيته .

وقد صلى الشيخ إحسان بالناس صلاة التراويح في العام الماضي في هذا المشروع وألقى عليهم خلاصة القرو فيها وبدأ يلقي دروس القرآن اسبوعيا في هذا المشروع كان الآف من الناس يحضرون لاستماع دروسه من المسافات البعيدة من الادباء والقضاة والمحامين والمهندسين والدكاترة .

وكان يؤثر في قلوب الناس بفصاحته وبلاغته وأدبه وإنشائه وقوة بيانه وملكة خطابته وكان متلذ في تفهيم القرآن وعرض معانيها وكان يعرض المسائل العصرية في اسلوب القرآن والسنة النبوية . وكان يريد أن يؤسس حلقة لعلوم القرآن الكريم حتى يستفيد منها دارسو العلوم العصرية من الأدبا ء والمحامين والقضاة والمهندسين وغيرهم .

واخيرًا لما بدأت بعض الجماعات الدينية والاحزاب السياسية تقدم مناهجها البعيدة عن المنبع الصافي والمنهل النقي للشريعة والقانون للتطبيق والتنفيذ في باكستان عارضهم الشيخ إحسان معارضة شديدة وفند آراءهم ونقد أقوالهم وعرض عليهم منهجه الخاص المستفاد من الكتاب والسنة مدعمًا بالادلة القاطعة والبراهين الساطعة والحجج الدافعة . وقال نحن لا نريد الا الشريعة الاسلامية الغراء والملة الحنيفية السمحاء حتى جرت بينه وبين معارضيه مناقشة حول هذا الموضوع أكثر من ست ساعات قبل الحادثة بيوم فالزمهم وأفحمهم وأسكتهم وحكم القضاة بأن الحق مع الشيخ إحسان وجماعته فكان فتحًا مبينًا ونصرًا مؤزرًا . ثم ضيع المعارضون المهزومون الشريطة التي سجلت فيها هذه المناقشة حتى لا يطلع الناس على فضيحتهم .

كان الشيخ رحمه الله جسرًا متينًا بين اهل الحديث السلفيين في باكستان وبين مركز الاسلام مكة المكرمة والمدينة المنورة فكانت علاقاته مع الأسرة المالكة ودار الإفتاء ورابطة العالم الاسلامي وشئون الحرمين الشريفين والجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة وجامعة الامام بالرياض وطيدة ووثيقة وكان دائمًا يتعاون مع المؤسسات الخيرية وكان سماحة الشيخ عبد العزيز بن باز رئيس الادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والإرشاد وسعادة الدكتور عبد الله عمر نصيف الامين العام الرابطة العالم الاسلامي وعبد الله صالح العبيد رئيس الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة وعبد الله بن عبد المحسن التركي مدير جامعة

الامام وامام الحرم المكى الشيخ محمد بن عبدالله السبيل وصاحب السمو الملكى الأمير احمد بن عبدالعزيز نائب وزير الداخليه من أصدقائه الشخصية وغيرهم كثيرون لا يعدون ولا يحصون ـ

مأثرة العلمية مع كثرة أسفاره وزيادة أشغاله ما كان يغفل عن جهة القلم فألف فى الفرق والأديان وقدم للأمة الاسلامية مأثر علمية معترفة بها فى العالم استدلالاً واستشهاداً ـ مرجعًا ومصدرًا بين العلماء والشائخ والطلاب فى المدارس والجامعات والمكتبات ـ

شغف الشيخ منذ ايام دراسته بكتابة المقالات فكان يكتب فى المجلات الأردية والعربية مثل الليل والنهار والصحوة وحضارة الإسلام. وكان مديرًا لمجلة "الإعتصام" التابعة لجمعية اهل الحديث ثم أصدر مجلة باسم "ترجمان الحديث" وقد عرف فى كتاباته بقوة الملاحظة وشديد النقد وصواب الرأى وكتب كتابه "القاديانية دراسات وتحليل"، ايام دراسته فى الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة هذا الكتاب عبارة عن المقالات التى كتبها فى مجلة "حضارة الاسلام" الصادرة من دمشق. والكتاب تلقى القبول من قبل الطلاب والعلماء والناس عامة. ما كتب مثله فى القاديانيه لا فى الاردية ولا فى العربيه ولا فى الانجليزية ـ

ورجع إلى الاسلام ألاف من القاديانية بقراءة هذا الكتاب بعد الفضل من الله عزوجل لما رأى الشيخ إحسان بعد وفاة الشيخ محب الدين الخطيب ان الفرق الباطلة والنحل الضالة بدأت تتمادى وتظهر نيابها وتفسد عقائد السذج من المسلمين، وتخرب بيوتهم بعقائدهم الفاسدة وآرائهم الزائفة استعد لمواجهة هولاء وشمر عن ساق الجد وفدى فى هذا السبيل بكل قواه المعنوية والمادية حتى روحه الغالية تكشف فضائح الشيعة وهتك ستار البريلوية وبيّن عوار القاديانية وفضل حقيقة التصوف الزائف وبيّن مضار التقليد الجامد الأعمى واظهر من زواياهم خباياهم وأبرز خيانتهم الباطنة وبيّن اغراضهم الدنيئة فى تفريق المسلمين والامة الاسلامية وإفساد الاسلام الصحيح. فزلزل اقدامهم وهز زعماءهم وعروشهم وهدم بنيان تصورهم وأقض مضاجعهم وأزعج استراحتهم وأقلق منامهم اشتغل بالنهار وسهر الليالى ما استراح ولم يتركهم ان يستريحوا ـ ونبه المسلمين على خطورة هولاء على الاسلام ما أخذ القلم فى إحدى الفرق إلا وقد أدى حقه ولم يترك ميزان العدل والانصاف والدقة والامانة والصدق ونقد آراءهم ونقد أقوالهم بما

فی کتب القوم. هذه میزة امتازت به کتب الشیخ فانه لم یکتب فی فرقة ما الا وقد استدل علیهم بما فی کتبهم حتی لا یستطیعوا الخروج من المأزق. ولم یستطع أحد أن یرد علی ما کتب عنهم واستشهد بما فی کتبهم إلا بعض الناس قد حاولوا ان یسدوا الطریق أمام هذه الفضیحة لکن لم یتمکنوا من الرد علی ما کتب بالنسبة إلی عقائدهم وخباثتهم وخصائلهم وأباطیلهم. واخیراً لما لم یستطیعوا ان یردوا بالأدلة والبراهین وأن یدفعوا عن عقائدهم ومکائدهم ومفاسدهم لجؤوا إلی اختیار طریق الفاشلین والماکرین والخادعین.

وأرادوا اغتیاله وفعلاً قد نجحوا فی ذلك لأن الخداع والمکر والکذب والغدر والخیانة والارهاب واستخدام الوسائل الجهنمیة من خصائصهم الدنیئة وأوصافهم السفلی وخصالهم القبیحة لا یعرفون الصدق والأمانة والوفاء والامن والاستقرار والانسانیة لأن جیوبهم فاضیة من الأدلة خالیة من الحجج عاریة من البراهین بعیدة عن الحق ملیئة بالقنبلات والرشاشات. هم أرادوا أن یکسروا هذا الباب کی یبقوا مستورین «یریدون لیطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو کره الکافرون». وإن شاء الله سیبقی رجال یدافعون عن العقیدة الصحیحة الصافیة النقیة المستفادة من الکتاب والسنة ویذبون عن الاسلام الخالص والنبی الخاتم واصحابه الکرام وزوجاته الطاهرات ویبرزون من خبایا القوم ویحثون التراب علی وجوههم «من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه فمنهم من قضی نحبه ومنهم من ینتظر» فهذه سنة السلفیین وذلك دیدن اعداءهم فی کل عصر ومصر لن یمنعهم من طریقهم ولن تخوفهم عدا وتهم عن المضی فی طریقهم.

وخطب الشیخ إحسان لا تزال تشنف آذان المسلمین وتحرك مشاعرهم وتقودهم إلی الامام، وکتبه لا تزال تنیر طریق الهدی وترشدهم إلی الحق وتذکرهم بعقیدتهم وتؤجج علی اهله نار الغیظ

ویبقی اسمه حیًا فی قلوب الناس.

وکذلك الشیخ احسان لم یختر فی کتاباته اسلوبًا دفاعیًا فحسب بل اثر اسلوب الهجوم علی الاعداء والمعارضین فی تفنید أفکارهم ونقد آراءهم وابطال باطلهم کما هو دأب اهل الحق فی کل زمان ومکان.

وترك الشیخ آثارًا علمیة أکثرها فی اللغة العربیة

محمد واللغة العربية لإظهار ما فى الضمير لأنها لغة القرآن والحديث مع ان لغته الوطنية البنجابية ثم الأردية - وأكثرها ترجمت الى اللغات الأخرى مثل الأنجليزية والفارسية والاندونيشية والتهائية والسواحلية والاردية ووزعت بمآت الألوف وتلقت القبول من العلماء والطلاب المسلمين عامة والمدارس والجامعات والمكتبات والمؤسسات العلمية -

۱ الإسماعيلية ۲ البابية " عرض ونقد "
۳ البريلوية " عقائد وتاريخ " ۴ البهائية " نقد وتحليل "
۵ التصوف " المنشاء والمصادر " ۶ الشيعة واهل البيت
۷ الشيعة والتشيع ۸ الشيعة والسنة

وترجم الى اللغات " الفارسية والأنجليزية والتاملندية والبلاتية وطبع اكثر من ثلاثين طبعة - ۹ الشيعة والقرآن -

۱۰ الرد الكافى لمغالطات عبد الواحد وافى -
۱۱ سفر الحجاز " بالاردية " المرتب . الشيخ بشير الانصارى
۱۲ سقوط ڈھاکہ " بالاردية " المرتب . الشيخ بشير الانصارى
۱۳ القاديانية " دراسات وتحليل " وترجم الى اللغة الانجليزية
۱۴ المرزائية والاسلام " بالاردية "
۱۵ ترجم كتاب " الوسيلة " لابن تيمية الى اللغة الاردية -

وغير ذلك من المقالات والكتابات والاثنا مؤلفة من الخطب المسجلة فى الشرائط والكاسيتات -

صفاته

كان الشيخ رحمه الله حافظا للقرآن الكريم والاثنا من الحديث الشريف والابيات من الدواوين العربية والاردية والفارسية عالما ربانيا . علامة مجتهدا ، قائدا شجاعا ، اديبا ممتازا ، مجاهدا نحلا ، إماما بصيرا ، بطلا جليلا ، زعيما اسلاميا ، سياسيا محنكا خطيبا مصقعا ، كاتبا بارعا ، منظما دقيقا ، حليما ذكيا ، ورعا تقيا ، خليقا كريما وقورا شغوفا بالعلم والمذاكرة . آمرا بالمعروف ناهيا عن المنكر ، سيفا مسلولا على كل باطل ، وصاعقة على كل من اراد النيل من الاسلام وشعلة جوالة على كل من هم ان يمس بعصمة النبى الخاتم وشهابا ثاقبا على الأعداء ، داعيا الى الاسلام الصحيح مدافعا عن الحق منافحا اهل الضلال . مناظرا اهل الباطل مناصرا للحق

مشاراً اليه بالبنان ، معتمداً على الله عزوجل واثقاً بنفسه بعد ربه تبارك وتعالى سديد الحب لله ولرسوله ، صادق القول ، وفى العهد ، سليم العقيدة ، متوقد الضمير ، نفذاً فى السياسة حجة فى الاديان ، ثبتاً فى الفرق ، ثاقب الذهن واسع الاطلاع ، قوى الحافظة ، متفق الذاكرة ، عميق الفكر ، صائب الرأى غزير العلم ملئى التقوى ، عظيم المروة ، شديد الذكاء ، جبل الاستقامة والاستقلال ، نقيب الصدق والوفاء ، صريح القول ، واضح الطريق حسن السيرة ، دولى الشهرة ، علم الشرف والنجابة والانسانية ، صاحب اللسان والبيان والقلم والقرطاس ، نابغة عهده ، عبقرى وقته ، بحاثة اقرانه علامة زمانه ، وحيد عصره وفريد دهره ، ذا جرأة ونجدة وشجاعة وبسالة وشخصية بارزة . كان قد أعطى لساناً طلقاً وقلماً سيالاً ، كان شعاره « افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر » .

يقاسى هموم الآخرين ويشاطر الامهم ويواسيهم فى نوائب الزمان . كان شأنا « ما كان على الأقل من حيث الانسانية » .

كان يقول « لا ذنب لى إلا انى أصدق القول »

جاهد فى الله حق جهاده بقلمه ولسانه ، بذل جهداً كبيراً أفنى عمره وفدى بروحه ضحية فى سبيل الله هو مولف فى المولفين ، صحفى فى الصحفيين سياسى فى السياسين ، مجاهد فى المجاهدين ، شهيد فى الشهداء ، اديب فى الأدباء زعيم فى الزعماء ، خطيب فى الخطباء ، امام فى الائمة ، كاتب فى الكتاب ، قائد فى القواد ، رائد فى الرواد ، اتصف باوصاف متعددة وملكات متنوعة .

عباراتنا شتى وحسنك واحد
وكل الى ذاك الجمال يشير

معيشته كان الشيخ رحمه الله مع كثرة أشغاله العلمية وأعماله الضخمة لا يغفل عن كسب معاشه ايضاً ، بدأ عمله التجارى بالاشتراك مع أحد الأخوة « بقالة عامة » ثم اخذ يتاجر الآلات الزراعية استيراداً وتصديراً ، ثم ببيع وشراء العقارات فكان تاجراً ماهراً وبجانب تجارته وتاجر مع الله عزوجل ايضاً فنجح فى تجارته متمثلاً بقوله تعالى « « ان الله اشترى من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة يقاتلون

فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون "

وفاته لکل أمر خاتمة ولکل شئی نہایة - ان اللہ عزوجل قد اختار لہذا البطل الجلیل نہایة عظیمة الشأن کما اختار له بدایة کبیرة الشأن بدأ حیاته بالجہاد فی سبیل وختمہا بالشہادة فی سبیله واذا کان نجمه الثاقب قد سطع فی الآفاق وانتشرت شہرته فی الاطراف، والدنیا قد اعترفت به فہناك أوجد له حسادا کثیرین ممن لم یستطع أن یبلغ شأوه أو یحقق شیئاً ما حققه،

ومن جہة أخری ماتکلم احد بالحق أو تلفظ بالصدق الا وقد حدث له اعداء ومعارضون لا یستطیعون أن یردوا بالأدلة والبراہین خاصة فی الادیان والفرق.

وکان الشیخ یقول لی فی آخر حیاته یا بنی! ادع اللہ عزوجل لی دائما لان الاعداء قد کثروا والخصوم قد زادوا. وکان مہددا من قبل بعض الفرق الضالة المنحرفة مثل القادیانیه والشیعه والبریلویة، وکان یتوکل علی اللہ تعالی. وکان فی حراسة رمزیة ولکن قدر اللہ وماشاء فعل.

جعل اللہ عزوجل موته علی رؤوس الخلائق وعلی مشہد من الناس و مرأی منہم ومسمع. حیث حدث حادث وہو یلقی مما ضرة بعنوان "الاعتصام بالکتاب والسنة" فی اجتماع غفیر محتشد للشباب السلفیین فی مدینة لاہور فقدمت الیه قنبلة مؤقتة موضوعة فی المزہریة التی توضع علی المنصة عادة. ماکان یعلم الغیب الا اللہ لبعد مضی خمس وثلاثین دقیقة من بدأیة المحاضرة انفجرت القنبلة فانقلبت الاحوال وحدثت الاہوال. قتل سبعة وأصیب أکثر من مائة باصابات.. وکان الشیخ قد اصیب بجروح شدیدة فنقل الی المستشفی "میو" ومکث اربعة ایام لم تتحسن حالته الصحیة فتم نقله الی المستشفی العسکری بالریاض علی دعوة من خادم الحرمین الشریفین الملك فہد بن عبد العزیز حفظه اللہ وبعد اثنتین وعشرین ساعة من نقله من باکستان انتقل الشیخ الی رحمة اللہ عزوجل یوم غرة شعبان ۱۴۰۷ھ الموافق ۳۰ مارس ۱۹۸۷م

وصلی علیه سماحة الشیخ عبد العزیز بن باز بالجامع الکبیر ثم نقل جثمانه الی المدینة المنورة حیث صلی علیه فی المسجد النبوی الشریف مرة أخری

ودفن فی البقیع بجوار صحابة الرسول الکریم صلی اللہ علیہ وسلم الذین قد
أفنی حیاته دفاعاً عنہم - وکان الشیخ رحمه اللہ دائماً یدعو اللہ تعالی
أن یرزقه شہادة فی سبیله ویجعل موته فی بلد رسوله. فتقبل اللہ دعاءہ.

وھکذا أفل ھذا النجم الثاقب الذی طلع من مدینة
" سیالکوت " ونور العالم بنور علمه وغرب فی مدینة الرسول صلوات اللہ
وسلامه علیه - وقد تأثر بوفاته المسلمون خاصة والعالم الاسلامی
عامة. وکان یوم وفاته أقبح وأظلم یوم فی حیاة اھل الحدیث فی تاریخ باکستان
بالحق بہم من الھم والغم وما وقع فی صفہم من الحزن والألم. بکی الناس
علی موته بکاءً شدیداً اولاداً واطفالاً نساءً ورجالاً، شباباً وشیوخاً.
من الاقارب والاجانب والاصدقاء والاعداء علی فراقه فاجھشوا
البکاء حتی المشائخ الکبار لم یتملکوا مشاعرھم وأحاسیسہم وعواطفہم نحو ھذا
الواقع الالیم فتشققت القلوب وفاضت العیون وتلفظت الالسن بالدعاء له بالرحمة
والغفران - ما کان احد یسلی أحداً کل کانوا مصابین بھذه الرزیة الکبری
حتی قیل لو کان المآتم وشق الجیوب وضرب الخدود والنیاحة جائزاً فی الشریعة
الاسلامیه لفعل الناس فی یوم وفاته ولکن قدر اللہ وما شاء فعل نحن
راضون بقضاءہ وقدرہ مخزونون علی فراقه وموته لا یزال یحزن القلوب
ویولم النفوس زمناً طویلاً ما کتبت الجرائد الیومیة والمجلات الاسبوعیة
والشہریة بمثل ما کتبت علی موته تسلیة وتعزیة رثاءً وثناءً علیه نظماً
ونثراً بیاناً لسیرته وخدماته وبدأت الاحزابات العامة والمظاھرات فی
طول البلاد وعرضہا احتجاجاً علی ھذه الحادثة الفاجعة التی ذھب
عدد من کبار العلماء ضحیة لھا تطالب بالانسال علی الایدی الاثمة
ومعاقبة المجرمین ولا زالت.
وکان یقرأ ھذا البیت کثیراً.

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا
ولکن علی اقدامنا نقطر الدماء

وفعلاً تقطر الدم علی اقدامه.

ھذا ھو شہید الاسلام العلامة إحسان الٰہی ظہیر الذی لما
تلد النساء مثله. الذی قدم للامة الاسلامیة خیراً کثیراً من الکتب القیمة

والخطب الايمانية مع قصر عمره . فرحمك الله يا علامة احسان لقد أهديتنا قيادتك الرشيدة وسياستك الحكيمة وتوجيهاتك القيمة وارشاداتك العالية ونصائحك الغالية وتنبيهاتك النافعة ومواقفك الجريئة وعلمك الغزير واطلاعك الواسع وقولك الصريح وطريقك الواضح .
جاهدت فى الله حق الجهاد وكنت مثالاً صادقاً لقول الرسول المجاهد صلوات الله وسلامه عليه " جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم والسنتكم "
كانك قد خلقت لخدمة كتاب الله وسنة نبيه وصحابته رضوان الله عليهم . أحققت الحق وابطلت الباطل ما جاملت ولا تساهلت فى حق الله وما عرفت الجبن والخور جزاك الله خيراً عن الاسلام والمسلمين الجزاء الحسنى وأجزل مثوبتك وأدخلك فسيح جناته وأمطر عليك شآبيب رحمته وأسدل عليك ستر مغفرته وتجاوز عن سيأتك انه سميع مجيب .
ان الاوساط العلمية خدمات يتيمة بعدونا لك وقد صدق الرسول الكريم صلى الله عليه وسلم " ان الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء . انا لله وانا إليه راجعون .
اللهم أجرنا فى مصيبتنا واخلف لنا خيراً منها .

اولاده ان الشيخ قد خلف مالاً جماً مع سمعة طيبة وشهرة علمية عمت الاقصاء وطرت الافاق وكتباً قيمة يستفيد منها العلماء والطلاب والمسلمون عامة والافاً مولفة من معتقديه الذين يدعون له بالرحمة ورفع الدرجات مع الغفران .
كما انه خلف ثمانية أولاد . خمس بنات وثلاثة بنين وهم ۱ ابتسام الٰہی ظہیر وهو ولد نجيب وخلف صالح يسلك مسلك أبيه ويسير سيرته عمره حوالى خمس عشر سنة تخرج من الثانوية هذا العام نرجو منه الخير فى المستقبل ان شاء الله . ۲ احتشام الٰہی ۳ محتشم الٰہی
جدة الشيخ احسان والوالد لا زالوا على قيد الحياة . والده الحاج الشيخ ظهور الٰہی رجل متدين ملتزم بالكتاب والسنة شديد الحب لله ولرسوله متحمس لدين الاسلام ومذهب السلف مع كبر سنه فوق السبعين .
وللشيخ إحسان اربعة إخوة ۱ سماحة الدكتور الشيخ فضل الٰہی استاذ فى جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية بالرياض وهو رجل متواضع ، عالم جليل

ملتزم بمنهج السلف داعية إسلامى كالكتاب المفتوح يقرأ فيه الناس معانى الإسلام ومحامده ومكارم الأخلاق خدوم للعلماء والطلاب .

۲۔ الأخ الكريم عابد إلهى أخذ الماجستير هذا العام من جامعة الإمام . وهو شاب متحمس خليق كريم يحب أهل العقيدة السلفية يشابه الشيخ إحسان فى بعض أوصافه ۳۔ الأخ الحبيب الشيخ شكور إلهى وهو يساعد أباه فى تجارته ويعمل معه فى مدينة « غوجرانواله » يشابه أباه فى التدين والالتزام والعبادة والحماسة . ۴۔ الأخ الكريم محبوب إلهى هو يشتغل بالتجارة فى مدينة « حيدر آباد » ومدير مدرسة تحفيظ القرآن الكريم فى مدينة « حيدر آباد » وهو ذو حماسة دينية مثل أبيه .

والأسرة كلها ماشاء الله قد عرفت بالحماسة الدينية والانتماء الى السلفية والتزام بمنهج الكتاب والسنة والدعوة إلى مسلك أهل الحديث

جزاهم الله خيراً احسن الجزاء .

وزوجة الشيخ إحسان الراحل المغفور له هى بنت الشيخ الحافظ محمد الجوندلوى محدث العصر شيخ الكل فى الكل . فى تعبير أهل الهند . الذى تلمذ بين يديه العلامة إحسان مدة طويلة وتأثر بغزارة علمه وعلو فكره وكثرة عبادته وانتقاء زهده وصفاء نيته وسعة معلوماته فكان الشيخ لمح فى عينيه ما سيكون عليه من الشأن العظيم فى المستقبل هذا الشاب النبيل الذكى الألمعى زوجه ابنته وهى عالمة جليلة .

بعد رحلة الشيخ إحسان إلهى رحمه الله أهل الحديث أحلوا محله الشيخ الكريم البروفيسر ساجد مير حفظه الله وهو عالم متدين ملتزم بالكتاب والسنة متمسك بمنهج السلف الصالح جرئ القول . شجاع الموقف . نرجو منه ان شاء الله متابعة مسيرة الشيخ إحسان فى التقدم والتطور ونصرة الحق ودحض الباطل ودعوة الناس الى المنهج السليم والصراط القويم تحت رئاسة الاستاذ الكريم شيخ الحديث محمد عبد الله حفظه الله تعالى وهو عالم جليل وداعية حكيم وقائد شجاع وإمام بصير له خبرة طويلة فى ميدان الدعوة ومواقف جادة وهو ذو شخصية بارزة فى أهل الحديث حفظهم الله جميعاً من شرور الأعداء وموافقة السفهاء وأخذ بأيديهم الى طريق الهدى والفلاح .

فقید الدعوة الاسلامية . احسان الهی ظهیر

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

(للدكتور محمد لقمان السلفي) رئاسة البحوث العلمية والافتاء بالرياض

ان المؤامرة الكبرى التي ذهب ضحيتها عشرات من الدعاة السلفيين في باكستان في اليوم الثالث والعشرين من رجب ١٤٠٧ هـ أكبر من أن يعبر عنها اللسان والقلم . القنبلة الموقوتة التي انفجرت في أحد اجتماعات جماعة أهل الحديث في مدينة لاهور كانت صاعقة على قلب كل موحد وكل من يدعو الى الاسلام الصحيح والدين الخالص ، انها رزيئة ما بعدها من رزيئة لكل من ينادي الى التمسك بالكتاب والسنة . ان الحادث الجلل يدعو علماء السنة في العالم أن يفكروا مليا وأن يوحدوا صفوفهم ويجمعوا كلمتهم لمواجهة أعداء الله و رسوله في كل مكان ، وقد ظهر لكل موحد في العالم أن أعداء الدعاة الى الكتاب والسنة كثيرون ، ومن كل نوع وصنف ، وأنهم محاربون من الأدعياء على الاسلام قبل محاربتهم من الأعداء الصرحاء للاسلام .

ان جماعة أهل الحديث في باكستان لم يكن ذنبها غير أنها كانت تدعو الناس الى العودة الى الاسلام الصحيح والاتباع الصحيح للنبي الخاتم صلوات الله وسلامه عليه . ونبذ الشرك و البدع و الخرافات وترك التقليد الجامد الأعمى حتى تعود للاسلام هيمنته وللمسلمين عزتهم وغلبتهم . انها الجماعة التي قال عنها الرسول ﷺ : لا تزال طائفة من أمتي منصورين لا يضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة .

وانها الجماعة التي وجدت في كل عصر ومصر منذ عصر الصحابة و التابعين تنادي الامة الاسلامية بالعودة الى الدين الخالص ، ولا غرو مما حدث في باكستان فهي سنة السلفيين في كل عصر ، وديدن اعدائهم في كل دهر ، ولن يثنيهم جحود الباطل عن الحق ولن يخوفهم جحود اعداء السنة عن المضي في

طريقهم متوكلين على الله ومتأسين بقول الله سبحانه وتعالى : ﴿ ولتكن منكم امة يدعون الى الخير يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ﴾ . . .

ان القنبلة التى ذهب ضحيتها كبار الدعاة السلفيين فى باكستان كانت دليلا أوضح من الشمس على الحقد الذى يحمله كل مبتدع فى قلبه ضد كل داعية الى الحق ، وحجة قاطعة على أن أعداء الاسلام لا يرتدعون (ولم يرتدعوا فى كل عصر ومصر) عن استخدام الوسائل الجهنمية ضد دعاة الحق ، وأنهم يهبطون الى أعمق السحيق من الدناءة والسفالة لأنهم قوم لا يؤمنون ، قوم لا يرعون إلا ولا ذمة ، قوم لا يحملون فى قلوبهم أدنى درجة من الخوف من رب السماوات والأرض ﴿ وما نقموا منهم إلا أن يؤمنوا بالله العزيز الحميد الذى له ملك السماوات والارض والله على كل شئ شهيد . ان الذين فتنوا المؤمنين والمؤمنات ثم لم يتوبوا فلهم عذاب جهنم ولهم عذاب الحريق ﴾ . أنا اعترف بالقصور فى التعبير ، فلا أدرى من أين أبدأ والى أين انتهى ، أأبكى الجماعة وما لحق بها من الغم والهم وما وقع فى صفها من الحزن والألم ، أم أبكى ذلك المجاهد الشهيد والعالم البحاثة والداعية الغيور / احسان الهى ظهير الذى قلما تجود السماء بأمثاله ، والذى كان صاعقة على كل باطل وسيفا مهندا على كل من أراد النيل من الاسلام وعقيدته وشهابا ثاقبا على كل من زعم ان الاسلام دين غير كامل او انه لا يصلح لكل زمان ومكان او انه فى حاجة الى أمر ثالث غير كتاب الله وسنة رسوله .

لقد عرفت هذا المجاهد الذى أفدى بروحه فى سبيل الله منذ اكثر من خمس وعشرين سنة ، عند ما جمعنى معه رحمه الله مقاعد الدراسة فى الجامعة الاسلامية فى الستينات ، جلست معه جنبا لجنب لمدة أربع سنوات فعرفته طالبا غنيا ذكيا يفوق أقرانه وزملاءه فى الدراسة والبحث والمناظرة وجدته يحفظ آلاف الأحاديث النبوية عن ظهر قلب ، كان يخرج من الفصل ويتبع محدث

العصر الحافظ ناصر الدين الألباني حفظه الله ويجلس أمامه في فناء الجامعة على الحصى ، يسأله في الحديث ومصطلحه ورجاله ويناقشه في كثير من الأمور ، والشيخ الرحب الصدر يسمع منه ويجيب على أسئلتــه ومناقشته ، وكأنه لمح في عينيه ما سيكون عليه هذا الشاب النبيه من الشأن العظيم في سبيل الدعوة الى الله والجهاد في سبيله بقلمه ولسانه ، وكأني به وهو يخطب بالعربية في المسجد النبوي على صاحبه أفضل الصلوات واتم التسليمات وكأن أســدا يصول ويجول ويدعو الى التوحيد الخالص والتمسك بالكتاب والسنة ويدحض البدع والطرق الصوفية الضالة والأعمال الشركية في المجتمع الاسلامي ويرد على الفرق الباطلة . ويتصل رحمه الله بالدعاة والعلماء القادمين في أيام الحج من شتى بقاع الأرض ، يداول معهم الموضوعات الاسلامية والمشاكل التي يواجهها المسلمين ، وهكذا . عاش أربع سنوات زاخرة بالعلم والعرفان والاستعداد النفسي للرحلة القادمة التي كان يترقبها في العالم الاسلامي فلما تخرج وحصل على درجة الليسانس في الشريعة الاسلامية عرض عليه العمل في المملكة ولكنه إعتذر وأصر على العودة الى بلاده آخــذا بقول الله سبحانه وتعالى : « فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون » . رجع وهو كله حماس للدعوة والرجوع بالأمة الاسلاميـــة الى الكتاب والسنة واصلاح ما فسد من شأنها من جراء الانحراف في الأفكار والعقيدة ومن جراء ما أفسده الدعاة الى الباطل والمرتدون من بني جلدتنا / وكان رحمه الله عظيم الشأن في كل أموره ،

لقد واصل الدراسة بالانتساب في جامعة لاهور حتى حصل على خمس شهادات ماجستير بالتفوق في الدراسات الاسلاميـة واللغة العربية والفارسية والارديـــة وموضوع آخر لا يحضرني الآن . وأصدر مجلة (ترجمــان الحديث) التي كانت منبرا لأفكاره وآرائه يدعو الى الاسلام الصحيح ويدافع عن الحق وينافح أهل الضلال ويرد على الفرق الباطلة من دون أن تأخذه في الله لومــة لائم ، وهو

الخطيب المصقع العظيم الذى لم يعرف له مثيل فى تاريخ باكستان وقد شهد له بالعظمة فى هذا الشأن القاصى والدانى والصديق والعدو فهو حافظ القرآن وحافظ لآلاف الأحاديث النبوية والقصائد الشعرية بالعربية والفارسية والاردية، وقوى الحجة والاستدلال لا يجاريه ولا يدانيه أحد. كان يخطب رحمه الله ساعات والمصحف بيده يظهر الحق ويدمغ الباطل من دون ان يمل ومن دون ان ينقطع كلامه والحضور كأن الطيور على رؤوسهم لا يتحركون ولا يملون بل يستزيدون، وهكذا ينتقل من مسجد الى آخر ومن منصة الى اخرى ومن قاعة الى اخرى وكأنه المحامى الاكبر فى عصره للاسلام والمدافع المغوار عن حياضه لا يعرف الجبن والخور.

وقد فتح الجبهات ضد كل باطل فى باكستان فهو الذى كشف عوار القاديانية وهتك ستار البريلوية وبين حقيقة التصوف الزائف والتقليد الجامد الأعمى وخطورتها على الاسلام ومضارها للمسلمين، وهو الذى أظهر حقيقة الشيعة الروافض الضلال حتى أقلقهم فى بيوتهم وأقض عليهم نومهم فى مضاجعهم.

ولم تتوقف خطبه الدعوية فى باكستان فقط بل خرج الى اوربا وأمريكا والى البلدان العربية وبلدان الشرق الاقصى يهز المنابر ويصحح مسار الدعوة الاسلامية فى كل مكان وكأنه ابن الاسلام الذى خلقه الله ليكون المدافع عنه من غير منازع.

وقد حظيت بأن استمع الى خطبه فى الرياض وفى المدينة المنورة وفى باكستان فى أكثر من مناسبة ورأيته يستدل بالآيات القرآنية والأحاديث النبوية التى أعرفها ويعرفها طلبة العلم ولكن طريقة الاستدلال الفذ وقوة البيان الساحرة جعلتنى فى كل مرة أشعر كأنى أسمع هذه الأدلة أول مرة، والله يعطى من يشاء بغير حساب.

وهو الكاتب البارع الفذ الذى قمع بقلمه السيال قصور الباطل وهدم بنيان الفرق الباطلة هدما لا بعده هدم. ألف عن القاديانية والبهائية والبابية

والشيعة والبريلوية والتصوف الزائغ، فكان كل كتاب من كتبه صاعقة على تلك الفرق. ألف عن القاديانية بالعربية والأرديـة وطبع و وزع مئات الآلاف من النسخ فى باكستان وغيرها من البلدان العربية والأفريقية والأوروبية والأمريكية، فكان بمثابة المسمار الأخير فى تابوت هذا الكفر (كما يقولون بالأرديـة) وقد كتب عن كتابه (القاديانية بالانجليزية) الداعية الاسلامى فى غانا الأستاذ صلاح الدين تايوانه لم يجد كتابا أقوى منه فى الرد على القاديانيـة، وانه له الفضل بعد الله فى التوبة عن هذه النحلة الضالة، ذكر هذا فى مولفه عن القاديانية بالانجليزية بعد ان تاب عنها.

وألف عن البابية والبهائية وعرف الأمة الاسلامية زيغها وضلالها وخروجها عن الاسلام. وألف عن الشيعة عدة مؤلفات قوية مدعمـة بالحجج و البراهين وكشف عوارها ورد على الكاتب المصرى على عبد الواحد واف و مؤلفه عن الشيعة ردا مفحما حتى ألجمه السكوت والانخذال، وهو المعروف بذكائه المفرط فى البلاد العربية!! ولقد كانت مولفاته رحمه الله عن الشيعة أكبر عون فى فهم هذه النحلة المنحرفة الضالة بين الأوساط الاسلامية وأقوى حاجز فى سبيل السيل الجارف للرفض وأخطاره الى البلاد الاسلامية.

وألف عن البريلوية فكان الكتاب شهابا ثاقبا على القلوب اولئك الأدعياء على الاسلام وارتفع عويلهم وصراخهم فى باكستان واستعملوا زبانيتهم فى أوساط الحكومة حتى حصلوا على موافقة حكومة بنجاب على منع تداول الكتاب رغم كونه باللغة العربية التى لا يفهمها فى تلك البلاد إلا القليلون، وذلك لأن الكتاب كشف زيغ هذه الفرقة الضالة المارقة عن الدين وعقيدته الصافية، العابدة للقبور والموتى والعياذ بالله.

وألف عن التصوف الزائغ فزلزل بنيانـه وهدم عماده وأوضح للأمـة الإسلاميـة سبيل الاسلام الصحيح مصداقا لقول الرسول العربى ﷺ: تركت

فيكم أمرين لن تضلوا ما ان تمسكتم بهما كتاب الله وسنتى .

وفيما يلى بيان أسماء الكتب التى ألفها الشهيد رحمه الله دفاعا عن الاسلام :

١ — القاديانية (دراسات وتحليل)	بالعربية
٢ — القاديانية	بالأردية
٣ — المرزائية والاسلام	"
٤ — البابية (عرض ونقد)	بالعربية
٥ — البهائية (نقد وتحليل)	"
٦ — الشيعة والسنة	"
٧ — " "	بالفارسية
٨ — " "	بالانجليزية
٩ — " "	بالتايلندية
١٠ — الشيعة وأهل البيت	بالعربية
١١ — الشيعة والقرآن	"
١٢ — الاسماعيلية	بالعربية
١٣ — البريلوية عقائد وتأريخ	"
١٤ — التصوف المنشأ والمصادر	"

١٥ — وقد طبع تحت إشرافه الترجمة الانجليزية لكتاب التوحيد وكتاب الوسيلة والترجمة الاردية لكتاب الوسيلة .

وهو السياسى المحنك الذى نادى بعدم فصل الدين عن السياسة وأعلن على المنابر وفى الجرائد وفى المقابلات التى أجريت معـه والمناظرات التى جرت بينه وبين مخالفيه أن الاسلام دين كامل وشامل لجميع شعب الحيـاة وأن فصل السياسة عن الدين مؤامرة كبرى ضد الاسلام ، مارس السياسة من الوجهة الاسلاميـة وعرف دقائقها وخفاياها واعترف له بالتقدم حتى فى هذا الميدان

صديقه وعدوه.

وهو المناظر اقوى الحجة والحاضر البديهة عنـــد ما يدافع عن الاسلام وقضاياه ويرد على أهل الزيغ و الضلال. وقـــد اقيم له حوار قبل الحادثة الفاجعـــة بيوم واحـــد فقط بينه وبين الذين كانوا يطالبون بتنفيذ الفقه الحنفي أو الجعفري أو غيرهما من المذاهب الفقهية، وكان رحمـه الله يقول أن لا نقبل بديلا من القرآن و السنة. و قد استمر الحوار لمدة ست ساعات ونصف ساعة يدافع عن القرآن والسنة ويدعو الى التمسك بهما. وقد أعلن الحكام النتيجة فى اليوم الثانى فقالوا ان الحق مع العلامة احسان الهى ظهير وجماعته، فكان نصرا مبينا للحق وهزيمة نكراء لمعارضيه.

وفى مساء ذلك اليوم انفجرت القنبلة المنحوســة عنـــد ما كان الشهيـــد رحمـــه الله يخطب فى جمع غفير محتشد لأهل الحديث فى أحد ميادين لاهور، فكانت الكارثة الكبرى التى ما بعـــدها من كارثة والمصيبة التى ما بعـــدها من مصيبة، حيث ذهب ضحيتها نخبـــة الدعاة السلفيين أمثال الشيخ حبيب الرحمن يزدانى والشيخ عبد الخالق قدوسى والشاب المجاهد محمد خان نجيب وغيرهم من الارواح الزكية التى لم يكن ذنبهم غير أنهم كانوا ينادون بالأمة الاسلاميـــة للعودة الى الاسلام الصحيح والتمسك بالكتاب والسنة. وعلى رأسهم هذا الشهيد العظيم الذى لم تعرف الساحات أمثل منــه ولا أقرب منـه. وسوف تبكى المنابر وتئن وتحن المحاريب اليـه لمدة طويلة حتى يأتى الله بمن يملأ هـذا الفراغ، وما ذلك على الله العزيز، وصدق الله عز وجـــل اذ يقول: ﴿من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر﴾.

فقد أفدوا بأرواحهم فى سبيل الله وقدموا أنفسهم شهادة على صدق نيتهم واخلاصهم لله ولرسوله.

فرحمك الله يا شهيد الاسلام ، يا من كان يتمنى الموت فى سبيل الله يا من عاش عزيزا ومات كريما ، يا من قدم روحه شهادة على صفاء باطنه ونقاء نيته . واخسأوا أيها الضلال الذين دأبوا على ممارسة الارهاب وحبك المؤامرات ضد أهل السنة فى كل زمان ومكان ، يا أحفاء النظام والبشر المرتشى ويا أبناء عبد الله ابن سباء اليهودى ويا اتباع أهل النفاق والارتداد لا تفرحوا وانتظروا ذلك اليوم العصيب الذى تقفون فيه امام الواحد القهار وتصرخ بكم دماء الشهداء الابرياء الذين قتلوا وهم فى الساحة يناضلون ضد باطلكم ، يوم لا تنفع قنابلكم الخارقة ودسائسكم الجهنمية ، يوم يقول الله جل شأنه : ﴿اخسأوا فيها ولا تكلمون﴾ .

وبشرى لكم أيها الشهداء وبشرى لك أيها البطل الجليل للاسلام الذى لم يعرف الخور والجبن فى حياته ولم يخف فى الله لومة لائم ولم يضن بروحه فى سبيل ربه الذى أعزه بالاسلام واكرمه بالشهادة التى هى بغية كل مسلم مخلص فى دينه ، فأنت الرابح وأنت الفائز وأنت الكريم وأنت الذى يرجى له الخير والحمد لله على قضائه وقدره .

وانتم أيها الموحدون السلفيون يا جماعة أهل الحديث فى كل مكان ، ويا من بشره النبى العربى ﷺ فقال : لا تزال طائفة من أمتى منصورين — الحديث .

لا تقنطوا من رحمة الله ولا تيئسوا واصمدوا فى سبيل الحق مثل الجبل الصلد الذى لا يعرف الهزيمة ولا يعترف بها ، فأنتم أمناء هذا الدين وحماته ، واتخذوا من حياة الشهيد نبراسا لكم ، علموا أولادكم الصبر والاستقامة فى سبيل الله وربوهم على الصدق مع الله والجهاد فى سبيله فان الظالمين بعضهم أولياء بعض والله ولى المتقين ، والله ولى المؤمنين ، ألا أن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون . حسبنا الله لا إله إلا هو عليه توكلنا ، ومن يتوكل على الله فهو حسبه ◇ ◇

There have also been political assassinations. But since the killing of the PPP leader Hayat Mohammad Khan Sherpao in a bomb blast in Peshawar on February 8, 1975, this is the only occasion when an explosive device was pointedly aimed at the main speakers in a public meeting. Again, unlike the relatively small student gathering at which Mr Sherpao was killed, this was a large public meeting and casualties have been staggeringly high. It has also come at a very critical moment in our history when the national drift has created an environment of deep fear and uncertainty. It is significant that this politically motivated act of terror was staged in Lahore, which remained relatively calm when Karachi, Peshawar and Quetta were rocked by bomb blasts or ethnic clashes.

Monday's bomb explosion raises many disturbing questions. It was in all appearances a thorough professional job. According to reports, the device was planted in a flower vase delivered by some unknown person. It was a highly sophisticated device, carefully timed to go off to do maximum damage. There is still no clue as to who the culprits are or might have been. Nor is it clear whether the aim was to eliminate Allama Zaheer and other Jamiat leaders or had a more sinister purpose, namely to create an atmosphere of terror and strengthen the forces of destabilisation in the country. One also does not know whether Allama Zaheer and his party's strong dissenting position on certain political and controversial legislative issues earned them the blind animosity of certain forces leading to the monstrous act of assassination which has now claimed its frightful toll. Irrespective of the sinister motives of the perpetrators of this crime, no effort or ingenuity must be spared to trace the culprits whoever they are and bring them to justice. Similarly, every effort must now be made to preserve an environment of tranquillity so that the process of opinion formation can continue as part of an open and legitimate political process. Just about a year ago, some of the largest public rallies ever were held in a completely peaceful manner. The cost to our polity will be grievous if peace and public order are not protected against the machinations of the forces of violence and disorder. The major responsibility in this regard rests upon the authorities whose foremost task is to track down the saboteurs who are guilty of Monday's blast. They should also take the necessary precautions to forestall any future acts of political terrorism and subversion in the country. The custodians of public order and security have an onerous duty to perform. For their part, the political parties too must now be more alert about the security situation at their rallies and meetings. But on no account must the political process be allowed to be tampered with or put under undue trammels. It is unfortunate that the authorities have not been able to check the rapid spread of illegal arms in the country. Free availability of such weapons makes things only too easy for potential terrorists. In spite of repeated assurances, no successful campaign has yet been launched to rid society of unlawful, sophisticated weaponry. The cult of violence is gaining strength and virulence at an alarming rate. We need all our resources and will to counter this trend which portends danger to society and our polity.

crowded meeting of the youth wing of Jamiat Ahle Hadith. Allama Zaheer was addressing the meeting when the blast occurred and he was seriously wounded. He was later flown to Saudi Arabia for medical treatment where, after the amputation of his right leg, he succumbed to his injuries in the small hours of Monday. His death has understandably thrown a pall of gloom over the country, raising disturbing questions about the likely consequences of politically motivated violence at this critical juncture in the nation's history. This act of terrorism has taken a shattering toll in the death of Allama Zaheer, a religious scholar and political leader of great capabilities and promise. It is shocking to learn that he was only 46 when his life was so cruelly cut short by a fiendish act of criminality. As Secretary-General of the Jamiat, he was the moving spirit behind his party and his integrity and sense of commitment to his cause were exemplary. We shall miss him all the more because of his courage and his leadership qualities. His death has been condoled, amidst glowing tributes and loving reminiscences, by leaders of all persuasions. Apart from being an eloquent exponent of Islam, Allama Zaheer was a man of learning in a wider sense, having graduated in law and acquired masters' degree in as many as six subjects. He was also educated at the Madina University. As an author of several books in Arabic, he was held in high esteem in the Islamic world. It is not usual for a man as involved as he was politically and in contemporary issues of life to have such scholarly achievements to his credit. At a time when violence has spread at an alarming rate, Allama Zaheer has become its most notable victim. His death should shock us into an awareness of what this horrific aberration, this drift could entail for the future of the nation. Allama Zaheer was a democrat and a true man of religion, who did not compromise his religious convictions or his political beliefs either for expediencies or for fear of retribution.

DAWN

A national tragedy

THERE is shock and dismay over the bomb explosion in a Pakistan Day public meeting in Lahore which claimed a terrible toll of casualties. That eight persons died and about one hundred were injured makes it one of the worst incidents of its kind in recent years. Among those critically injured is Allama Ehsan Elahi Zaheer, leader of Jamiat Ahle Hadith. He was addressing the meeting called by the youth wing of the Jamiat when the bomb went off. It was ostensibly aimed at Allama Zaheer and the other prominent leaders and activists of the party. Maulana Habibur Rehman Yazdani, Naib Amir of the Jamiat, is among those killed. Even in the current perspective of widespread violence and subversion, this one touches a new benchmark in our turbulent political history. Political meetings have been disrupted in the past and minor blasts have occurred on the periphery of public gatherings.

experience. It is intriguing why it has happened in Lahore and that too on Pakistan Day. But whosoever is behind it has made a calculated effort to sow the seeds of strife in a province which has hitherto had a peaceful political life.

Needless to say such incidents are prone to disrupt the democratic process and strengthen the hands of those who advocate total clampdown on all political activities in the name of peace and stability. Violence as a political weapon has been made possible by the proliferation of arms of all sorts in the open market, which are easily available to those who can afford to buy them. If the Government is keen to safeguard the life and property of its citizens, it should act decisively to put an end to the growing "culture of Kalashnikovs". The tragic incident at Lahore may have far-reaching consequences and can be exploited by the vested interest to foment trouble and conflict between different sections of society. It may also lead to disturbances and mass violence.

Undoubtedly it is the work of unscrupulous disruptionists who are out to wreck the peace and solidarity of the nation, but the Government cannot be absolved of its responsibility to ensure the safety of the citizens. Its failure to make adequate security arrangements on Pakistan Day is a serious lapse and will reflect adversely on its credibility. It is time a wholehearted effort was made to tackle the growing menace of violence in politics. It is an issue on which all patriotic elements, regardless of their political affiliations, would be willing to cooperate.

The Government, despite its tall claims to punish the disruptionists, has so far failed to contain violence, and if the incident at Lahore is treated like routine business, the horrifying phenomenon may cause irreparable damage. The litmus test of government sincerity and efficiency would be how soon the probe is made and the facts of the matter brought to light.

THE PAKISTAN TIMES

Death of a crusader

WITH the death of Allama Ehsan Elahi Zaheer in a Riyadh hospital, the infamy of the bomb blast in which he was seriously injured on Pakistan Day in Lahore has acquired a more tragic dimension and added a more sinister twist to the possible motives behind the murderous plot. Eight persons had died when the explosive device had gone off in the

Allama Ehsan Elahi Zaheer

ALLAMA Ehsan Elahi Zaheer's demise has deprived the country of a religious scholar and a political leader. With his death the toll of victims of the bomb blast at the public meeting on March 23 in Lahore has come to nine. Allama Zaheer received his religious education at Jamia Mohammadia, Gujranwala, and the Islamic University, Madina. Later, he acquired Master's degrees in six subjects, including Arabic, Persian, English and Urdu. He was an enlightened religious 'alim' who did not see eye-to-eye with obscurantist and semi-literate maulvis. As an anti-imperialist, he exposed such elements which have had direct or indirect links with imperialism or Zionism. For him there was no incompatibility between Islam and democracy. He, therefore, consistently opposed the Martial Law regime and the nominated Majlis-e-Shoora. He also had no liking for the successor regime that came into existence as a result of "partyless" elections. The Shariah Bill, sponsored by Jamaat-e-Islami, was the object of his sharp criticism.

So far there is no clue about the persons responsible for the bomb blast that killed Allama Zaheer. It is a dastardly political murder, following the assassination of Fazil Rahu, Hisbani and Saadatullah. While it is true that proliferation of arms has increased the incidence of crime, political murders are no ordinary criminal acts. These are always the result of conspiracy by political opponents. If the Government fails to trace and apprehend the real culprits, the aggrieved parties will begin to suspect an official hand in the assassination of opposition leaders.

THE MUSLIM

Violence in politics

TEN people were killed and 91 injured when a powerful bomb went off during the course of a Pakistan Day meeting of Jamiat-Ahle Hadees at Lahore. It is far too early to say which elements are responsible for this heinous crime. Hopefully, the police will give a better account of its investigating prowess than has been evident with regard to similar incidents in the past. Bomb blasts have become a recurring phenomenon in the Frontier, and Sind too has had its share of political violence, but this is the first time that Punjab has gone through such an

سانحہ لاہور پر مختلف انگریزی اخبارات کے اداراتی تبصرے

The Nation

WEDNESDAY, 1 APRIL, 1987

A murder most foul

Death of a religious scholar is always a great national loss but a death which is actually a murder is doubly distressing. We had an occasion to comment in these columns on the terrorist engineered bomb blast at a public meeting held on March 23 at Qila Lachhman Singh, Lahore, that killed seven people and injured more than a hundred. Allama Ehsan Elahi Zaheer (the Chief of the major faction of Ahl-i-Hadith) who was the main speaker on the occasion sustained serious injuries. These have now proved fatal. He died in a Riyadh Hospital, to which he had been rushed only a day earlier. His death will be widely mourned and his highly effective public oratory and his courageous stand on many religious and political issues will be long remembered. May his soul rest in peace.

In his public speeches for nearly a year now the late Allama had consistently been critical of firstly, the sponsors of the Shariat Mahaz and, secondly, of President Zia-ul-Haq. Although his criticism of the President was often more wide-ranging (because of the President's obvious involvement in a large number of problems) than that of the Mahaz, he, it seems, felt that but for the President's tacit approval or his active encouragement, the Mahaz could not have come into being. He repeatedly pointed to the dangers of divisiveness inherent in the course that the Mahaz was pursuing. There was no consensus, he said, on many aspects of the Shariat that the Mahaz wanted the Parliament to adopt, and the Mahaz's advocacy of the bill could only do lasting damage to the unity of the Umma. This is not to suggest that those responsible for his murder could be adherents of the causes that the late Allama openly condemened, but merely to state how imperilled are the people who choose to challenge the vested interests in politics or religion. The price asked for is often one's life. But causes, especially noble causes, such as the one that the late Allama espoused, do not die with the death of their sponsors. They live on. And therein lies the utter futility of the crimes of those who would have the voice of the guiltless silenced. And let them also remember that nemesis for them is not far.

gest loss of Ahl-E Hadith and Ahl-E Hadith of the whole Islamic World in particular and Muslims in general feel real grief.

Though not recovered from Allama's shocking death, Ahl-E Hadith are all set to march towards their destination, enforcement of Quran and Sunnah' and will not accept enforcement of any 'Fiqh' which will divide the nation.

"JAP" with its heroic background against British and Sikh rules, will continue their struggle to reach their destination under the leadership of Shaikh-Ul-Hadith Mohammad Abdullah and Professor Sajid Mir.

Allama Ehsan Ilahi Zaheer, A Great scholar, writer, politician and popular speaker of Arabic and Urdu, wrote about two dozen books in Arabic, Urdu and Persian. Most of those in Arabic, have been translated in different languages.

The Allama was born in 1940, in the city of Allama Iqbal, completed learning Quran by Heart (Hifz) at the age of 9. He studies in different institutions of Pakistan and AAD 6 Masters Degrees in Law, History and Philosophy, Arabic, Persian and Urdu, and had studied in Islamic University of Madian. (Blessing of Allah be on Him).

In a Conference in Chiniot, 3 days before the bomb blast, he criticised the Government's softness towards Qadianees (Followers of Mirza Ghulam Ahmed Qadianee who claimed to bé a prophet after Mohammad) He stressed removal of All Qadianees from all key positions.

King Faisal Bin Abdul Aziz admired His Book "Qádia-niat" and bought and distributed hundreds of its copies. Shah Ahmed Noorani bought copies of English version of this book to distribute in South Africa.

Opposing 'SHARIAT BILL', He used to say. "No Muslim would dare to oppose Shariat while 'Shariat Bill' proved to be controversial and is opposed by JAP, JUP and many other parties. If Gen. Zia was sincere in enforcing 'Shariat Bill', why he did not enforce in the last 9 years when he had unchallenged Authority. Bill is not for enforcement of Islam but to fulfil the personal designs of President."

There was no word of tolerance in his life for anti-Pakistan and anti-Islam forces, even Gen. Zia-ul-Haque confessed that in his message on Allama's death.

Professor Sajid Mir, General Secretary of JAP has announced to carry on Allama's policies and JAP's strategy for democracy and has announced a movement for volunteer arrests to protest against Government's failure to arrest culprits.

Meanwhile Ahl-E Hadith Youth Force, founded by the Allama, and JAP, not satisfied with the investigation, are continuing public rallys protest marches, accusing Government for hiding and protecting the felons.

After Syed Ismaeel Shaheed's Martyrdom in 19th century fighting against Sikhs in Punjab, this is the big-

Nabi. In Riyadh, grand Mufti of Saudi Arabia Shaikh Abdul Aziz Bin Baz led the funeral prayers. Later Allama Zaheer was buried in Janat-Al-Baqie, the graveyard of Madina.

President Gen. Mohammad Zia-ul-Haq, Prime Minister Mohammad Khan Jonejo, Chief Ministers, All 'MRD' leaders including Miss Benazir Bhutto, Ghulam Mustafa Jatoi, Maulana Fazl-ur-Rahman, Nawabzada Nasrullah Khan, Abdul Wali Khan, Malik Qasim, Sher Baz Mazari and other prominent leaders visited Allama's house and expressed grief. A motion in the National Assembly sought *to discuss* the incident.

The public demonstrated all over Pakistan, hundreds of thousands said funeral prayers in Lahore, where police stopped a rally marching towards the Governor House and shelled tear gas. Angry youth raised Anti-Government slogans and blocked roads.

Public meetings were not complete without the Allama's speech. People would love to listen to his loud, thundering and roaring voice.

The Allama, one time acting Chief of Tehrik-E-Istaqlal, quit Tehrik in 1977 when Tehrik split up from National Alliance (PNA). Allama then decided *to organise Jamiat* Ahle-Hadith as a Political Party and his achievement became so evident that the Government and Political parties felt a threat to their supermacy.

He disliked the Gen. Zia's way of Islamisation and enforcement of some "Hadood" through peoples who had very little or no knowledge of Islam and it gave negative results.

ALLAMA EHSAN ELAHI ZAHEER, SHAHEED

Written by:
Mohammad Sarwar Ansari, Site Engineer,
Muscat, Oman.

This is the biggest tragedy of Political and Religious scene of Pakistan when almost full leadership of 'Jamiat Ahl-E Hadith is killed in a bomb blast.

A powerful bomb exploded in a public rally, where Chief of "Jamiat Ahl-E Hadith"' Allama Ehsan Ilahi Zaheer was addressing the rally in Lahore on 23rd March, 1987.

The public rally was organised by "Ahl-E Hadith Youth Force", the youth wing of 'JAP'. Ten people were killed and 100 were injured.

The President of Youth Force Mohammad Khan Najeeb was killed at the spot, Deputy Secretary General of JAP Habib-ur-Rahman Yazdani died in the Hospital and Allama Zaheer in critical condition was latter flown to Saudi Arabia in a special plane sent by Custodian of Harmain Sharifain King Fahd Bin Abdul Aziz for treatment in Riyadh Military Hospital.

During the night between 29th and 30th March, He underwent an operation but could not survive as poison had penetrated in the whole body and he died in the morning of 30th March, 1987.

One of the biggest funeral procession was seen in Madina where thousands of Pakistanies, Saudies and students of Madina University, where Allama himself studied in 1967, attended funeral prayers in Masjid-Al-

Phone : 54072 225353 REG. NO. L. 7794
MONTHLY
TARJUMAN-UL-HADITH
50 - LOWER MALL LAHORE

شہیدِ اسلام

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی جملہ تصانیف

- القادیانیۃ (دراسات وتحلیل عربی)
- الشیعۃ والسنۃ (عربی)
- الشیعۃ واھل البیت (عربی)
- الشیعۃ والقرآن (عربی)
- البابیۃ عرض ونقد (عربی)
- البہائیۃ (حصہ اوّل) عربی)
- تصوّف (حصہ دوم) عربی)
- البریلویۃ (عربی)
- قادیانیت (انگریزی)
- شیعہ وسنت (فارسی)
- شیعیّت (انگریزی)
- مرزائیت اور اسلام (اردو)
- تصوّف (حصہ اول) (عربی)

تراجم

- کتاب الوسیلۃ (انگریزی)
- کتاب الوسیلۃ (اردو)
- کتاب التوحید (انگریزی)

ناشر:- ادارہ ترجمان السنّۃ

۵۷۵- شادمان ٥ لاہور ٥ پاکستان فون ۴۱۳۱۳۱ / ۴۱۳۱۳۰

ملنے کا پتہ :- مکتبہ قدوسیہ ٥ اردو بازار ٥ (المحدیث مارکیٹ) لاہور